
WWW.PAKSOCIETY.COM
ردا ڈائجسٹ
April
2012
PAKSOCIETY.COM



سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

مستقل سلسلے



اپریل 2012ء
جلد نمبر 17 شمارہ نمبر 4
قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
600 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی-ای-سی-ایچ-سوسائٹی، کراچی



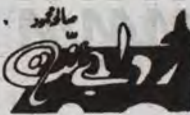
زندگی کی ساعتوں کو چن لینا بڑی بات ہے محبتیں بے شمار ہیں لیکن محبتوں کو اپنے لئے شمار کرنا بہت بڑی بات ہے۔ زندگی کا کچھ بھی حصہ ہم جب اللہ سے طلب کرتے ہیں تو ذکر اللہ کے ساتھ ہی ہمیں ایک علم لامحدود کی تمنا بھی رکھنی چاہیے۔ علم ڈگری اور درسگاہوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ علم حقیقی وہ ہے جو ہمیں شعور عطا کرتا ہے ہمیں دین سے قریب کرتا ہے۔ ہماری سمجھ ہماری عقل سے سارے پردے اٹھا دیتا ہے اور ہم اشرف المخلوقات کے درجے پر پہنچتے ہیں اور جب پلٹ کر دیکھتے ہیں تو خود کو بہت دور لاتعلق سا محسوس کرتے ہیں' ہمارے محسوسات ہماری روح کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے ہیں۔

زندگی کا کوئی بھی لمحہ ہو ہمارے ساتھ ہوتا ہے خوشی اور غم دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ زندگی کا یہ سفر کبھی تنہا نہیں ہوتا۔ روح ہمارے ساتھ ہوتی ہے ہمیشہ انسان کی عقل و بالا میں کوئی لمحہ خالی نہیں جاتا ہے۔ ردا آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔

ردا پڑھنے کیلئے ردا جاننے کیلئے بہت ساری چیزوں کو ذہن میں رکھنا پڑتا ہے۔ جذبہ محبت' صبر' اطاعت' حب الوطنی یعنی کوئی نہ کوئی ایسی بیس جس پر زندگی آپ کی انحصار کرتی ہے اور پھر آپ کی تحریر سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کس طرح سے آپ کی کہانی کو سبق آموز بنایا جائے یہ ایک خاص نمایاں پہلو ہے ردا میں لکھنے والوں کا۔ مثلاً

قلم سے ہمیشہ بے راہ روی کو روکا جائے' خودکشی حرام ہے اس کو روکنا ہے' ہر کہانی میں کسی نہ کسی سبق آموز پہلو کو نمایاں کرنا ہے۔ بہت دنوں سے ہم یہ سب آپ سے کہنا چاہتے تھے کہہ نہ سکے۔ ردا آپ کا ہے اداریہ لکھتے وقت ذہن میں جو آیا وہ میں نے آپ سے شیئر کرلیا' آپ اپنے تعاون کو مزید مجھ سے شیئر کریں گی۔ وہ تحریر لکھتے وقت اسی بات کو ذہن میں رکھنے [illegible] لکھنے والے رابطہ رکھیں۔

(آپی)



جگر گوشہ رسول' حضرت فاطمہؓ

حضرت فاطمۃ الزہرہؓ حضور اکرم ﷺ کی چہیتی بیٹی 20 جمادی الثانی سن 5 نبوی کو آغوش رسالت کی زینت بنیں۔ آپ کے والد سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ اور والدہ ملیکۃ العرب ام المومنین حضرت خدیجہؓ تھیں۔ آپؑ کی ولادت عرب کے اس معاشرے میں ہوئی' جہاں ہر باپ اور ہر خاندان بیٹے کے لئے آرزو مند ہوا کرتا تھا۔ یہ وہ معاشرہ تھا' جس میں لڑکی ہونا' ایک جرم تھا اور اس جرم کی سزا یہ تھی کہ اسے زندہ درگور کردیا جائے' عورت کے لئے معاشرے میں کوئی عزت و وقار نہ تھا' عرب عہد جاہلیت کا عورتوں کے متعلق یہ ہی وحشی رویہ تھا' جس کا کلام پاک میں سرزنش آمیز اور موثر لہجے میں ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اس کیفیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے "جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خبر سنائی جاتی ہے تو غم و غصے کی زیادتی سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے"۔ (سورۃ النحل)

ایسے انسانیت سوز ماحول میں قدرت کا ایک انقلاب برپا کرنے والی تھی' صنف نسواں کے لئے صبح آزادی طلوع ہونے والی تھی' سوچ و فکر میں ایک انقلابی تبدیلی رونما ہونے والی تھی' اس خوش گوار' مگر دشوار انقلاب کے لئے قدرت نے دو عظیم شخصیتوں کا انتخاب کیا' باپ اور بیٹی۔ حضور اکرم ﷺ کی کوئی اولاد نرینہ زندہ نہ رہی۔ عرب میں ایسے شخص کو جو اولاد نرینہ سے محروم ہوتا' ابتر کہا جاتا۔ عرب اپنی جاہلانہ سوچ کے مطابق حضور اکرم ﷺ کو ابتر کہنے لگے' قدرت نے کفار کی ہرزہ رسائی کا جواب ان الفاظ میں دیا: (اے ہمارے حبیب ﷺ) ہم نے تجھے کوثر عطا کیا' سو اپنے پروردگار کی نماز ادا کرو اور قربانی دو' بے شک تمہارا دشمن ہی ابتر (بے نام و نشان) ہے"۔ (سورۃ الکوثر)

کوثر کے معنی ہیں خیر و برکت کی کثرت اور فراوانی اور تسلسل' اس کے معنوں میں اولاد اور ذریت کی کثرت کا رخ بھی ہے۔ اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو کوثر عطا کیا' انہیں سیدہ فاطمہؓ جیسی بیٹی سے نوازا' وہ عرب جو بیٹی کو بوجھ سمجھتے تھے ان کے افکار کے بہاؤ کا رخ موڑا گیا اور اس طرح معاشرے میں ایک عظیم فکری اور روحانی انقلاب کی بنیاد رکھی گئی۔

حضرت فاطمہؓ کے توسط سے وہ فکری انقلاب برپا ہوا کہ اب بیٹے کی جگہ بیٹی اپنے خاندان کی عزت و بزرگی کی وارث قرار پائی' اب اپنے خاندان کی تمام قدروں کا تحفظ کرنے والی اور اپنے آباء و اجداد کے نام کو دوام بخشنے والی ہستی بیٹی ہے' یہ بیٹی ہی ہے' جس کے ذریعے شجرہ آگے بڑھے گا' نسل کو دوام حاصل ہوگا۔

حضرت فاطمہؓ اپنے عظیم خاندان کی تمام عز و شرف کی وارث ہیں' انہی کے ذریعے اس عظیم خاندان کا تسلسل جاری ہے'

کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوتا ہے یہ انسانی عزو شرف حرمت اور عظمت کا خاندان ہے اور اس خاندان کی امین حضرت فاطمہؓ ہیں۔ اسلام نے عورت کا جو تصور پیش کیا ہے' حضرت فاطمہؓ کی شخصیت اس تصور کی تصویر ہے' آپ ہر اعتبار سے ایک مثالی عورت ہیں' نسوانیت کی تمام گوناگوں جہتوں کے لئے ایک مثالی نمونہ۔ اپنے والد محترمؐ کے حوالے سے ایک مثالی بیٹی۔ اپنے شوہر کے حوالے سے ایک مثالی بیوی اپنے بچوں کے حوالے سے ایک مثالی ماں۔

آپ بے شک دختر پیغمبرؐ ہیں' حضرت علیؓ کی زوجہ ہیں' حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ اور حضرت زینبؓ و حضرت ام کلثومؓ کی ماں ہیں' مگر آپ کی سیرت میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے' اگر ایک جملے میں حضرت فاطمہؓ کا تعارف کرایا جاسکتا ہے تو وہ تعارف یہی ہے کہ "فاطمہؓ' فاطمہؓ ہے" آپ کی زندگی وہ قابل تقلید نمونہ ہے' جس کی پیروی کے ذریعے عورت خود اپنی حقیقت کو دریافت کرسکتی ہے اور اپنی حیثیت' مرتبہ اور مقام کا شعور حاصل کرسکتی ہے اور بزم حیات میں اپنے لئے صحیح راستہ منتخب کرسکتی ہے۔

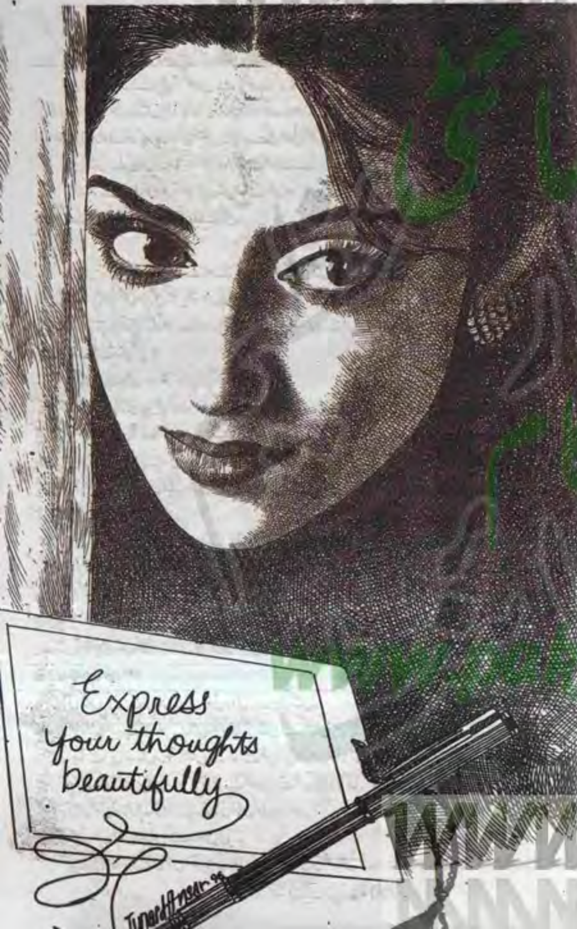
حضرت اکرمﷺ حضرت فاطمہؓ سے خصوصی شفقت فرماتے' جب کبھی رسول اکرمﷺ سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ سے وداع ہوتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے آپ سے ملاقات فرماتے۔ جب حضرت فاطمہؓ تشریف لاتیں' آپ اپنی جگہ پر کھڑے ہوجاتے اور حضرت فاطمہؓ کو اپنے مقام پر بٹھاتے۔ (مستدرک حلیۃ اولاد لیاء)

آپﷺ ہمیشہ اپنی بیٹی کی شان میں رطب اللسان رہا کرتے' آپؐ نے فرمایا: تمام دنیا کی عورتوں میں چار عورتیں سب سے زیادہ فضیلت رکھتی ہیں' مریمؑ آسیہؑ خدیجہؓ اور فاطمہؓ (مسند امام بن حنبل)

حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضور اکرمﷺ کا غیر معمولی رویہ ہر عہد کے انسان کو یہ پیغام دیتا ہے کہ وہ حضرت فاطمہؓ کی حیثیت مقام اور عظمت کو پیغمبر کے اس رویئے کے حوالے سے پہچانے' یہ صرف محبت پدری کا اظہار نہیں ہے' بلکہ اس رویئے کا تعلق اس عظمت و بزرگی سے بھی ہے جو حضرت فاطمہؓ کو دربار خداوندی میں حاصل تھی۔

اسلام کے استحکام کے لئے حضرت فاطمہ بچپن سے ہی مصروف جہاد رہیں اور اپنے والد بزرگوار کے ساتھ قدم بہ قدم اس راہ دشوار میں سرگرم سفر رہیں' آپ اس راہ میں فقر و فاقہ شعب ابی طالب کے قید و حصار بھوک' غرض ہر طرح کی پریشانی کا مقابلہ کرتی رہیں' یہاں تک کہ آپ کا تمام بچپن اور جوانی اسی آزمائش کی نظر ہوگئی۔ ان کی تمام زندگی اس جدوجہد میں گزری کہ نخل اسلام بار آور ہوسکے' انہوں نے اپنے ایمان' احساس اور توانائی کو اس مقصد کے لئے وقف کیا' کہ حضورﷺ کا پیغام رسالت عام ہو اور اس پیغام کی حق پرستی' آزادی' عدل' تقویٰ' مساوات اور اخوت کی قدریں جڑ پکڑ سکیں' آپ اپنے والد رسالت مآب حضرت محمدﷺ کے وصال کے صرف تین مہینے بعد تین جمادی الثانی 11ھ ہجری کو دنیا بھر کی عورتوں کے لئے اپنی سیرت کے انمٹ نقوش چھوڑ کر دار بقا کو سفر کرگئیں۔ آپ کی سیرت و کردار مسلمان خواتین کے لئے ایک روشن مثال اور مینارہ نور ہے۔

☆☆☆☆☆



صالحہ محمود

قسط نمبر 4۔

سلسلے وار ناول

رنگِ جاناں سے جو فریب تھے

لمحوں کی بساط الٹ جاتی ہے ایک پل میں یوں لگتا ہے جیسے زندگی ساکت ہو اور گزرتے ہوئے پل کا کوئی نشان بھی باقی نہ ہو۔ ہوا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی زرد سنہرے سورج کی کرنیں دم توڑ رہی تھیں ابا کی بیماری میں اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔

22 فروری کی شب ابا اسپتال میں ایڈمٹ ہو گئے تھے' ماہم نے کمرے پر ایک نظر ڈالی' بہت اداس اور ویرانی برس رہی تھی' حماد ابھی تک اسپتال سے واپس نہیں آئے تھے' رات اماں اور شانزہ وہیں ٹھہر گئی تھیں۔

کتنی ماحول میں اداسی طاری تھی' یوں جیسے زندگی ٹھہر گئی ہو' کہیں سیاہ رات کی تاریکی میں اسے لگا آسمان سے جگنو ٹوٹ کے گر رہے ہوں اس نے گھبرا کر دیکھا' ابا کا بیڈ خالی تھا' ریک پر رکھی ہوئی کتابیں اور بلیک لیدر کے فولڈر پر بھی ایک طرح کی اداسی چھائی ہوئی تھی' میز پر رکھا ہوا پاندان خالی خالی لگ رہا تھا۔

اس نے گھبرا کر پھر خوف سے آنکھیں بند کر لیں' لیکن دوسرے ہی پل ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی' ابا کی گھر میں پہننے والی چپلیں اسے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی نظر آئی تھیں' آنکھ کھول کر دیکھا وہاں کچھ بھی نہیں تھا' یہ کیسی جھلک تھی' کیا ابا سفر پر جا رہے ہیں کون سا سفر......؟ وہ اندر سے لرز کے رہ گئی۔

باہر برآمدے پر بیٹھا ہوا ٹومی اس کی آہٹ پر اٹھ کر دروازے پر آ گیا تھا' وہ گھبرا کر باہر نکلی تو بڑے سے لان میں ہر طرف کیکٹس ہی کیکٹس نظر آئے' چاند کی تیز روشنی میں کتنا سب کچھ شفاف لگ رہا تھا' مگر دل کے اندر ایک خوف' ایک سناٹا سا تھا' اماں گھر پر نہیں تھیں اور ابا اسپتال میں ایڈمٹ تھے' حماد اور عماد' ابا کو داخل کروا کے اسپتال سے کب کے واپس آ گئے تھے۔

یہ تو سنسان رات کا پہر تھا اسے یوں بھی اماں کے بغیر ڈر لگتا تھا' اماں پہلے سمعیہ باجی کے گھر جاتیں تو جلد ہی واپس آ جاتی تھیں۔

ایک دن اماں وہیں رات ٹھہر گئی تھیں تو اسے اتنا ڈر لگا کہ وہ سہم کر ابا کے کمرے میں آ گئی تھی۔

صحن میں پڑے ہوئے پلنگ پر وہ تکیہ لے کر لیٹ تو گئی تھی' مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی' صبح جب اماں گھر آئیں تو وہ اماں کی نرم نرم بانہوں سے لپٹ کر ان کے وجود کی خوشبو کو محسوس کر کے بولی تھی۔

''اماں...... مجھے رات بہت ڈر لگ رہا تھا' یوں لگ رہا تھا کہ میرا کوئی نہیں ہے بس میں اکیلی ہوں''۔ وہ اماں سے لپٹ گئی تھی۔ اماں نے بھی اسے بہت پیار سے ہنس کر دیکھا تو ان کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اتر آئی پھر ابا سے کہہ رہی تھیں۔

''یہ کہتی ہے کہ آپ گھر میں نہ ہوں تو مجھے ڈر لگتا ہے ایسا لگتا ہے کہ گھر میں ہمارا کوئی نہیں۔ بے اسی لئے میں ابا کے

کمرے میں آ گئی تھی"۔ ابا ہلکے سے مسکرائے تھے اماں اور ابا کے کمرے الگ الگ تھے۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں"۔ وہ اماں سے ناراض ہوئی تھی تو اماں ہنس پڑی تھیں۔

اس نے آہستہ سے اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر پھر ایک نظر کمرے پر ڈالی کمرہ خالی تھا' لائٹ بند تھی اور چاند کی کرنوں کا اجالا کمرے میں پڑ رہا تھا' برابر ہی ڈرائنگ روم میں حماد بھائی سو رہے تھے' لیکن اس کے اندر نا جانے کیوں اتنا اندھیرا اور خوف تھا' بار بار ابا کی چپلیں دیوار سے لگی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

"ایسا میں نے کیوں دیکھا......؟" وہ انجانے خوف سے لرز رہی تھی۔

"اللہ کرے ابا جلدی گھر آ جائیں' میں ابا کے بغیر اور اماں کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتی"۔ وہ رات بھر بے کل سی رہی صبح کے انتظار میں کہ وہ اسپتال جائے گی۔

⟡......☆......⟡

وہ واش بیسن سے ہاتھ دھوتے ہوئے پلٹ کر اندر آئی تھیں' بڑے سے صحن سے گزرتے ہوئے ان کا دوپٹہ ہوا میں اڑنے لگا' آج ہوا بھی سرد تھی لیکن کلثوم کے اندر جو آگ جل رہی تھی اسے سرد کرنے کے لئے ناکافی تھی۔

سر شام سے دادی کے کمرے کا دروازہ بند تھا' رومی' ایشل کے کمرے میں اس وقت بیٹھی ہوئی بے مقصد کسی بچے کی کاپی کو الٹ پلٹ رہی تھی۔

"کہاں ہے رومی......؟" وہ پلٹ کر آئی تھیں۔

"رومی! میں نہیں چاہتی کہ میرے گھر کا ماحول خراب ہو' رات 10 بج رہے ہیں' تمہارے تایا ابا غصے میں نکل کر گئے ہیں' اور ابھی تک نہیں آئے' ارسلان منہ لپیٹے شام سے پڑا ہوا ہے اپنے کمرے میں' اماں صبح سے منہ ہی منہ میں مجھے دیکھ کر بددعائیں دے رہی ہیں۔ رومی! ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں لیکن بیٹا! جب آگ لگی ہو تو سب سے پہلے اپنا گھر بچاتے ہیں' ادھر آؤ...... مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے"۔ انہوں نے جھپٹ کر اس کا بازو تھاما تھا' وہ بے جان سی لڑکھڑاتی ہوئی تائی اماں کی طرف جھول گئی تھی۔

"امی......" ایشل کو اس انداز پر غصہ آیا تھا' لیکن وہ رومی کا ہاتھ تھامے باہر کی جانب بڑھی تھیں۔

ایشل کا اپنا خیال تھا کہ وہ حسب معمول وہ دادی کے کمرے میں جائیں گی' خاندانی گڑے مردے اکھاڑ کر دادی کے کمرے میں چھوڑ کر پھر چلی آئیں گی' لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا' رومی ان کے ساتھ حیران' حیران سی آگے بڑھی تو بڑا سا صحن عبور کرتی ہوئی گھر کے کونے پر اس سرے پر گئی تھی جہاں گیٹ کے ساتھ پانی کی مشین نصب تھی اور برابر میں عمیریری کمرہ تھا' سرونٹ کوارٹر تھا' جس کو عام لفظوں میں کوٹھری کہتے تھے' اس کے اندر پڑا ہوا پلنگ کسی گئے ہوئے ملازم کا تھا۔

تائی اماں غصے سے مخاطب کرتی ہوئی رومی سے بولی تھیں۔

"ہمارے گھر کے کسی کمرے میں اتنی گنجائش نہیں ہے سمجھیں' تم اپنا سامان اٹھاؤ اور اس کوٹھری میں رکھوا کر جب تک تمہیں رہنا ہے اپنی حد میں رہو"۔ اس نے سامنے نظر ڈالی' ویران خوفناک سا کمرہ تاریک پڑا تھا۔

"سب کچھ ہے یہاں......" کلثوم نے کھٹ سے بٹن جلا دیا تھا۔ جنگلی بلی بستر سے کود کر بھاگی تھی' رومی کو ایک جھرجھری سی آئی اور خوف سے اس نے تائی اماں کو دیکھا تھا۔

"تائی اماں! میں یہاں کیسے رہوں گی"۔

"یہ میری دردسری نہیں' بس اتنا جانتی ہوں کہ تم ارسلان کی نظروں سے دور چلی جاؤ' میرے بھی کچھ خواب اور ارمان

ہیں' تمام عمر میں اس گھر میں گھٹ گھٹ کر مری ہوں' ایک کمرے میں قید رہی ہوں' اب جا کر اماں نے ہماری جان چھوڑنی ہے تو تم آ گئیں' تایا ابا تمہاری وجہ سے گھر چھوڑ کر چلے گئے ہیں"۔ رومی کے پاؤں تھر تھر کانپ رہے تھے وہ لرزتے قدموں سے پلٹی تھی۔

"تائی اماں! بس ایک رات میں ایشل کے کمرے میں فرش پر سو جاؤں گی' صبح ہوتے ہی میں چلی جاؤں گی"۔

"کہاں جاؤ گی......؟ مونگ دلنے سینے پر تم یہیں آؤ گی' تمہارے اپنے تمہیں رکھنے کو نہیں تیار' ساری امیدیں تم نے اپنے تایا ابا سے باندھ لیں' واہ بھئی واہ...... تم مہمان بن کر آئیں ایک دو دن کی بات تھی' تم نے تو ڈیرے یہیں ڈال لئے' یاد رکھنا رومی! اگر تم نے کسی سے یہ بات کی کہ تائی اماں نے کہا کہ تم یہاں سوؤ تو میں تمہارا حشر کر دوں گی' صبح اس کی صفائی ستھرائی کرواور اپنی چادر اور بیگ اٹھاؤ اور یہاں شفٹ ہو جاؤ' کوئی بھی کہے تمہیں یہیں رہنا ہے' میری بچیوں کے تمہیں دیکھ کر دل جلتے ہیں' میرے بیٹے کی نظر پڑتی ہے تو اس کی آنکھوں میں تمہارا عکس اترتا ہے' بس رومی بس......" رومی کو وہیں چھوڑ کر پلٹ گئی تھیں۔

اس نے خوف سے چاروں طرف دیکھا' رات کی تاریکی میں اتنا بڑا صحن' ایک کونے میں بنا ہوا کمرہ' سڑک سے آتی ہوئی سرکاری لائٹ میں اتنی دم نہیں تھی کہ وہ باؤنڈری کے اندر اجالا کر سکے۔ ہوا تیز تیز چل رہی تھی' اونچے سے لگے ہوئے بادام کے درخت پر چڑیا پھڑ پھڑا رہی تھی' اسے بہت ڈر لگا' وہ جلدی سے پلٹ کر اندر کی طرف بھاگی تھی۔ تائی اماں اندر کی کنڈی لگا کر جا چکی تھیں' اس نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ پش کیا' دروازہ بند تھا' وہ گھبرا کر دوسرے دروازے پر گئی' وہاں کا بھی داخلی دروازہ بند تھا' خوف سے گھبرا کر اس نے ہر طرف دیکھا ایک شور ایک سناٹا تھا' وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ کر سسکتی رہی' دوپٹے کو اس نے بازوؤں سے سمیٹ کر لپیٹ لیا تھا' کتنی دیر تک وہ سر جھکائے روتی رہی' اپنے اللہ سے اپنی بے بسی کا اظہار بھی نہ کر سکی' آنسو تھے کہ خشک ہو گئے۔

اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر دیکھا' تیز چلتی ہوئی ہوائیں یوں لگا تھم گئی ہیں' ماحول میں گرمی سی آ گئی ہے' وہ بے خبری وہیں تک کر اس نے آنکھیں موند لیں اور سارے گھر والے یہی سمجھتے رہے کہ رومی دادی کے کمرے میں ہو گی اور دادی یہی سمجھتی رہیں کہ رومی' ایشل کے کمرے میں ہو گی۔

سورج کی پہلی کرن اس کے چہرے پر پڑی' اس نے گھبرا کر سامنے کی جانب دیکھا' سڑک پر بڑی چہل پہل کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن ابھی تک داخلی دروازہ بند تھا۔ جب ایشل اپنی جاب کے لئے نکلی تو اس کی نظر رومی پر پڑی تھی۔

"صبح ہی صبح ہواؤں سے لطف اندوز ہو رہی ہو رومی! ویری گڈ' میں تو اپنی جاب پر جا رہی ہوں"۔ جاتے جاتے بولی تھی۔ تھوڑی دیر میں ارسلان باہر آیا تھا' گیٹ کھولتے ہی اس کی نظر رومی پر پڑی تو وہ چلتا ہوا اس کی طرف آیا تھا۔

"کیا بات ہے رومی! یہاں کیوں اس طرح بیٹھی ہو......؟ دادی تمہیں ڈھونڈ رہی ہیں' میں تو سمجھا تم ایشل کے کمرے میں ہو"۔ تو وہ بغیر جواب دیئے ہوئے کھڑی ہو گئی تھی۔

ارسلان کی نظریں جھکی جھکی سی زمین کی طرف گئیں' رومی نے دوسری طرف پلٹ کر دیکھا اور اندر کی جانب اس نے قدم بڑھائے تھے' دادی واش روم سے نکلی تھیں۔

"ناشتہ کر لیا رومی تم نے......؟" تو اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"جاؤ میرے لئے اور اپنے لئے ناشتہ لے آؤ' تم اتنی چپ چپ کیوں ہو بیٹا! کیا امی ابو یاد آ رہے ہیں......؟" تو وہ خاموشی سے باہر کی جانب نکل گئی۔ وہ دادی کا ناشتہ لے کر آئی تو اس کی آنکھیں متورم تھیں' دادی کی جانب سے اس نے اپنا چہرہ موڑ لیا تھا۔

"کیوں تم ناشتہ نہیں کرو گی......؟" تو کلثوم سامنے سے اس کا ناشتہ لئے ہوئے اندر آئی تھیں۔

"کیا ہوا رومی......؟ طبیعت تو ٹھیک ہے......؟ دیکھو میں تمہارے لئے بھی ناشتہ لے کر آئی ہوں"۔

"دیکھو...... تائی اماں تمہارے لئے خود ناشتہ لے کر آئی ہیں"۔

"جی دادی......" اس کے ہونٹ اس وقت بھیگ سے رہے تھے اور کلثوم کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ تھی۔

"چلو آؤ ناشتہ کرو تم......" دادی کے کہنے پر وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

"کیا ہوا اماں! آپ نے چھوٹی خالہ سے بات کرلی......؟" تو دادی نے گھور کر انہیں دیکھا تھا، اور رومی کے حلق میں گرم گرم چائے کا گھونٹ اتنی تیزی سے اترا کہ اس نے دوسری جانب رخ پھیر لیا۔

"چلی جائے گی تمہیں اتنی جلدی کیوں ہے......؟"

"نہیں نہیں اماں! ہمیں اتنی جلدی کہاں ہے، میں تو اس کی بھلائی کے لئے کہہ رہی تھی، وہاں کی شان شوکت اماں...... ہم غریب دال دلیہ کھانے والے لوگ، کہاں مہمان نوازی کر سکتے ہیں، ہمارا ہی گھر ایشل کی کمائی پر چل رہا ہے آپ تو جانتی ہیں، شکیل کی نوکری نہیں، ارسلان ابھی بھاگ دوڑ کر رہا ہے، اب دکان کے کرائے سے گھر تو نہیں چل سکتا"۔

"اچھا سب کچھ میں نے سن لیا کلثوم! چلی جائے گی یہ۔ زبیدہ فون نہیں اٹھا رہی اس کا سیل بند جا رہا ہے، آفس کے فون پر ریکارڈر لگا ہوا ہے شاید کوئی خرابی ہے، ان کے تو اتنے فون ہیں اللہ جانے کس نمبر پر بات کروں"۔

"بڑے لوگ ہے اماں ظاہر ہے مصروف تو ہوں گے"۔ یہ کہہ کر وہ پلٹ گئی تھیں۔

"دادی! آپ نے بات کرلی ہے چھوٹی دادی سے......؟" اس نے چائے کا کپ واپس رکھتے ہوئے پلٹ کر دادی سے پوچھا تھا۔

"ہاں کی تو ہے مگر کل سے وہ فون نہیں اٹھا رہی، سیل اس کا بند ہے"۔

"کوئی بات نہیں دادی! مجھے راستہ پتہ ہے، اور ولید ہاؤس کو کون نہیں جانتا، دادی! کتنی دور تک ان کے گارڈ کھڑے ہوتے ہیں، میں یہیں سے رکشہ پکڑ لوں گی"۔

"نہیں نہیں رومی! اکیلے مت جانا...... میں ڈرائیور بلا لوں گی، اور ویسے ہی اشمل دادی کا فرماں بردار پوتا ہے وہ فوراً ہی آجائے گا تمہیں پک کرنے، تم شام تک چلی جانا"۔

"نہیں دادی! میں تایا ابا کے آنے سے پہلے گھر چھوڑ دینا چاہتی ہوں، وہ ابھی تک گھر نہیں آئے"۔

"شکیل گھر نہیں آیا......؟" تو رومی نے اپنی آنکھیں پونچھ لیں۔

"جب یہ زیادہ تنگ کرتی ہے نا تو شکیل مسجد میں چلا جاتا ہے"۔ ان کا لہجہ دکھی تھا، اور ماتھے پر پڑی ہوئی جھریاں بہت نمایاں ہو گئی تھیں، رومی سر جھکا کے کچھ دیر بیٹھی رہی، اس کے بعد پلٹ کر وہ ایشل کے کمرے میں آئی تھی اور اپنا بیگ اٹھا کر جب صحن سے باہر آئی تو دھوپ پورے صحن میں پھیل چکی تھی، تایا ابا ابھی تک گھر واپس نہیں آئے تھے۔ گھر کے سناٹے میں سوائے دادی کے کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ یہاں سے اکیلی جا رہی ہے۔

اس نے اپنے اردگرد نظر ڈالی، دور تک گھبرا سناٹا تھا، اتنے بڑے گھر میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ صحن سے گزرتے ہوئے گیٹ سے ملحقہ اس کھلی ہوئی کوٹھری پر نظر پڑی جہاں برسوں سے کوئی نہیں آباد ہوا تھا، سوائے بلیوں کے۔

اس نے خوف سے ایک جھرجھری لی نا جانے کیا ہوا وہ چکرا کے درخت سے لپٹ گئی اس نے آنکھیں مل کر دوبارہ اس منظر کو دیکھنا چاہا جو ویران کمرے میں نظر آیا تھا۔

تائی اماں بے بسی سے خوف زدہ سی اسی کمرے میں بیٹھی نظر آئی تھیں، اس نے پھر دوبارہ آنکھیں مل کر بہت غور سے دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔

"ایسا کیوں ہوا......؟ تائی اماں کیوں اس کمرے میں رہیں گی، وہ تو ماسٹر بیڈ روم میں رہتی ہیں اور اس سے اٹیچ بیڈ روم میں دادی رہتی ہیں"۔ اس نے مڑ مڑ کر خالی صحن کو دیکھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"اتنے بڑے گھر میں ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے"۔ بے بسی سے وہ گیٹ سے باہر نکل آئی تھی۔

آنسو پونچھتے ہوئے گلی کے نکڑ پر پھر اس نے مڑ کر تایا ابو کے گھر کو دیکھا جسے وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی، رکشے کی آواز پر وہ چونک گئی۔



وہ بڑی چپ چپ سی بڑا سا بیگ اٹھائے پنک کاٹن کا سوٹ پہنے ہوئے ولید ہاؤس میں رکشے میں آئی تھی، اشمل اسے راستے میں ہی ٹکرا گیا۔ بیگ کو جلدی سے رومی کے ہاتھ سے تھام کر رومی کی شکل کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا آپ روئی ہیں......؟" تو اس کے آنسو بھل بھل بہنے لگے تھے۔

"ارے ارے...... کیا ہوا......؟" اشمل گھبرایا۔

"کچھ نہیں......" اس نے دوبارہ اپنا بیگ تھامنا چاہا۔

"کچھ نہیں......؟ لیکن آپ تو رو رہی ہیں وہ بھی اس بری طرح سے خیریت ہے، سب ٹھیک ہے......؟"

"مجھے نہیں معلوم آپ مجھے راستہ دیں مجھے چھوٹی دادی کے پاس جانا ہے"۔

"چھوٹی دادی وہ تو دو دن سے ہاسپٹلائز ہیں آپ کو نہیں معلوم......؟" اشمل پریشان ہو کر بولا تو ایک بار پھر بیگ اس کے ہاتھ سے زمین پر گر گیا۔

"کیا ہوا...... آپ اتنی پریشان کیوں ہیں......؟ میں آپ کو دادی کے پاس لے چلوں گا بلکہ میں تو ہاسپٹل ہی جا رہا ہوں آپ آئیں میرے ساتھ......" تو وہ اپنے آنسو پونچھ کر بولی۔

"میں اس شہر کراچی میں بالکل نئی ہوں مجھے اس گھر کا پتہ تھا اس لئے میں آ گئی چھوٹی دادی کے پاس"۔

"تو میں لے جاتا ہوں دادی کے پاس۔ پہلے چہرہ دھوئیں آنسو صاف کریں، چلیں آئیں میرے ساتھ"۔ گھر میں بڑا گھبرا سناٹا تھا البتہ ایزل اسے دیکھ کر میاؤں میاؤں کرنے لگی۔

"نو ایزل نو...... یہ بہت پریشان ہیں تم ان کو ڈسٹرب مت کرو"۔ واقعی ایزل خاموش ہو گئی تھی رومی نے ایزل کی طرف مڑ کر دیکھا۔

"آپ اپ سیٹ نہ ہوں، دادی ٹھیک ہو جائیں گی، آپ آئیں میرے ساتھ"۔ وہ بچوں کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر گیا تھا۔

"یہ مام کا روم ہے اندر آئیں"۔

"نو نو نو......" وہ گھبرا کر پلٹ آئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں آپ مجھے دادی کے پاس لے چلیں"۔

"نہیں بالکل نہیں"۔ اشمل نے سر ہلایا تھا۔

"پہلے فریش ہو جائیں اس کے بعد آپ کو دادی کے پاس لے کر جاؤں گا"۔ رومی نے بڑی بے بسی سے اشمل کو دیکھا تھا۔

دادی کے روم کی طرف مڑ کر وہ چلی گئی تھی۔ جب وہ روم سے نکل کر آئی تو اشمل سامنے ہی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔

"چلو......" وہ کہتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا تھا۔

"دراصل ہم دونوں نے ہی ناشتہ نہیں کیا"۔ اشمل نے ایزل کو اٹھا کر برابر میں بٹھالیا تھا۔

"چلو بیٹھو میں آپ کا نام بھول گیا"۔ تو اسے ہلکی سی ہنسی آئی تھی۔

"لیکن مجھے آپ کی اس ایزل کا نام یاد ہے"۔ کہتے ہوئے پھر مسکرائی۔

"شی از ویری لکی......" اشمل نے بلی کو اٹھا کر پیار کیا تھا اسے پھر ہنسی آئی تھی۔

"چلو ہم ناشتہ کرتے ہیں"۔ تو اس نے ایزل کو گود سے اٹھا کر بٹھا دیا تھا بوائل انڈے کی زردی نکال کر طشتری میں ایزل کے لئے بڑے پیار سے رکھی تو رومی پھر ہنس پڑی۔

"ارے ارے...... کیا کر رہے ہیں آپ......؟ ہاتھ تو دھولیں، اسی ہاتھ سے کھائیں گے؟"

"نو...... میں کانٹے چھری سے ناشتہ کرتا ہوں"۔ اس نے انڈے کے دو پیس کر کے رکھے اور بولا۔

"پلیز آپ بھی لے لیجیے......" تو اس نے چائے اپنے کپ میں لے کر ایک سلائس تھام لیا۔

"کیا کر رہی ہیں......؟ یقیناً میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو چیز آملیٹ پسند ہے"۔

"یہ کیسے جان لیا آپ نے......؟ میں نے تو کبھی چیز آملیٹ کھایا بھی نہیں ہے"۔ اس کو دیکھ کر بولی تھی۔

"چلیں آج ٹرائی کریں کھا کر تو دیکھیں، یہ میری پسند ہے شیور آپ کو بھی پسند آئے گا"۔ تو رومی نے اس کی جانب دیکھا کہ ایک پل میں یہ شخص کتنا قریب آ گیا ہے۔

"اور میں چائے میں......" اشمل بولتے ہوئے رک گیا۔

"شکر نہیں ڈالتا"۔ تو رومی نے اس کی ادھوری بات مکمل کی۔

"سرپرائز...... آپ نے یہ کیسے جان لیا......؟"

"پتہ نہیں"۔ وہ مسکرائی۔

"آپ کی اور میری کیمسٹری بہت ملتی ہے چلو بھئی ایزل کے تو مزے آ گئے اسے تو پارٹنر بھی مل گیا میں رہوں یا نہ رہوں یہ تمہارا خیال رکھیں گی، چلو چلتے ہیں"۔ وہ ٹیبل سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"جی چلیں......" وہ ساتھ ساتھ اٹھی۔ ایزل بھی اس کے پیچھے لپک کر چلی۔

"نو ایزل...... ایک انچ آگے نہیں"۔ اس نے پیر سے ایزل کے سامنے ایک لکیر کھینچی تھی۔

"ویٹ......" تو ایزل میاؤں کر کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

"ارے یہ تو ہر بات آپ کی سمجھتی ہے"۔

"انسانوں سے زیادہ مجھے سمجھنے لگی ہے یہ"۔ وہ بولا۔

"آئی تھنک سو"۔ وہ ہنس پڑی اور جھجکتے ہوئے اس کے ساتھ چلی۔ اشمل نے ریموٹ سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تو وہ جھجکتے ہوئے فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔

"میں آپ کا نام پھر بھول گیا"۔ تو وہ ہنس پڑی۔

"چھوڑ دیجئے ناں آپ کیوں میرے نام کے پیچھے لگ جاتے ہیں"۔

"کیوں...... آپ گمنام ہیں......؟"

"شاید......" وہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔

"آپ میری طرح بہت جلدی ہار مان جاتی ہیں بہت لونگ نیچر ہے آپ اور اپنوں سے محبت کرتی ہیں اور خوف زدہ رہتی ہیں"۔ "آپ کو رات کی تنہائی بہت اچھی لگتی ہے"۔

"ویسے کیا آپ نجومی ہیں......؟" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"یعنی 100 فیصد آئی ایم رائٹ......؟" تو وہ پھر کھلکھلا کر سر ہلا گئی۔

"پاپا بیمار تھے تو میں بھی یہاں آ گیا"۔ اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ کچھ نہ بول سکی البتہ اپنا پنک بڑا سا دوپٹہ سنبھالتے ہوئے خاموشی سے باہر دیکھنے لگی۔

"آپ چپ کیوں ہو گئیں مجھے بولنے والے لوگ بہت پسند ہیں اور میں بھی بہت بولتا ہوں ارج بھی میری اس عادت سے بہت تنگ رہتی ہے میری لڑائی بھی ہوتی ہے، کبھی کبھی تو وہ اپنے کان بند کر لیتی ہے اور اٹھ کر چلی جاتی ہے آپ کو تو ایسا کوئی مرض لاحق نہیں ہے......؟" وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

"فی الحال تو لاحق نہیں ہے آپ گاڑی ڈرائیو کریئے"۔ وہ نروس ہو رہی تھی۔

"کیوں میں نے گاڑی روک دی ہے کیا......؟" تو رومی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"پلیز...... ڈرائیو کرتے ہوئے نہیں بولتے"۔

"او مائی گاڈ...... دادی کی آواز کہاں سے آ گئی" یہ جملہ سنا ہوا لگ رہا ہے اور مجھے بولتے رہنا بھی اچھا لگتا ہے"۔ اس نے بریک لگائے تو وہ مڑ کر بولی۔

"اشمل پلیز......"

"او...... میرا نام آپ کو معلوم ہے"۔ وہ بہت مسکرا کر بولا تھا۔

"دادی پانچ منٹ میں دس بار آپ کا نام لیتی ہیں، کبھی آپ نے غور کیا، مجھے تو یوں لگتا ہے کہ آپ کے گھر کے چرند پرند بھی آپ کا نام لے رہے ہوتے ہیں"۔ وہ بھی مسکرا کر بولی۔

"ہائی داوے...... یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہے"۔ اس نے سامنے مرر پر دیکھا اور کٹ مارتے ہوئے بولا تھا۔

"وہ کیا......" وہ حیران ہوئی اور اپنے دوپٹے کو دوبارہ سمیٹنے لگی۔

"میں پھر نام بھول گیا، میری یادداشت بہت کمزور ہے"۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی۔

"آپ بادام کھایا کریں"۔ وہ دبی دبی ہونٹوں سے مسکرائی۔

"چلو دادی کا نسخہ آپ کو بھی یاد ہو گیا اور بادام سے مجھے الرجی ہے، میں کھا نہیں سکتا"۔

"لیکن ایزل تو کھاتی ہے بیٹھ کر"۔ تو وہ مڑ کر بولا۔

"ہاں یہ میری کمزوری ہے کہ ایزل کھاتی ہے اور میں نہیں کھاتا، لیکن میں یہ تو جانتا ہوں کہ بادام آپ کو بھی پسند نہیں"۔ تو وہ چونک گئی۔

"اینی وے سفر بہت زبردست گزرا۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ دلچسپی سے مجھے کوئی سنتا رہے اور میں بولتا رہوں" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاسپٹل آ گیا"۔ وہ پارکنگ میں گاڑی پارک کرتے ہوئے بولا تھا۔ دادی، رومی کو دیکھ کر حیران ہوئی تھیں، اس کے آنسو ایک بار پھر نکل پڑے تھے۔

"دادی اماں کہہ رہی تھیں کہ میں آپ کے پاس چلی جاؤں"۔ اس کے بہتے ہوئے آنسو دیکھ کر وہ گھبرا گیا

روم سے چلا گیا۔

''اومائی گاڈ...... کتنی بے بس اور بیچاری یہ لڑکی ہے' کس بے رحمی سے اس کے گھر والوں نے اسے نکال دیا' خیر نو پرابلم میں اس کو اپنے گھر میں رکھ لوں گا' ایزل اور میرے کام آئے گی' ایٹ لیسٹ مجھ سے تو بہت ہم آہنگی لگتی ہے۔ دادی سے بات کروں گا جہاں اتنے سارے لوگ ولید ہاؤس میں ہیں وہاں ایک لڑکی نہیں رہ سکتی کیا......'' وہ بڑی خاموشی سے پلٹ کر اندر آیا تھا' جب تک دادی اور وہ بات کر چکی تھیں۔

''دادی! ڈاکٹر سے میری بات ہو چکی ہے آپ کو گھر جانے کی اجازت دے رہے ہیں''۔ وہ قریب آ کر بولا۔

''میں بالکل ٹھیک ٹھاک تھی یہ ولی کے بچے نے سیکریٹری کو فون کیا اس نے میرا بلڈ پریشر اور شوگر چیک کیا بس پھر چلو چلو جبکہ میں کہہ رہی ہوں کہ میں نے بد پرہیزی کی ہے کل تک دیکھ لو''۔

''دادی! آپ کی بھلائی کے لئے''۔ اشمل کو ہنسی آئی تھی۔

''بس بیٹا! فٹافٹ مجھے اٹھاؤ اور لے چلو''۔

''دادی! اتنی جلدی مت کریں آرام سے''۔

''میرا تو دم گھٹ رہا ہے تنہائی سے''۔

''دادی! اس کو اپنے پاس رکھ لیں تنہائی ختم ہو جائے گی''۔ اس نے اس بار بڑی سنجیدگی سے اشمل کی طرف پلٹ کر دیکھا تھا۔

''سوری......'' کہہ کر وہ رخ پھیر گیا۔

☆

زندگی میں سانحات ہوتے رہتے ہیں امکانات زندگی کا ایک حصہ ہے' خوشی اور غم دونوں کا امکان ہوتا ہے' پھر ایک ایسی گھڑی بھی پلٹ کر آئی جب رات کی تاریکی میں سانسیں منجمد ہو گئیں' برف کی طرح کوئی چیز پھسل کر ہاتھوں کی مٹھیوں میں آ گئی۔

ابا کا زندگی کا سفر ختم ہو گیا تھا' ماہم کو یوں لگا زندگی کی لے ڈوب گئی ہے۔ رات کی تاریکی میں وہ بڑی بھابی کے ساتھ ابا کے کمرے میں تنہا سر جھکائے پلنگ کے پائتی کی طرف بیٹھی تھی' بڑے سے ہال میں عماد اور حماد اور کئی لوگ تھے' اماں اپنے کمرے میں شانزہ اور انعم کے ساتھ بیٹھی تھیں' ثروت باجی بھی اپنے چھوٹے سے بچے کو سنبھالے ہوئے تھیں' البتہ ماہم ابا کے کمرے میں موجود تھی۔

''بٹیا! جاؤ تم بھی سو جاؤ''۔ بھلا دوسرے کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ کب سو رہے تھے' صابرہ بھابی نے اپنی کنجی کنجی آنکھیں کھول کر بڑے پیار سے کہا تھا۔

''بٹیا! جاؤ تم بھی سو جاؤ''۔ بھلا دوسرے کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ کب سو رہے تھے' سب جاگ رہے تھے نیند سب کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی زندگی سمٹ کر خاموش ہو گئی تھی' رات کی تاریکی بہت گہری تھی' دکھ کی دبیز چادر نے سیاہ رات کی تاریکی میں گھر والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

آج کا دن بھی گزر گیا تھا' آنے والا کل بھی گزر جائے گا' دکھ بھی بٹ جائیں گے' پھر خوشی کے کئی لمحات اتر آئیں گے' مگر جو بچھڑ گئے وہ پلٹ کر پھر نہیں آئیں گے' یہی زندگی کی ایک حقیقت ہے۔

ابا کو گئے ہوئے آج دوسرا دن تھا' کمرے میں صفائی ستھرائی کر کے ابا کے بیڈ کی چادر بدل دی گئی تھی اگر بتی کی بھینی بھینی خوشبو ماہم کو بہت خوف زدہ کر رہی تھی اور وہ آج بھی بہت خوف زدہ تھی۔

سر شام سے اماں نے کہا تھا کہ کمرے کی لائٹ جلا دو' تائی بچپن سے بھی یہی سنتے آئے تھے کہ چالیس دن تک روح اپنی جگہ پر رہتی ہے' بی بی پھپھو ابا کے پلنگ پر سونے کے لئے آ گئی تھیں۔ ماہم نے کمرے پر نظر ڈالی ابا کا بستر خالی تھا تو وہ پھپھو سے بولی۔

''پھپھو! میں سو جاتی ہوں آپ کے ساتھ''۔

''چلو آؤ بنو! سو جاؤ تم لیکن لائٹ بجھا دینا''۔

''نہیں پھپھو! میں تو لائٹ جلا کر سوؤں گی''۔

''کیسی باتیں کرتی ہو مجھے نیند نہیں آئے گی لائٹ بجھاؤ''۔ تو ماہم بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''پھپھو! مجھے ڈر لگتا ہے میں نہیں سو سکوں گی یہاں''۔ ماہم اٹھ بیٹھی تو پھپھو بولیں۔

''لائٹ بند کرتی جانا' تم ڈرتی کیوں ہو......؟ کیا میرا بھیا ایسا ہے کہ وہ پلٹ کر اس دنیا میں آئے گا' وہ گیا جنت میں''۔ بی بی پھپھو کا کتنا مضبوط ایمان تھا کہ وہ تنہا ابا کے بستر پر سونے کے لئے لیٹ چکی تھیں' ماہم نے لائٹ بند کی اور دروازہ بھیڑ کر باہر نکل آئی۔

سبھی لوگ جاگ رہے تھے۔ سمعیہ باجی تھوڑی دیر پہلے ہی جا چکی تھیں' رات کے اندھیرے میں دکھ کا پھیلا ہوا ایک سمندر سب کے دلوں میں تھا' اماں کتنی چپ چپ ہو کر رہ گئی تھیں' ان کے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ دی گئی تھیں' ناک میں پڑی ہوئی لونگ اتار دی گئی تھی اماں چپ چپ اپنے کمرے میں بیٹھی تھیں' اماں تو کھل کر روئی بھی نہیں بس آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے' ماہم کو یوں لگا اس کے دل پر پورا سمندر اتر گیا ہو جیسے۔

ابا کو گئے ہوئے چوتھا دن تھا' گھر میں بے حد اداسی تھی' سب آپس میں ہنسنا اور بولنا بھول گئے تھے' بس ابا کی یاد' ابا کی باتیں تھیں' ابا کے کمرے میں رکھا ہوا خاموش پاندان جس میں اب سا نچی پان نہیں رکھے تھے جو رکھے تھے وہ بھی سوکھ چکے تھے' کتھے چونے کی کلیاں بھی خشک ہو گئی تھیں۔

ابا پورے 22 دن اسپتال میں رہے تھے' لیکن آج چوتھا دن تھا' سبھی لوگ خاموش بیٹھے تھے کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کوئی اٹھ کر ٹی وی کھول دے' سر شام سے بڑی گہری خاموشی چھا گئی تھی تبھی اماں اٹھیں اور اٹھ کر انہوں نے ٹی وی کا بٹن آن کیا تھا۔

''بس اٹھو تم لوگ' تین دن سے زیادہ سوگ نہیں مناتے' کیوں تم لوگ اس قدر چپ چپ بیٹھے ہو''۔ وہ انعم سے مخاطب ہوئی تھیں۔

☆

''امی! صبا تو کئی گھروں میں دیکھ آئی ہیں وہ تو اسٹیٹس اور گلیمر کے چکر میں ہر جگہ سے مایوس لوٹ آئی ہیں' خاندان میں کسی بچی کو دیکھئے جو دین دار بھی ہو اور ہماری نسل کو آگے بڑھا سکے اور کچھ نہیں چاہئے ہمیں اور جتنی جلدی ہو آپ یہ کام کر دیں''۔

''ولی! اتنی جلدی بھی کیا ہے' ابھی اس سے بڑا حذیفہ ہے''۔

''امی! حذیفہ کی مجھے اتنی فکر نہیں ہے لیکن اشمل کے مزاج میں ذرا فرق ہے اور مسلسل مجھے اس کی طرف سے شکایت ملی ہیں' اب یہ واپس نہیں جائے گا یہ میرا بزنس سنبھالے گا اور حذیفہ میرا باہر کا بزنس دیکھے گا یہ میرا فیصلہ ہے میں بوڑھا ہو چکا ہوں''۔ وہ دادی کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ رومی' دادی کے لئے فروٹ کا پیالہ لئے اندر آئی۔

''دادی! میں یہ خود بنا کر آپ کے لئے لائی ہوں''۔ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس کی نظر دائیں جانب صوفے پر بیٹھے

ہوئے ولید حیدر پر پڑی تو وہ جلدی سے سیدھی ہوکر بولی۔
''اسلام علیکم ماموں......'' اس کے مخروطی ہونٹوں پر ایک نازک سی مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔
''او اچھا......'' ولید حیدر اسے ایک ہی نظر میں پہچان گئے تھے۔
''کیسی ہیں آپ......؟'' تو ولید حیدر کی بات پر ہنس پڑی تھی۔
''اچھی ہوں ماموں''۔
''گڈ......کیسی ہے سیدہ......؟'' ولید حیدر کی نظریں اس کی طرف تھیں۔
''وہ تو چلی گئیں ماموں جان''۔ اس کے دودھیا دانت اور اس کے گالوں کے ڈمپل بہت نمایاں تھے۔
''گڈ......تو تم دادی کے پاس آئی ہو''۔
''جی ماموں......''
''ولی! یہ ہر وقت میری خدمت میں لگی رہتی ہے اور تو اور یہ اشمل کی بلیوں کی بھی دیکھ بھال کرتی ہے' سچ تو یہ ہے کہ میں اپنے کمرے میں کسی بلی کو نہیں آنے دیتی اور رومی سے بھی کہہ دیا ہے کہ ہاتھ دھو کر آؤ' مجھے تو الرجی ہے لیکن اشمل کا بچہ توبہ توبہ......'' دادی نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ولید حیدر کو ہنسی آئی تھی۔
''امی! میں دو چار دن میں دبئی چلا جاؤں گا اور تقریباً میں ایک ہفتے کے بعد آؤں گا''۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے۔
''ساری دنیا میں لڑکی ڈھونڈی جارہی ہے اور ہماری رومی پر نظر نہیں پڑتی ولی کی''۔ دادی خود بخود بڑبڑائیں تو رومی بولی تھی۔
''کیا کہہ رہی ہیں دادی......؟''
''کچھ نہیں......دیکھو بیٹا! تمہیں ایک گر کی بات بتاؤں' جب کوئی بڑا بولے تو جی جی بولو' سنو زیادہ بولو کم''۔
''جی چھوٹی دادی''۔ تو اس کے گالوں کے ڈمپل ہنستے ہوئے اور گہرے ہوگئے تھے اس کے دودھیا دانت چمک رہے تھے' تبھی اشمل اسے ڈھونڈتا ہوا اندر آیا تھا اور پیچھے پیچھے میاؤں میاؤں کرتی ایزل۔
''رومی! تم نے ایزل کا کھانا نہیں منگوایا؟ کبھی بھی سپر اسٹور پر ایزی مل جاتا ہے اور میں بھی بھول گیا مارکیٹ تو ساری بند ہے تقریباً 12 بجے تک کھلے گی' دادی! آپ کیا کھا رہی ہیں تھوڑا سا ایزل کو دے دیں''۔
''ہٹاؤ اشمل یہاں سے''۔ دادی نے اپنا پیالہ اس کے ہاتھ سے ہٹایا تھا۔ رومی نے ہنس کر ایزل کو دبوچ لیا تھا۔
''اب بولیں دادی! آپ کو تو شکایت اشمل سے تھی اب بولیں رومی تو مجھ سے زیادہ ایزل کی دیوانی ہے''۔ وہ ہنسنے لگا' اس کی گہری گہری آنکھوں میں ایک پیار بھری جوت اتر آئی' رومی کے سفید دودھیا دانت پنک ہونٹوں پر بکھر گئے' وہ بلیک پرنٹڈ سوٹ میں حسین لگ رہی تھی۔ اشمل بلیک جینز اور براؤن جیکٹ میں دونوں ہاتھ ڈالے رومی سے جھک کر ایزل کو چھین رہا تھا۔
''خوب گزرے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو' لیکن تمہارے اماں ابا کی آنکھوں میں تو پٹی بندھی ہے''۔ دادی ہولے سے مسکرائیں تو اشمل کچھ نہ سمجھتے ہوئے دادی کی جانب پلٹا۔
''دادی! کیسی پٹی بندھی ہے آنکھوں پر''۔
''کچھ نہیں تم تو میری بات سن نہیں سمجھتے'' دادی بولیں۔
''بس دادی! ہم نہ سمجھیں پر آپ کا بیٹا تو سمجھتا ہے''۔ وہ ... سے بولا تھا۔

ولید حیدر کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی رومی ہنسے جارہی تھی۔
''دادی......'' اشمل ان کے قدموں پر بیٹھ گیا تھا۔
''پلیز دادی......ہماری خاطر پاپ سے بات کرلیں' دادی میں اب جانا چاہتا ہوں''۔
''لیکن میں نہیں چاہتی کہ تم ابھی جاؤ''۔ دادی کے چہرے پر ایک گہری مسکراہٹ تھی۔
''پلیز دادی......'' وہ ان کے پیر دبانے لگا۔
''اچھا اچھا' بس کرو اشمل''۔ دادی نے اسے روک دیا تھا۔
''دادی! ایزل کی دیکھ بھال کے لئے رومی ہے یہاں' مام سے بات ہوگئی ہے دادی یہ آپ کے ساتھ رہے گی''۔ وہ ہنسا۔
''یہ تو آپ کے ساتھ اچھی لگتی ہے''۔ دادی مسکرائیں۔
''شیور دادی! شی از ویری ویری پریٹی گرل''۔ اشمل نے ہنس کر رومی کی جانب دیکھا تو وہ ہنس کر بولی۔
''تعریفیں تو آپ خوب کرلیتے ہیں، ان کی ایزل کا خیال رکھو تو پھر دیکھو اشمل کو۔ دادی! آپ کو اگر کوئی کام کروانا ہے تو ایزل کو دو چار بوٹیاں کھلادیں اور پھر دیکھیں اشمل کا حال''۔ وہ ہنس پڑی اس کے کلرنگ بال پنکھے کی ہوا سے اڑ کر ماتھے پر آگئے۔
''اچھا......'' اس نے ایزل کو اٹھا کر رومی کی گردن پر بٹھایا اور ہنس پڑا۔
''او نو اشمل! اب اتنا بھی نہیں''۔ اس نے جلدی سے ایزل کو بانہوں میں دبوچ لیا۔
''دادی! یہ بہت اچھی کیئر کرتی ہے ایزل کی......آئی شیور یہ آپ کی بھی دیکھ بھال اچھی کرے گی''۔
''تو تمہارے باپ سے بولوں کہ ایزل کی دیکھ بھال کے لئے رومی کو یہیں لے آؤ''۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے ہنسے جارہا تھا۔ رومی نے محسوس کیا کہ اشمل کچھ بے چین اور پریشان سا ہے' لیکن اس نے بھی کوئی بات نہیں کی تھی' کتنی دیر تک وہ دونوں دادی کے پاس گپ شپ میں بیٹھے رہے تو دادی نے کہا تھا۔
''ولی تو آفس گئے اور تمہاری اماں ہونگی بہت مصروف......یہ بے چاری آئی ہوئی ہے کئی دن سے مہمان ہے تمہاری' لے جاؤ اس کو تھوڑا گھما پھرا لاؤ''۔ دادی بولی تھیں تو وہ ہونٹ بھینچ کر رومی کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔
''دادی! کل میں نے ان سے کہا کہ آئسکریم کھا کر آتے ہیں' دادی! یہ تو ایسا اچھل کر کھڑی ہوئیں کہ میرا تو ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا پھر میں نے کہا کہ میں ایسا ویسا لڑکا نہیں ہوں' بہت شریف سیدھا سادہ اشمل ولید ہوں''۔
''اس میں کیا شک ہے''۔ دادی ہنس پڑیں۔
''دادی! میں بہت بور ہوتا ہوں تنہائی سے' وہاں تو میں ارج کے ساتھ نکل جاتا تھا''۔
''کس کے ساتھ......؟'' دادی چونک پڑیں۔
''کوئی نہیں دادی! ارج میری کزن ہے''۔
''اچھا مبین کی بیٹی......'' دادی نے بہت غور سے دیکھا تھا۔
''چلو آؤ رومی! آج موسم بہت اچھا ہے لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں اور تمہیں میں ایک جگہ پر اسپیشل گول گپے کھلاؤں گا' آئی لو اٹ' میں پیک کروا کے پاکستان سے امریکا لے جاتا ہوں' ایسا پانی اور ایسے گول گپے پوری دنیا میں نہیں مل سکتے' جو بات یہاں ہے''۔
''جاؤ رومی! جاؤ اشمل کے ساتھ تم چلی جایا کرو بیٹا''۔ لیکن وہ اندر سے خوف زدہ ہوکر دادی کو دیکھ رہی تھی اسے کلثوم

یاد آ گئیں۔ ارسلان کو چائے دیتے ہوئے تائی اماں نے دیکھ لیا تھا' کیسی قیامت اٹھی تھی' لیکن یہاں خود اسے فورس کیا جا رہا تھا کہ وہ اشمل کے ساتھ جائے۔

"نہیں میں اس وقت آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی"۔

"کیوں بھلا......؟" وہ پوچھنے لگا۔

"کپڑے ٹھیک نہیں ہیں"۔ رومی نے اشمل سے بہانہ بنایا۔

"چلو یہاں میں کون سا ڈریس اپ ہوں' تمہیں ایزل کی قسم ساتھ چلو مزہ آئے گا"۔ اس نے ہنس کر رومی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ چونک گئی۔

"اچھا چھوڑو چھوڑو میرا ہاتھ' میں ابھی آتی ہوں"۔

"آتی نہیں ہوں فنافٹ آپ آ جائیں میں آپ کو وہ شاپ دکھانا چاہتا ہوں جہاں سے ایزل کا فوڈ ملتا ہے"۔

"اچھا تو یہ بات ہے"۔ رومی ہنس کر پلٹ کر دادی کا پیالہ اٹھا کر مڑی تھی۔

"دادی! پاپ سے بولیں ناں میرا باہر جانے کا بندوبست کر دیں میں یہاں نہیں رہنا چاہتا"۔

"لیکن وہ تو تمہاری شادی کی تیاریاں کر رہا ہے"۔

"دادی! میں پاکستان میں ان چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا پاپ کو آپ سمجھائیں وہ آپ کی بات مانتے ہیں"۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں نے ولی کو سمجھایا نہیں ہوگا' لیکن اللہ جانے کیا ہوا ہے ولی کو' بس یہی کہتا پھر رہا ہے کہ کوئی لڑکی دیکھو مجھے اشمل کی شادی کرنی ہے"۔

"آپ نہیں جانتیں نا دادی کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں......؟" اس کی نظروں کے سامنے ارج گھوم گئی۔

"کیوں کر رہا ہے ایسا؟ تم بتاؤ کیا راز ہے اشمل......؟"

"چھوڑیں دادی! کچھ نہیں"۔

"اشمل! رومی اچھی لڑکی ہے"۔

"ہاں وہ اچھی لڑکی ہے۔ بہت کیئرنگ اور لونگ ہے دادی"۔

"تو پھر اسی لڑکی کو دیکھ لو تمہارے باپ سے بات کر لوں"۔ دادی کے چہرے پر آنکھیں مسکرا رہی تھیں' پہلی بار اشمل ان کی بات کا مطلب سمجھ گیا تھا' اس نے ایک گہرا سانس لے کر دادی پر ایک نظر ڈالی۔

"او آئی سی...... دادی میں سمجھ گیا کہ آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں"۔

"سمجھ گئے نا تم......؟" تبھی رومی پلٹ کر آ گئی تھی۔

"او کے دادی! میں چکر لگا کر ابھی آتا ہوں تھوڑی سی شاپنگ کرنی ہے"۔

"ہاں ہاں تم رومی کے ساتھ جاؤ...... دھیان سے بیٹا"۔ دادی بولی تھیں۔

اشمل جب رومی کے ساتھ گیٹ سے باہر نکلا تو ولید حیدر کہیں سے واپس آ رہے تھے ان کی ایک نظر جاتے ہوئے رومی اور اشمل پر بھی پڑی تھی' تھوڑی دیر کے لئے وہ چونک سے گئے' یوں لگا کہ برسوں پرانی سعیدہ کہیں سے اتر کر آ گئی تھی۔

☆

"شانزہ! کبھی تم نے انسان کی نفسیات پر غور کیا ہے؟ میں تو انسان کے اندر آنے والی آواز کو محسوس کر کے بتا دیتی ہوں ورنہ تو ایسی تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مجھ میں' انسان تو بہت کمزور مخلوق ہے لیکن ہم بنیادی طور پر خود سے بہت وفادار

ہوتے ہیں"۔ بہت ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں ماہم شانزہ سے بولی تھی۔

"واپسی کا سفر کتنا بھی مشکل ہو شانزہ! تکلیف دے لمحات دیکھو گزر گئے۔ ابا کو گئے ہوئے کتنے دن گزر گئے دھوپ پہلے صحن کے آدھے حصے میں آتی تھی' دیکھو صحن سے گزر کر ہما اور بے بی کی دیوار سے جا لگی میں آج اس پر ہی سوچ رہی تھی"۔

"کبھی کبھی مجھے تم سے ڈر سا لگتا ہے"۔ شانزہ کی بھوری بھوری آنکھیں اور سلکی بال اور مخروطی انگلیاں جس میں چاندی کا ایک نازک سا چھلا پڑا تھا اس وقت وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی نظر آ رہی تھی۔

"ایسا تو کچھ نہیں ہے شانزہ! اتفاق ہے جو میں سوچتی ہوں کہتی ہوں وہ پورا ہو جاتا ہے"۔

"لیکن کبھی کبھی پھر بھی میں ڈر جاتی ہوں"۔ شانزہ بڑے ہنسی بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"مجھے یوں لگ رہا ہے کہ تم کوئی اہم انکشاف کرنے والی ہو آج"۔

"جی نہیں...... بالکل نہیں"۔ ماہم ہنسی تھی۔

"مجھے تو محسوس ہو رہا ہے کہ تم کچھ کہنا چاہتی ہو کیا باجی قابل اعتبار مخلوق نہیں ہیں"۔

"اوہو"۔ تو ماہم کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"گویا تمہیں بھی الہام ہونے لگا"۔

"ہاں...... باجی کی پھر کچھ پراسراری باتیں شروع ہو گئی ہیں' اماں کو ادھر ادھر لئے پھرنے لگی ہیں کل بھی کسی بہت امیر ترین شخص کی بیٹی کو دیکھنے گئی تھیں سمعیہ باجی کی شوخ آنکھوں میں بس ایک ہی بات ہوتی ہے' میری ہی اس گھر میں شخصیت اتنی اہم ہے کہ جو چاہوں فیصلہ کر دوں"۔ ماہم کی حیرت زدہ آنکھوں میں گہرا اندھیرا تھا' شب کی تاریکی میں جلتے ہوئے ٹیبل لیمپ پر دونوں جھکی ہوئیں' کل صبح کے کالج کی تیاریاں کر رہی تھیں' شانزہ اور ماہم دونوں ایک ہی اسکول کی اسٹوڈنٹ ایک ہی کلاس میں ایک ہی ان کی ٹیچر تھی' کالج میں بھی دونوں کو دیکھ کر کئی لڑکیوں کو حیرت ہوتی تھی۔

"واقعی ماہم تم اور شانزہ سگی بہنیں ہو......؟ حیرت مجھے اس بات کی ہے کہ تم دونوں ساتھ ساتھ رہتی ہو یوں لگتا ہے کہ برسوں بعد ملی ہو' بولتی ہو تو بولتی چلی جاتی ہو تم دونوں کی باتیں ہی نہیں ختم ہوتیں' دوسری طرف ناہید اور نسرین ہیں' بڑی حیرت ہے دونوں الگ الگ رہتی ہیں ان کے درمیان بہت زیادہ اختلافات ہیں"۔ اس کی کسی دوست نے کہا تو ماہم ہنس کر بولی تھی۔

"اختلاف تو ہم دونوں کے بھی درمیان ہے مگر دوستی کا رشتہ زیادہ گہرا ہے"۔ ماہم ہنس پڑی تھی۔

شانزہ اپنے کپڑوں پر استری کر کے سونے کے لئے اٹھ گئی تھی' ماہم ابھی تک عماد کی لائی ہوئی نئی کتاب کو ان سے چھپ کر پڑھ رہی تھی کہ کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔ عماد کسی کو اپنی کتابیں ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے ان کا بہت نادر کلیکشن تھا' ماہم جلدی سے پڑھ کر اسے باورچی خانے میں چھپا کر آ گئی تھی۔ عماد فاروقی پورے کمرے کو الٹ پلٹ رہے تھے۔

"اماں! اللہ کی قسم میں اسے جان سے مار دوں گا جس نے میری کتاب کو ہاتھ لگایا ہے"۔ بیڈ اور بیڈ کے نیچے رکھے سامان کو شانزہ گھسیٹ گھسیٹ کے ڈھونڈ رہی تھی' لیکن تلاش کے باوجود نہ ملی۔

صبح ماہم نے اٹھ کر کتاب کو بھیا کے جوتوں کے ریک کے پیچھے ڈال دیا تھا جونہی حماد نے جوتے اتار کر رکھے۔

"او...... یہ کتاب تو یہاں رکھی ہے"۔ وہ بہت شرمندہ سے کمرے سے گزر گئے تھے۔

روز دن سے دھوپ اور چھاؤں کا وہ کھیل جو سمعیہ باجی کھیل رہی تھیں' اس کا انکشاف ہو گیا تھا کہ کچھ لوگ گھر آنے

والے ہیں۔ گھر میں بڑی صفائی ستھرائی جاری تھی' شانزہ نے اماں کے کمرے سے بڑے بڑے صندوق کھینچ کر خوب صاف کئے تھے۔ گول میز کا ٹیبل کور بدل دیا گیا تھا' کرسیوں کے سارے غلاف شانزہ نے دھو کر چڑھا دیے تھے۔

اماں کا اپنا ایک انداز تھا وہ ساڑھی کھڑے ہو کر زمین پر نہیں پہنتی تھیں البتہ پلنگ پر کھڑے ہو کر پہنتی تھیں ان کی نفاست پسندی پورے خاندان میں مشہور تھی' اماں کے شفاف پیروں پر اب مہندی کی لالی نہیں تھی ابا کے بعد سے انہوں نے مہندی لگانا چھوڑ دی تھی ورنہ وہ گرمیوں میں بڑی نفاست سے خود مہندی لگاتیں' چوڑیاں پہنتیں' انہیں پھول اور خوشبو بھی پسند تھے' لیکن اب آدھے ناخن میں مہندی کی لالی تھی اور سفید نازک سے پیر ماہم کو بہت پسند تھے۔

اچانک باہر سے اطلاع آئی تھی کہ وہ لوگ آ گئے ہیں۔ پہلی بار کاظمی اور مسعودہ گھر آئے تھے بڑے پیار سے لپٹ کر مسعودہ' اماں کے گلے ملی تھیں بجائے صوفے پر بیٹھنے کے وہ اماں کے پلنگ پر ہی بیٹھ گئیں۔

''ارے نہیں آپا! ہم تو آپ کے ہی پاس بیٹھیں گے''۔ ان کے محبت سے پر لہجے پر ماہم نے بہت غور سے ان کے چہرے پر نظر ڈالی تو وہ نظر موڑ کر بولی تھیں۔

''آپا! کچھ نہیں...... صرف آپ کے ہاتھوں کا لگا ہوا پان چاہئے اور کچھ نہیں''۔ لیکن ماہم اتنی دیر میں چائے کی ٹرے لے کر اندر آ گئی تھی۔

''نہیں آپا نہیں' بس پانی لوں گی''۔ ان کی ایک نظر ماہم پر پڑی تو ان کی جھکی ہوئی نظریں اماں کی طرف اٹھی تھیں۔

''آپا! یہ ہے آپ کی بیٹی جس کی آپ نے بات طے کی ہے......؟''

''ہاں...... یہی ہے ماہم''۔ اماں کے چہرے پر بڑی نورانی مسکراہٹ تھی' ماہم انہیں سب بیٹیوں میں زیادہ پیاری تھی۔

ماہم کی ایک بار نظریں پھر مسز کاظمی کے چہرے پر ٹک گئی تھیں اور اس نے اپنی آنکھوں سے کہا ''تم میری ماں کو بے وقوف بنا رہی ہو''۔ تاثر دیا تھا' وہ جلدی سے گھبرا کر اٹھی تھیں اور جھک کر ماہم کو پیار کرتے ہوئے بولی تھیں۔

''ارے...... یہ تو بڑی پیاری بچی ہے' اتنی چپ چپ نہ رہا کرو بیٹا کچھ بولا بھی کرو''۔ مسز کاظمی کے لفظوں کی بازگشت ماہم کو دور مندر میں گھنٹیاں بجتی ہوئی سنائی دی تھیں' ہوائیں تیز ہو گئی تھیں کسی صحرا میں بھٹکتا ہوا قافلہ نظر آیا تھا' اس نے جھرجھری سی لی اور ان کے لباس سے آنے والی خوشبو سے وہ گھبرا کر جلدی سے الگ ہو گئی تھی۔

اماں کو سب یہ علم تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے ان کی بجھی بجھی سی ایک نظر جس میں تھوڑا سا ان کی آنکھوں میں غصہ بھی تھا ماہم کے چہرے پر پڑی تو وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''بس آپا! بس...... ایک پان اور لگا کر دے دیں مجھے' بہت لذت ہے آپ کے ہاتھ میں' جو ذائقہ ہے وہ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں''۔ اماں ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں گئی تھیں۔ کاظمی حد احترام اماں کی قدم بوسی کیلئے جھک کر آگے بڑھے تو اماں بولیں۔

''ارے نہیں نہیں......'' کاظمی کے پان سے سرخ ہونٹ مسکرا پڑے۔

''آپا! بڑا ذائقہ ہے آپ کے ہاتھوں میں''۔ انہوں نے دوسرا پان بھی الائچی کے ساتھ منہ میں رکھ لیا تھا۔

''آپا! آداب......'' وہ کہہ کر ایک بار پھر اماں کے سامنے جھکے تھے۔

''اجازت دیں آپ تو ہم کبھی کبھار پان کھانے آ جایا کریں''۔ ماہم نے ان کے چہرے پر ایک نظر ڈالی' ان کی آنکھوں میں بڑی شیطانی قوت رقص کر رہی تھی۔

''یا اللہ! میں اماں کو کیسے بتاؤں کہ میں کیا فیل کر رہی ہوں' اماں کیا کرنے جا رہی ہیں؟ سب غلط ہو جائے گا' یہ

سمیعہ باجی کن لوگوں میں اماں کو لے گئیں' رشید صاحب کو ہمارے گھر سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے' ہوں گے اپنے گھر کے بڑے آفیسر''۔ ماہم کے من کے اندر ایک لاوا ابل رہا تھا۔

''اماں! یہ لوگ اچھے لوگ نہیں ہیں''۔ ماہم بولی تھی۔ شانزہ نے اشارہ کیا تھا کہ بولو تم۔

''کیوں...... اب تمہیں اس میں کیا برائی نظر آ گئی......؟ پہلے بھی صرف تم نے ادھم مچایا تھا کہ عماد کی بیوی بالکل سیدھی سادی ہے تمہیں پسند نہیں' اسمارٹ نہیں اور جب ہم نے ایک پڑھی لکھی اسمارٹ لڑکی پسند کر لی ہے تو تمہیں تکلیف ہو رہی ہے تم خود کو بہت خوبصورت اور اسمارٹ سمجھتی ہو اب جلن ہو رہی ہے ناں' میں ابھی حماد کو بتاتی ہوں اسے سب سے زیادہ تکلیف ہے''۔

''نہیں اماں نہیں! حماد بھائی سے نہیں...... میں کچھ نہیں بولوں گی''۔ وہ واقعی ڈر گئی تھی' اماں اسے بے بھاؤ کی سنا رہی تھیں اور شانزہ کھڑے ہنس رہی تھی۔

''ماہم! کیا واقعی تمہیں ایسا لگ رہا ہے......؟'' تو اس نے بھیگی پلکوں سے شانزہ کو دیکھ کر آہستہ سے سر ہلایا تھا' اور شانزہ کے ہونٹوں پر بڑی شوخ مسکراہٹ پھیل گئی تھی' اس کا نچلا ہونٹ تھوڑا قدرے موٹا تھا ہنسنے کی وجہ سے اچھا لگ رہا تھا۔

اماں بار بار اپنے پاندان کی کلیوں کو کسی کپڑے سے صاف کر رہی تھیں سامنے سرخ کاٹن کے کپڑے میں ہرے ہرے سانچی کے پان اور ابا کا بڑا سا مراد آبادی پاندان رکھا تھا۔

اداسی کا سمندر ماہم کی شریانوں میں سرائیت کر رہا تھا' وقت کا موسم ڈھیر ساری اداسیوں کو اس کے دل میں سمیٹ لایا تھا۔ ہلکا ہلکا اندھیرا بڑھنے لگا تو کھڑکی کا پردہ گرا کر اماں کے برابر والے تخت پر لیٹ گئی تھی جس کے نیچے بڑے بڑے لوہے کے صندوق رکھے تھے یہ بستر اسکا اور شانزہ کا تھا' انعم اماں کے ساتھ سوتی تھی۔ رات نیند آنکھوں سے بہت دور تھی۔

''لوگوں کی زندگیوں میں دخل دینے کا حق تو کسی کو بھی نہیں ہے مگر میں کیا کروں......؟ لوگ مجھے خبطی سمجھتے ہیں شانزہ ہنستی ہے انعم بھی کبھی کبھی میرے ذہن کی کھوج لگاتی ہے' مسز کاظمی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بدی ختم نہیں ہوئی' اماں کیوں نہیں سمجھتیں''۔ اس کا دل اداس اور سوچوں میں بار بار وہی چہرہ ابھر رہا تھا جو اس کی ماں کو دھوکا دینے جا رہے تھے اور وہ بے اختیار تھی' اس کے پاس کوئی ایسا اختیار نہیں تھا کہ وہ اماں کو روک دے ان کو سمجھا دے کہ ان کی نظروں میں کتنا فراڈ نظر آ رہا تھا۔

گہرا اندھیرا دور تک پھیلا تھا سب کچھ دھواں دھواں تھا۔ رات کی تاریکی جس سے ماہم خود لرز رہی تھی یہ اس کا ادراک تھا یا وہم؟ وقت اڑنے کے لئے پر تول رہا تھا' زندگی کا سفر رواں دواں تھا آنکھوں میں نیند در آئی۔

☆

ولید حیدر بے ساختہ بولے تھے۔

''سعیدہ......'' رومی نے پلٹ کر انہیں دیکھا تو اشمل بولا۔

''او مائی گاڈ...... پاپ بھی میری طرح تمہارا نام بھول جاتے ہیں وہ تمہیں تمہاری مدر کے نام سے بلا رہے ہیں۔ رائٹ تمہاری امی کا نام سعیدہ ہے دادی ہر وقت سعیدہ سعیدہ کرتی ہیں' میں بھی تمہیں سعیدہ کہا کروں......؟'' دونوں ایک دوسرے سے کالی بے تکلف ہو گئے تھے۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔

''شٹ اپ...... وہ میری ماں کا نام ہے''۔ وہ برا مان گئی۔

''آئی نو......'' وہ ہنس پڑا۔ شاپنگ سینٹر میں دادی کے لئے اس نے کپڑے پسند کئے تھے۔

''تم بھی کچھ خرید لو ناں......'' اشمل بولا تھا۔

''مجھے تو کچھ خاص انٹرسٹ نہیں ہے کپڑوں میں' بس یہی دو چار کپڑے ہی کافی ہیں' وہ تو دادی نے کہا اس لئے میں آ گئی''۔ وہ کسی ڈریس کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

''چلو آؤ مجھے تو بہت تجربہ ہے میں تمہیں اچھی سی شاپنگ کرواتا ہوں''۔

''کیا کیا...... یہ جینز میں پہنوں گی...... پاگل ہو گئے ہو اشمل''۔ وہ ہنسی۔

''دیکھو تو تم سہی...... یہ ارج کی پسند ہے''۔ اس نے ہینگ کیا ہوا اسکرٹ اور بلاؤز اتار کر اسے دکھایا۔

''چلو میری طرف سے یہ میں تمہیں گفٹ کرتا ہوں''۔

''پاگل ہو گئے ہو اشمل! یہ اسکرٹ اور بلاؤز میں پہن کر چلوں گی وہ بھی دادی اور ماموں کے سامنے''۔

''سو واٹ...... مام تو ایسے ڈریس پہنتی ہیں یہاں پر بھی لوگ پہنتے ہیں''۔

''لیکن اشمل! مجھے تو اس طرح کے ڈریس نہیں پسند' میں تو سر پر دوپٹہ رکھتی ہوں''۔

''آئی نو ملانی جی! بٹ ارج پر بہت سوٹ کرتا ہے''۔

''اچھا چلو پھر ایک گیم کھیلتے ہیں دیکھتے ہیں کہ میری چوائس اور تمہاری چوائس کہاں تک ملتی ہے ٹھیک ہے تم اپنا رخ پھیرو میں ڈریس نمبر سیلز مینیجر کو دے کر آتا ہوں کہ پیک کرا دے' ٹھیک ہے اور تم بھی اپنا ڈریس نمبر سیلز مینیجر کو دے دینا کہ وہ پیک کرا دے پھر دیکھتے ہیں کہ ہماری اور تمہاری چوائس سامنے آتی ہے او کے' پہلے میں ڈریس نمبر کاؤنٹر پر دے آؤں تم میرے بعد آؤ گی''۔

بچوں جیسی باتیں کرتے ہو اشمل......'' پھر وہ پلٹ کر آئی اور ہینگ کئے ہوئے ڈریسز دیکھنے لگی تھی۔ وہ کاؤنٹر سے پلٹ کر واپس آیا تھا اور وہ کاؤنٹر کی طرف واپس مڑی تھی۔

''میں نے اس نمبر کا ڈریس پسند کیا ہے آپ نکال دیں''۔

''سوری ایک منٹ پہلے اس نمبر کا ڈریس سامنے کھڑے ہوئے سر نے بک کروالیا ہے''۔

''او نو اشمل!'' اس نے ماتھے پر اپنا ہاتھ زور سے مارا تھا۔

''امیزنگ رومی''۔ انگلی اٹھا کر اس نے کہا۔

''میں کہتا ہوں ناں میری اور تمہاری کیمسٹری ایک ہے''۔ وہ سوٹ پیک کروا کر ہنستے ہوئے باہر نکلا تھا۔

''امیزنگ...... اگر میری زندگی میں ارج نہیں ہوتی ناں تو میں تم سے شادی کر لیتا''۔

''شٹ اپ...... دادی سے کہہ دوں گی' تمہیں مار پڑے گی''۔

''جی جی...... دادی تو روز آفر دے رہی ہیں مجھے' میں ہی کنی کاٹ جاتا ہوں''۔

''ہائی داوے...... کنی کاٹ دینا کس کو کہتے ہیں''۔ وہ گاڑی موڑتے ہوئے ہنستے ہوئے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''اشمل! زیادہ فری ہونے کی کوشش مت کرو' آئی ایم سیریس''۔ اس نے مسکرا کر رخ پھیر لیا تھا۔

''او نو بابا...... میری اتنی مجال کہاں کہ میں کسی سے فری ہو جاؤں' ارج اگر سامنے ہوتی تو وہ مجھے جان سے مار دیتی۔ وہ تو میری ڈمی کو برداشت نہیں کر سکی تو کسی لڑکی کو کیسے برداشت کر سکے گی''۔ رومی کچھ بھی نہ سمجھ پائی تھی' اس لیے اس نے مڑ کر دیکھا' وہ باہر دیکھ رہا تھا۔

''اشمل! میں تمہارے ساتھ آرام سے آتی جاتی ہوں' مجھے کبھی کوئی جھجک نہیں محسوس ہوتی ہے کہ میں کسی غیر کے ساتھ اس طرح سے بات کر رہی ہوں''۔

''واٹ ڈو یو مین...... تمہارے ذہن میں یہ بات آئی تو آئی کیسے؟'' اس نے وہیں موڑ پر گاڑی کھٹاک سے بند کر دی۔

''بس۔ کیا مطلب ذہن میں آئی تو کہہ دیا۔ ہمارے ذہن میں ایسا تو کچھ نہیں آیا' ویسے ضروری ہے کہ جو میں بھی سوچوں تو تم بھی سوچ لو''۔

''آف کورس...... لیکن جب تک تم یہ بات کلیئر نہیں کرو گی تو میں گاڑی نہیں چلاؤں گا''۔ اس نے گاڑی کی چابی نکال لی۔

''اشمل! تم پاگل مت بنو' تم بچوں کی طرح بی ہیو کرتے ہو''۔

''تو فرمانبردار بچی کی طرح اشمل انکل کو یہ بات کلیئر کرو''۔ اس نے آواز بدلی تو اس کو بہت زور کی ہنسی آئی۔

''تمہیں یہ بات بتانی پڑے گی''۔ اس نے سر کو ہلایا تھا۔

''بس یہ بات میں تمہیں نہیں بتاؤں گی' جب کوئی بات ہی نہیں ہے اشمل! کہ کلیئر کروں' جو آیا ذہن میں بول دیا''۔

''ٹھیک ہے میں بھی ایک کی اٹھارہ دادی سے لگاؤں گا''۔

''جی نہیں...... میں مہمان ہوں وہ مجھے کچھ نہیں کہیں گی۔ ہاں اگر میں بات تمہاری لگا دوں ناں تو وہ تمہیں یقیناً ٹھیک کر دیں گی''۔

''خوش فہمی ہے تمہیں' دادی مجھے کچھ نہیں کہتیں''۔

''چلو لگی شرط' ٹھیک ہے میں تمہیں بہت اچھی جگہ سی فوڈ کھلانے لے چلوں گا اگر تم نے دادی سے میری ڈانٹ پڑوا دی''۔ اس نے شرط لگائی۔

''اگر میں نے گھر سے باہر نکلوا دیا پھر؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تو اس کے بعد ڈبل ڈنر ہو گا''۔

''اول تو میں نے باہر زندگی میں ڈنر کیا ہی نہیں ہے اور میں سی فوڈ تو میں جانتی بھی نہیں ہوں اور نہ میں کھاتی ہوں''۔

''او سوری رومی! جب تم اس طرح کی بات کرتی ہو تو میں بہت اندر سے ہرٹ ہوتا ہوں' پلیز رومی! تم جو کچھ بھی تھیں وہ تمہارا پاسٹ تھا اب تم ولید ہاؤس میں ہو تو تمہیں میری دنیا میں جینا ہے۔ ہماری فیلنگ سیم ہیں' ہماری چوائس ایک ہے انڈر اسٹینڈ''۔ اس نے گاڑی تو اسٹارٹ کر دی تھی لیکن اس کے الفاظ نے اس کا دل ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اشمل بہت ہمدرد انسان تھا۔ وہ کسی کے دکھ اور پریشانی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شاید یہ اسے ورثے میں ملا تھا۔ رومی کے الفاظ اس کے دل کو زخمی زخمی کر گئے۔

''کیا ہوا اشمل! تم بہت اداس دکھائی دے رہے ہو''۔

''کچھ نہیں''۔ وہ رخ پھیر کر بولا تھا۔

''کیا ہوا مجھ پر زیادہ رحم آ رہا ہے' تم میری فکر کرتے ہو' تم مجھ پر رحم کھاتے ہو یہ میں محسوس کرتی ہوں اور یقیناً میں بہت کمزور ہوں اس لئے تم حق بجانب ہو''۔

''نہیں رومی! ایسا کچھ نہیں ہے''۔

''تمہارے کہنے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی اشمل!'' وہ بہت ہلکے سے مسکرائی تھی تو اس کے دودھیا دانت چمکنے لگے تھے اور وہ اپنے کندھوں پر پڑی سی گرین شال کو اپنے کندھوں پر لپیٹتے ہوئے شاپر اٹھائے گاڑی سے اترنے لگی۔ اشمل نے بہت غور سے رومی کو دیکھا تھا۔

''اب اتنے غور سے تم کیا دیکھ رہے ہو؟''

''یہی کہ رومی کو اللہ نے صورت شکل دی ہے لیکن قسمت نہیں''۔

''اب دیکھو اشمل! اللہ میاں انصاف پسند ہیں۔ دولت نہیں دی تو حسن دے دیا''۔ وہ ہنس پڑی۔

''کوئی خاص نہیں ہو زیادہ خوش فہمی میں مت رہنا کہ کوئی شہزادہ آئے گا اور تمہیں لے کر جائے گا''۔

''بکواس نہیں کرو اب یہ شہزادہ کہاں سے بیچ میں آ گیا اور یہ خیال تمہارے دل میں کیسے آیا؟ اب تم مجھے بتاؤ اب میں بھی گاڑی سے نہیں اتروں گی''۔ وہ اکڑ کر بولی۔

''بس یونہی رومی! تم میری اتنی پیاری دوست ہو اور میں تمہارے کام آ جاؤں۔ فوراً ذہن میں تصور آیا کہ کسی شہزادے کو میں لے آؤں تمہارے لئے''۔ تو وہ ہنسی اور بولی۔

''اتنے حسین خواب میں نے کبھی نہیں دیکھے' میں اپنی اوقات میں رہتی ہوں۔ ماں باپ مجھے دادی کے پاس چھوڑ گئے کہ وہاں کوئی شہزادہ نہیں آئے گا۔ تائی اماں نے اس خوف سے مجھے گھر سے نکال دیا کہ میں کہیں ان کے چھ فٹ کے شہزادے کو اڑا نہ لے جاؤں اور اب میں یہاں آئی ہوں تو یہ سوچ کر چلو چھوٹی دادی کے گھر میں اتنے ملازم ہیں اور ملازم نہ سہی تو ایزل کی دیکھ بھال کیلئے مجھے جاب آسانی سے مل جائے گی''۔ وہ اپنے آپ پر ہنس رہی تھی۔ اشمل کو اس کے دکھی دل کی فیلنگز کا احساس ہو رہا تھا' اس کی باڈی لینگویج اس کے دل کا حال کھول رہی تھی۔

''اب ہم اچھے دوست ہیں رومی! اب ایسے مت کہو زندگی کے مسائل تو سب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مجھے دیکھو! میں اتنے کڑے امتحان سے گزر رہا ہوں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں' کبھی فرصت ملی تو تمہیں بتاؤں گا''۔ اس کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔ رومی نے چونک کر دیکھا' شوخ و شریر سا اشمل ایک پل میں سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''اب تمہیں اتنی ہمدردی کرنے کی ضرورت نہیں ہے مجھ سے ورنہ میں یہاں ایک دن بھی نہیں رہ سکوں گی''۔ اس کی نظروں میں ارسلان کا چہرہ گھومنے لگا تھا۔

''ارسلان کی ہمدردیوں نے تائی اماں کے دل میں شک و شبہات ڈال دیئے ورنہ میں ٹھیک ٹھاک تو رہ رہی تھی۔ امی ابو بھی مطمئن تھے''۔ وہ سوچ رہی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے میں تم سے کوئی ہمدردی نہیں کروں گا یہ یاد رکھنا کہ میں جو ہوں میں وہی بن کر رہوں گا''۔

''اچھا تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم مجھ سے ہمدردی نہیں کرو گے ورنہ میں یہاں نہیں رہ سکوں گی''۔

''تو پھر کیا مطلب ہے کہ ہم جھگڑا کریں' لڑائی کریں' ہم اور حذیفہ بچپن میں بھی بہت لڑتے تھے۔ پتہ ہے رومی! اگر ابھی حذیفہ آ جائے ناں تو ہم ایک کمرہ بھی شیئر نہیں کر سکتے' وہ لڑائی ہوتی ہے کہ مام اور پاپ آ جاتے ہیں اور ہمارے بیچ دادی بھی نہیں بولتیں''۔

''میں نے تم سے کچھ کہا ہے''۔ وہ جھنجلا کر بولی تھی۔

''اچھا بابا اچھا''۔ اس نے گاڑی سے اتر کر فوراً ہی ایزل کو دبوچ لیا تھا۔

''چھوڑو اسے تم......'' رومی نے ایزل کو اپنی جانب گھسیٹ لیا۔

''کیا ہے رومی؟'' اس نے آنکھ بند کر لی تھی گود میں۔

''ارے...... یہ تمہیں بے وقوف بنا رہی ہے''۔ اس نے ایک تھپڑ اس کے سر پر لگایا۔

''بہت بڑی ایکٹر ہے یہ ایزل' یہ اکیلی رہتی ہے رومی! یہ تنہائی فیل کرتی ہے۔ جب میں اکیلا تھا تو میں بہت تنہائی محسوس کرتا تھا۔ تم جب سے آئی ہو تو میں بہت بہتر فیل کرتا ہوں۔ سوچ رہا ہوں کسی دن پیٹ شاپ جا کر ایک چھوٹا سا cat لے آؤں جب میاؤں میاؤں کر کے وہ بھاگے گا تو اتنا مزہ آئے گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں''۔

''اور دادی تو جوتے لے کر بھاگیں گی تم تیار رہنا''۔ رومی کہہ کر ہنس پڑی تھی۔

☆

شیر شاہ کی پہاڑیوں کے نیچے سورج جا رہا تھا اور آسمان پر گلابی گلابی روشنی پھیل رہی تھی۔ ابھی اندھیرا نہیں اترا تھا اور نہ ہی رات کی تاریکی پھیلی تھی۔ جھٹ پٹے کا وقت تھا' وہ اور شانزہ اوپر چھت پر ہی تھیں۔

''سچ بتاؤ...... تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ کاظمی اور مسز کاظمی وہ نہیں ہیں جو نظر آتے ہیں؟''

''شانزہ! جب میں نے ان کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا تو ان کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور آواز کی لے کا انداز بالکل صابرہ بھابی جیسا تھا' وہی معصوم انداز' تو مجھے لگا کہ یہ لوگ وہ نہیں ہیں جو نظر آتے ہیں''۔

''آج سمعیہ باجی اور امی لڑکی دیکھنے گئی ہیں اب کچھ نہیں ہو سکتا''۔ شانزہ بولی تھی۔

''لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ یہ امیر لوگ لمبی لمبی گاڑیوں میں بیٹھ کر غریب لڑکے ڈھونڈنے آتے ہیں' ان کے لڑکے پڑھے لکھے نہیں ہوتے' ان کے لڑکے نتھو خیرو' سب جاہل ہیں اور حماد بھائی پڑھے لکھے' کیمیکل انجینئر ہیں' ظاہر ہے پیسے سے خریدیں گے اور یہ سودا ہو بھی جائے گا تم دیکھ لینا''۔

بات اتنی آگے بڑھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے انگیجمنٹ کا دن بھی آن پہنچا۔ سب بہت خوش تھے۔

ماہم نے شانزہ کے کان میں کہا تھا۔

''پائلٹ ہے بھابی کا بھائی' باجی کو تم نہیں دکھائی دے رہیں' میں اماں سے بات کروں گی''۔ ماہم اور شانزہ نے سی گرین سوٹ ایک جیسے پہنے ہوئے تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ تصویریں بنوائی تھیں۔ باجی بہت خوش تھیں اپنی اس کامیابی پر۔ ماہم بھی سب بھول چکی تھی' نہ کوئی دکھ نہ کوئی ملال کہ باجی نے بساط جیت لی ہے۔ کچھ بھی ایسا نہیں تھا بلکہ ماہم خود بہت ایکسائیٹڈ تھی۔

ماہم کی جس سے نسبت طے ہوئی تھی اس کو ماہم بار بار ونڈو سے باہر جھانک رہی تھی اور شانزہ اسے مسلسل چھیڑے جا رہی تھی۔ جب سب پلٹ کر گھر آئے تو ماہم نے اماں سے بات کی تھی۔

''اماں! لڑکی کا بھائی بہت ہینڈسم پائلٹ ہے' آپ شانزہ کی بات کریں ناں''۔

''پاگل ہو گئی ہو تم' وہ کہاں ہم کہاں' وہ اتنا دان جہیز دیں گے اپنی بیٹی کو' ہمارے پاس بھلا کیا ہے' بس یہیں پر چپ ہو جاؤ' ماہم! تم یہ بات دوبارہ منہ سے نہیں نکالو گی''۔ اماں نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''آئی سی اماں! میں بھی سب جانتی ہوں''۔ ماہم چپ ہو گئی تھی۔ شانزہ کی بھوری آنکھوں میں کچھ ایسے خواب تھے' وہ اپنی انگلیاں چٹخانے لگی اور چاندی کا باریک سا چھلا وہ بار بار اپنی انگلی میں گھما رہی تھی' اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ ماہم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے لیکن ماہم نے بڑی بے بسی سے اپنا رخ پھیر لیا تھا۔ وہ اس گھر

کی ساری سچائی جانتی تھی۔

"اغراض کے گہرے پردے میں ہر شخص محبت کرتا ہے
حالانکہ محبت کچھ بھی نہیں"

ناجانے کیوں رات وہ بے چین سی تھی۔ عجیب سا دکھ اور احساس تھا کہ وہ شانزہ کے خواب کو پورا نہیں کر سکتی۔

صبح شانزہ، ماہم اور انعم کالج چلی گئی تھیں۔ ماہم کے کالج میں شہناز بہت دوڑتی ہوئی ماہم کے پاس آئی تھی۔

"ماہم! کل تم عطار د منزل کیوں آئی تھیں؟ میں نے تمہیں اوپر سے دیکھا تھا"۔

"وہ کل میرے بھائی کی منگنی تھی"۔ ماہم ہنس پڑی۔

"کس سے؟" شہناز سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"عصمت سے"۔ ماہم بولی۔

"او مائی گاڈ...... تمہارا کوئی گناہ تمہیں اس گھر کے اندر لے کر جا رہا ہے۔ اتنے گندے لوگ ہیں وہ، شراب پیتے ہیں، جوا وہ کھیلتے ہیں، ان کے بھائی دوسروں کے گھروں میں کودتے ہیں اور تو اور اماں بچوں کی لڑائی میں جوتے لے کر سڑکوں پر دوڑتی ہیں۔ سچ ماہم! تم اسے غیبت مت سمجھنا، مجھے تم سے ہمدردی ہے"۔ شہناز کہہ کر چلی گئی۔

شہناز اس کی دوست تو نہیں تھی کلاس فیلو تھی۔ پھر جب ماہم کالج سے پلٹ کر آئی تو اس نے اماں کو سب کچھ بتا دیا تھا۔

"اچھا آؤ...... ابھی میں تمہیں بتاتی ہوں"۔ اماں پاؤں میں سلیپر اڑستے ہوئے بولی تھیں۔

"سب سے زیادہ تمہیں تکلیف ہے کہ تم سے اچھی آ رہی ہے ناں پڑھی لکھی، تم اپنے آپ کو بہت قابل سمجھتی ہو۔ عماد کی بیوی تمہیں پسند نہیں آئی تھی کہ اٹھا لائیں کہیں سے۔ اب عصمت تمہیں پسند نہیں ہے۔ ابھی بتاتی ہوں حماد کو"۔

اماں پھر اس پر گرم ہوئی تھیں اور فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"نہیں اماں! حماد بھائی کو نہیں بتانا"۔ وہ پھر ڈر کر چپ ہو گئی تھی۔

پھر گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ اماں اورنج رنگ کے سلک کے غرارے پر ہاتھ سے گوکرو ٹانکتیں تو ماہم کالج سے آ کر اماں کا ہاتھ چوم لیتی تھی۔

"اماں! آپ کے انگوٹھے میں سوراخ ہو گئے ہیں، مت کریں یہ سب"۔ ماہم ان کی ہتھیلی پر ہونٹ رکھ دیتی۔ ماہم کو ان کے ہاتھوں کی خوشبو بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ ان کے ہاتھ چومتی جس پر درجنوں سوراخ تھے۔ لیکن اماں دوسرے دن پھر گوکرو ٹانک رہی ہوتیں۔ کمال کی تھیں اماں سادہ گوٹا بازار سے منگواتیں اور خود ہی گوٹے پر کبھی گوکرو، کبھی کلیوں کا ڈیزائن بنا لیتیں۔ مشینوں پر اماں کے نازک سفید ہاتھ چلتے تھے۔ خود ہی غراروں کی کٹائی کرتیں، خود ہی سلائی کرتی تھیں۔ اماں کو کبھی دوسروں کی ہاتھ کی سلائی پسند نہیں آئی تھی۔ دوپٹے رنگتیں تو ایسے کہ ہر کوئی پوچھتا کہ کہاں سے رنگوائے ہیں؟ کلف اور ابرق دے کر اماں اتنے خوبصورت دوپٹوں کی ہاتھ سے چنائی کرتیں اور پھر مروڑی دے کر باندھ دیتی تھیں کہ برسوں نہ رنگ پھیکے پڑتے اور نہ ہی چنائی کھلتی، یوں لگتا تھا گویا کسی نے مشین سے کام کر دیا ہو۔

ان کے سفید سفید نازک ہاتھ کی انگلیوں پر ہمیشہ مہندی نظر آتی لیکن ابا کے انتقال کے بعد اماں نے مہندی نہیں لگائی۔ اماں کو مہندی اور پھول بہت پسند تھے۔

ماہم نے ایک دن اماں کے بالوں میں کنگھا کرتے ہوئے پوچھا۔

"اماں! ایک بات بتائیں سچ سچ کہ جب ابا نے آپ کو دیکھا تھا تو کیا بولے تھے؟"۔ اماں کے بشاش چہرے پر پہلے تو مسکراہٹ آئی تھی پھر ہنس کر بولی تھیں۔

"آپ کو کیا پسند ہے؟" وہ کہتے ہوئے مسکرائیں۔

"بولیں ناں اماں! پھر آپ نے کیا جواب دیا تھا؟"

"ہم نے کہا پھول اور خوشبو...... پھر کیا تھا ہر روز مالن ٹوکری بھر کر پھول لاتی تھی، دوسرے دن ہی عطر دان لا کر دیا جس کے اندر ہر خوشبو کے عطر تھے، تمہارے ابا نے کانسٹیبل کو بھیج کر شہر سے منگوائے تھے"۔

"اوہ اماں! ابا آپ کو اتنا چاہتے تھے"۔ ماہم ہنسی تھی۔

"اماں! اور بتائیں ناں کوئی اور بات"۔

"ناک کی لونگ کی فرمائش کی میں نے تو ابا نے پورا پاپا ہر رنگ کی لونگ کا منگوا دیا۔ فیروزی اور نیلا رنگ پسند تھا۔ تمہارے ابا جب شہر جاتے تو یہی رنگ لے کر آتے تھے"۔ پھر اماں ہنس پڑی تھیں۔

"چلو چھوڑو...... کیا تم بکواس لے کر بیٹھ گئیں الٹی سیدھی، بچپن سے تمہارا دماغ انہی باتوں میں لگا رہتا ہے۔ ناجانے کیا تم سوچتی رہتی ہو، مت سوچا کرو بیٹا یہ سب۔ زمانہ گزر گیا، کیسے کیسے لوگ سب گزر گئے، پلٹ کر سوچو تو رات کو آنکھ کھل جاتی ہے ایسا لگتا ہے کہ اتنا لمبا جی لئے ہم"۔ وہ اداسی سے بولی تھیں۔

"ارے نہیں اماں! وہ اماں کی گوری گوری کمر سے لپٹ جاتی۔ اماں ساڑھی پہنتی تھیں تنہائی میں پیٹی کوٹ اور بلاؤز پہنے ہوئے ہوتی تھیں۔ اماں کی سفید سفید کمر پر ماہم اکثر اپنا چہرہ رکھ دیتی تھی۔ اماں ہنس پڑتی تھیں۔

اس وقت بھی ماہم کا دل دھڑ سے ہوا تھا کہ کہیں ابا کی طرح اماں بھی چھوڑ کر چلی نہ جائیں اس لئے وہ اماں سے لپٹی ہوئی بیٹھی تھی۔

"چلو ہٹو...... کیوں تم اس طرح سے چمٹی ہوئی بیٹھی ہو"۔ اماں نے ماہم کو پرے کر دیا تھا۔

☆

ولید حیدر سامنے سے آتے ہوئے پھر ایک بار رومی سے ٹکرائے تھے۔

"کیسی ہو بیٹا؟"

"ٹھیک ہوں"۔

"خوش رہا کرو بیٹا! یہ آپ کے ماموں کا گھر ہے کسی چیز کی ضرورت ہو تو دادی سے بولو، وہ آپ کی دادی بھی ہیں اور نانی بھی ہیں۔ ڈبل رشتہ ہے"۔

"ہاں بھئی ہم تو تمہارے غیر ہیں، ہم سے کبھی مت بولنا، جو کچھ شیئر کرنا ہے اپنی دادی سے کرنا"۔ صبا بولیں تھیں۔ ولید حیدر، صبا کو ہمیشہ اوائیڈ کرتے تھے، وہ ہنستے ہوئے رومی کے پاس بیٹھ گئے تھے۔

"بہت پیاری بچی ہے ولید! سچ پوچھو تو مجھے یہ بہت پسند ہے"۔ ولید حیدر نے بہت غور سے صبا کے چہرے کو دیکھا تو ان کی آنکھوں میں بے حد پسندیدگی نظر آ رہی تھی۔

"ویل صبا! پہلی بار تم نے ہمارے کسی رشتے دار کو پسند تو کیا"۔

"اب ایسا بھی نہیں ہے ولید! میں سب سے ملتی ملاتی ہوں، وقت نہیں ملتا ہے تم تو فوراً گلہ کرنے لگتے ہو، تم کون سا وقت دے دیتے ہو گھر کو، کل صبح آئے ہو اور آج شام کی فلائٹ سے تم جا رہے ہو"۔

"کیا کروں صبا! یہی تو میری مجبوری ہے، اب کچھ نہیں ہو سکتا صبا! ہر طرف میرا بزنس پھیل چکا ہے، بھئی یہ سب

کچھ تمہارا اور تمہارے بچوں کے لئے ہے"۔

"وہ تو ٹھیک ہے ولید! اب اتنی بڑی ذمے داری کہ میں جگہ جگہ لڑکی کو دیکھنے جارہی ہوں اشمل کے لئے' کل تو میں میرج بیورو بھی گئی تھی۔ کوئی اچھے اور شریف گھرانے کی لڑکی ہو' بے شک وہ غریب گھر کی ہی لڑکی ہو"۔ تو ولید حیدر کی نظریں اچانک رومی پر آ کر ٹھہر گئی تھیں ولید حیدر نے غور سے صبا کے چہرے کو دیکھا تو صبا کی آنکھیں رومی کی طرف اشارہ کررہی تھیں۔ ولید حیدر کے ہونٹ مسکرا پڑے' رومی کوئی میگزین اٹھائے دیکھ رہی تھی۔

"صبا! تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو' مجھے اس بات کا آج یقین ہوگیا"۔ وہ مسکرا کر صبا کے پاس بیٹھ گئے تھے۔

"ٹھیک ہے ولید! میں اشمل سے بات کروں گی۔ تم امی کے کان میں یہ بات ڈال دو"۔ تو ولید نے آہستہ سے سر ہلایا تھا۔

ولید سامنے بیٹھی ہوئی رومی کو دیکھے جارہے تھے اور مسکرائے جارہے تھے۔

"صبا! آج میں نے تہجد میں بھی بہت دعا کی تھی کہ اللہ میری مشکل آسان کردے' دیکھا کتنا بڑا اللہ ہے وہ جس کو دینا چاہتا ہے ناں تو بے حساب عطا کرتا ہے"۔ وہ بہت خوش تھے۔

"رومی! بیٹا کیا اتنے غور سے پڑھ رہی ہیں آپ؟"

"ماموں جان! کچھ نہیں"۔ اس نے میگزین ٹیبل پر اٹھا کر رکھ دیا تھا۔

"ارے صبا! کیا ہوا بھئی' رومی کو لے جاؤ کوئی شاپنگ وغیرہ کرواؤ' یہ ہماری بیٹی ہے' اللہ نے ہمارے گھر میں ایک اتنی اچھی بیٹی بھیج دی ہے"۔ تو رومی مسکرا پڑی۔

"آؤ بیٹا! تم میرے پاس بیٹھو"۔ تو ولید نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

"جی ماموں!" صبا بہت لگاوٹ سے دیکھ رہی تھیں' اس نے بھی محسوس کیا کہ اچانک ماموں اور مامی مہربان کیسے ہوگئے؟

"ولید! کیا ہے یہ گھر سے باہر ہی نہیں جاتی ہے' میں چاہتی ہوں کہ یہ تھوڑی دیر کے لئے اشمل کے ساتھ گھومنے پھرنے جائے' اس کو تو دادی جان سے ہی فرصت نہیں ملتی ہے' اور یہ بھی سچ ہے کہ بوڑھوں کی صحبت میں جوان بیٹھیں تو بوڑھے ہوجاتے ہیں' یہ کسی دانشور نے کہا ہے"۔

"چلو ٹھیک ہے کل سے رومی تمہاری صحبت میں بیٹھے گی تاکہ تم جوان ہوجاؤ"۔ ولید حیدر زور سے ہنسے تھے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ تلملا کر بولی تھیں۔

"ارے یار! مذاق کررہا تھا' تم رومی کو وقت دو' اس کو اپنے ساتھ رکھو"۔

"ولید! اس کی تو فکر ہی نہ کرو' میں ہینڈل کرلوں گی"۔ وہ رومی کی طرف دیکھ کر بول رہی تھیں۔

"رومی! جا کر دیکھو دادی کیا کررہی ہیں"۔ رومی دادی کے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

"ولید! آہستہ چلو' پہلے اشمل سے بات کرنے دو' وہ سیدھی سادی لڑکیوں کو پسند نہیں کرتا ہے"۔ وہ بہت ڈپلومیسی والے انداز میں بولی تھیں۔

"وہ جس طرح کی لڑکیاں باہر پسند کرتا رہا ہے ناں مجھے سب خبر ہے' تم فکر نہ کرو میں اشمل کو سدھار دوں گا' جو مرد اپنے بچوں پر اپنی گرفت کمزور رکھتے ہیں' مائیں انہیں بگاڑ دیتی ہیں۔ تم برا مت ماننا' دیکھے تم نے تو میری مشکل ہی آسان کردی ہے' یو آر گریٹ صبا! جب یہ بات میں امی کو بتاؤں گا تو صبا' امی بہت خوش ہوں گی یہ جان کر کے صبا۔

خود چاہتی ہیں اور وہ تمہیں دعائیں دیں گی"۔

"ولید! لیکن اشمل کو اعتماد میں لینا پڑے گا' جب وہ راضی ہوجائے تو پھر یہ سب آسان ہے"۔ وہ اپنے اندر کی ڈپلومیسی کو ولید حیدر سے چھپا گئی تھیں کہ وہ خود یہ پلان ترتیب دے رہی ہیں اور آہستہ آہستہ اشمل کو بھی اس پلان میں شریک کررہی ہیں' ذہنی طور پر بھی اشمل کو وہ تیار کررہی تھیں۔ وہ بہت خوبصورتی سے خود کو بچانا چاہتی تھیں کہ اگر بھید کھل گیا کہ یہ پلان اشمل کو بچانے کیلئے کیا جارہا ہے تو ولید حیدر انہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔ وہ ولید حیدر کے غصے سے واقف تھیں کہ جب ولید حیدر کو غصہ آجائے تو ان کے سامنے کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ اشمل کیا وہ خود بھی کچھ نہیں کرسکتی تھیں اس لئے انہوں نے خود ہی جال بُنا تھا' ان کا پلان تھا کہ اشمل' رومی سے شادی کرلے اور بعد میں رومی کو ڈائیورس کردے اس بنا پر کہ اس کی انڈراسٹینڈنگ رومی سے نہیں ہورہی۔ اس پلان کو ترتیب دیتے وقت انہوں نے خود کو بہت محتاط طریقے سے محفوظ کرلیا تھا تاکہ ولید حیدر کو شک بھی نہ گزرے۔



اچانک زندگی کے فیصلے بدل جاتے ہیں' وہ وقت مقرر آن پہنچتا ہے جب تقدیر کے فیصلے عرش پر کردیئے جاتے ہیں۔ بات تو طے تھی اور انگیجمنٹ بھی ہوچکی تھی۔ ماہم کی شادی آن پہنچی۔ وہ خود بے یقینی کی کیفیت میں دلہن بنی سوچ رہی تھی۔

"کیا واقعی میری شادی ہوگئی"۔ پھر وہ اس گھر سے چلی گئی۔

سارے خواب' سارے فلسفے سمیٹ کر اپنے ساتھ لے گئی۔ نا جانے کتنی دانائیاں' کتنے خواب تھے جن کو اس نے دل کی بند ڈائری میں ہمیشہ کیلئے رکھ کر قفل ڈال دیا تھا۔

زندگی بہت تیزی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ محبتوں کا وہ مختصر سا سفر تھا جہاں اماں' شانزہ' انعم سمعیہ باجی' ثروت باجی تھیں' سب دھواں دھواں سا ہوگیا۔ ایک نئی زندگی کے آغاز کا سفر تھا۔ راستہ دشوار ضرور تھا مگر وہ بھی اتنی کمزور نہیں تھی۔ وہ جینے کے سارے ہنر جانتی تھی۔ بظاہر اس کے اندر کی صلاحیتوں کو ماں باپ اور بہنوں نے نہیں پہچانا لیکن وہ خود کو پہچانتی تھی۔

کبھی کبھی شرارت سے وہ اکثر اپنی کتاب اور ڈائری میں لکھا کرتی تھی۔

"ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور"

وہ اپنے اندر' اپنے وجدان کے اندر' اپنی روح در روح' پردوں میں چھپے ہوئے وہ اسرار و رموز دیکھتی جس پر کسی کو یقین نہیں تھا۔

وہ تو اماں کی تھی ہی اتنی دیوانی کہ کالج سے چھپ کر بغیر بتائے اماں کے گھر پہنچ جاتی' پہلے تو سب بہت حیران ہوئے تھے ماہم کی اس بات پر کہ وہ اکیلے بغیر بتائے ہوئے کالج سے آگئی۔ ان دنوں اس کا گریجویشن کا فائنل چل رہا تھا۔ سسرال سے وہ کالج گئی اور کالج سے وہ تنہا گھر پہنچی تھی۔

اماں حیران تھیں' زوبیہ بھابی جل بھن رہی تھیں کہ ماہم کو اکیلا نہیں آنا چاہیے۔ حماد بھائی اٹھ کر کمرے سے باہر آگئے تھے۔

"تم اکیلے کیسے آگئیں؟" شاید حماد ہی اس کی سرکشی کو اس کے دل کے سارے بھید کو اس کی آنکھوں میں پڑھ

لیتے تھے' تبھی بڑی گہری نظروں سے اس کو دیکھ کر بولے تھے۔

"ٹھیک ہے اکیلے مت جانا' میں تمہیں چھوڑ دوں گا"۔ ماہم کی ساری دانشوری دھری کی دھری رہ گئی۔ اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"یہ کیا...... بھائی بھی مجھے بے بسی اور بے اختیاری کے سبق دے رہے ہیں' میں اپنی خود مختاری' اپنا حق نہیں کھو سکتی"۔ وہ اماں کے آگے اڑ کے بیٹھ گئی تھی۔

"اماں! سچ کہتی ہوں قسم کھاتی ہوں کہ آج اگر کوئی مجھے میرے سسرال چھوڑنے گیا تو میں کبھی نہیں آؤں گی یہاں"۔ اماں اس کے اڑیل پن اور ضد کو جانتی تھیں۔

"بیٹا! اتنا دور ہے تمہارا گھر' تم کہیں راستہ نہ بھول جاؤ"۔

"اماں! میں کالج اور اسکول جاتی رہی ہوں' کالج سے گھر آتے ہوئے تمام راستے میں نے بغور دیکھے ہیں۔ بہت دھیان سے آئی ہوں' سوال ہی نہیں کہ میں راستہ بھول جاؤں' لیکن اماں! یاد رکھنا آج حماد بھائی مجھے چھوڑنے گئے تو میں کبھی نہیں آؤں گی' میں ثروت باجی کی طرح اپنے پیر کٹوا کر نہیں بیٹھ سکتی' جب میرا دل چاہے گا میں آپ سے ملنے آؤں گی' میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی ایک پل"۔

"اماں! ماہم ٹھیک کہہ رہی ہے"۔ شانزہ نے کہا تو پھر اماں بھی چپ ہو گئی تھیں۔ زندگی کا یہ ایک بہت اہم موڑ تھا جہاں اس کے وجدان سے اس کو آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"ماہم! تم ٹھیک کر رہی ہو"۔ پھر اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ اماں دعائیں دے رہی تھیں' اماں کا دل ہول رہا تھا۔

"میں فون پر اطلاع دے دوں گی باجی سعیدہ کے گھر کہ میں پہنچ گئی ہوں"۔ اماں بے بسی سے گیٹ پکڑے کھڑی تھیں۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ پلٹ کر دوبارہ اپنی ماں کو دیکھ لے۔

"میں کیوں ہوں ایسی؟ میں ماں کے بغیر کیوں نہیں رہ سکتی؟ کیا میں چھوٹی بچی ہوں' آخر سعیدہ باجی اور ثروت باجی بھی اماں کے بغیر رہتی ہیں' آخر مجھے کیوں ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ ایک دن اماں بھی بچھڑ جائیں گی"۔ وہ بڑا سا کالا بیگ اٹھائے باہر نکلی تھی' اس نے رکشے کو ہاتھ دیا اور بیٹھ گئی۔

جب وہ سسرال پہنچی تو سب ہی حیران تھے۔

"تم کالج سے گھر نہیں آئیں' ہم لوگ پریشان ہو گئے"۔ ساس بولی تھیں۔

"میں اماں کے گھر گئی تھی"۔ سب نے بہت برا منایا تھا۔

"ایسا نہیں کرتے بیٹا! اب شادی ہو گئی ہے"۔

"کیوں نہیں کر سکتے ہم ایسا؟ اماں کی یاد آ رہی تھی مجھے"۔

"ہاں تو انتظار کیا ہوتا اپنے شوہر کا......" پھر ساس بول رہی تھیں۔

"بہت مشکل لگ رہا تھا مجھے' میرا دم گھٹ رہا تھا' بس مجھے لگا کہ میں اڑ کر اپنی ماں کو جا کر دیکھوں' تو میں ایسا کر گئی"۔ وہ بے بسی سے بولی تھی۔

جب شوہر کو پتہ چلا تو وہ مسکرائے تھے۔

"چلو جان چھوٹی لانے اور لے جانے سے"۔ پھر تو گویا ماہم کے پیر پھر گئے' پھر کسی نے پلٹ کر نہیں پوچھا اور وہ اپنی محبتوں کا حصار کبھی نہیں توڑ سکی' جب دل چاہا وہ اماں سے ملنے چلی جاتی تھی' شوہر کا تعاون اس کے ساتھ تھا۔

(جاری ہے)

اقراء چنہ

مکمل ناول

تم ہوگئے میرے

سرد اور خشک موسم میں بھی اس کا دل اداس تھا' نارسائی میں ہواؤں کا شور اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہا تھا' ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے چہرے پر شرارت کرتے جا رہے تھے' اس نے خالی خالی نظروں سے نیچے کا منظر دیکھا' اچانک بیرونی دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا' آنکھوں میں ایک خوبصورت احساس کی چمک نمودار ہوئی' جو کئی سال پہلے اس شخص کو دیکھ کر ہوتی تھی' اندر داخل ہونے والا شخص اجنبی تو نہیں تھا لیکن وہ اس وقت ایسے دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو' دل کی دھڑکنوں میں سنسناہٹ ہوئی تھی' وہ شخص بھی تو کہیں سے بدلا ہوا نہیں لگ رہا تھا' وہ مدھم روشنی میں بھی اسے واضح دیکھ سکتی تھی' ہاں مگر اس کا رویہ اس کے لئے ضرور بدل گیا ہوگا' وہ اس کی دسترس میں نہیں تھا' ایک دوسرے کے ساتھ ان کا رشتہ بھی بدل گیا تھا۔

دھیرے دھیرے وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو کر اندر داخل ہوا' اس نے اکتا کر کھڑکی بند کر دی' اپنے گرد شال لپیٹی' اس کے اعصاب کانپ رہے تھے' مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی وہ بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔ کچھ دیر بعد اس کے روم کے دروازے پر دستک ہوئی اور وہ جانتی تھی کہ اس بند دروازے کے پیچھے کون ہے...... خود میں ہمت مجتمع کر کے اٹھی اور دروازہ کھولا اس کی توقع کے عین مطابق اذیان ملک سنجیدہ اور کچھ خفا خفا کھڑا تھا' وہ بنا کچھ بولے مڑی' وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا روم میں داخل ہوا' حیا کا دل تو کر رہا تھا کہ اس سے لاکھ گلے شکوے کرے مگر وقت وہ کہاں رہا تھا' ان کے درمیان دوریاں حائل ہو گئی تھیں اور اب وہ بھی بہت حد تک سنجیدہ ہو گئی تھی' بہت عرصے بعد کسی اپنے بلکہ اپنے دشمن

جاں کو دیکھ کر آنکھیں بھر آئیں انگلیوں کی پوروں سے آنکھوں میں آیا پانی صاف کیا۔

''بھائی کون سے ہاسپٹل میں ہیں......؟'' خاموشی میں اس کی گمبھیر آواز گونجی وہ اذیان کے یہاں آنے کا مقصد بھی جانتی تھی کیونکہ مامی نے اسے پہلے ہی اذیان کے آنے کی خبر دے دی تھی وہ خاموش رہی۔

''میں نے تم سے پوچھا بھائی کون سے ہاسپٹل میں ہیں......؟'' اس نے سختی سے پوچھا اس کا لہجہ حد سے زیادہ سنجیدہ تھا' وہ اس کی جانب مڑی' چہرے پر تھکان لئے وہ اس کے جواب کا منتظر تھا۔

''مجھے نہیں معلوم''۔ اس کے اس مختصر جواب پر وہ سلگ اٹھا دو قدم اٹھا کر اس کے تھوڑے قریب آیا وہ اس کی آنکھوں میں غصہ واضح دیکھ سکتی تھی۔

''مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم ایک شخص کو جو تمہارا شوہر ہے اور تم سے اتنی محبت کرتا ہے اتنی کٹھور دل کیسے بن گئی تم ام حیا اور حد تو یہ ہے کہ تمہیں مطلوبہ ہاسپٹل کا نام بھی یاد نہیں ہے' ایسے اسپتالوں میں مریضوں کا خیال تک نہیں رکھا جاتا' آخر کس بات کا بدلہ لے رہی ہو......؟'' وہ اس پر چیخا' حیا کی آنکھیں نم ہو گئیں وہ بنا کچھ جانے سمجھے اسے اتنی کھری کھری سنا رہا تھا' اس کے لب کپکپائے' شال کے پلو سے آنسو رگڑ کر صاف کئے' اذیان کا انداز کافی خطرناک تھا۔

''میں نے جس ہاسپٹل میں سمعان کو بھجوایا تھا' پھر دوبارہ میں نے ان کی خیر خواہ کے لئے فون کیا تھا مگر انہوں نے کہا کہ اس مریض کو دوسرے ہاسپٹل میں بھیج دیا گیا ہے میں نے ان سے دوسرے ہاسپٹل کا ایڈریس مانگا بھی مگر انہوں نے نہیں بتایا''۔

''اف خدا......'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیڈ پر بیٹھا' وہ اپنے بڑے بھائی سمعان ملک سے بہت محبت کرتا تھا' اگر اسے پہلے ہی پتا چل جاتا تو وہ اپنے ملک واپس آکر اپنے بھائی کے پاس دوڑا آتا۔

''تم بے وقوف ہو کیا یا تم پاگل ہو......؟ جو یوں بھائی کو کسی بھی ہاسپٹل بھیج دیا' تم نے گھر والوں کو بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا''۔ وہ پھر کھڑے ہو کر اس پر دھاڑا اور وہ چوروں کی طرح سر جھکائے کھڑی رہی۔

''بھائی کو ہاسپٹل بھیجے کتنا عرصہ ہو گیا ہے......؟'' اس نے ہلکی بڑھی ہوئی شیو پر ہاتھ پھیر کر پرسوچ انداز میں پوچھا۔

''دو ماہ ہونے کو آئے ہیں''۔ جھکے سر کے ساتھ مختصر جواب دیا اذیان نے زہریلی مسکراہٹ اس پر اچھالی' کچھ سوچ کر اس نے جھکا سر اٹھایا۔

''مامی نے تمہیں کیا کیا بتایا......؟'' اس نے بغور اذیان ملک کو دیکھ کر استفسار کیا۔

''وہ تو شاید مجھے کبھی کچھ نہ بتاتیں' میں نے ان کو تم سے فون پر بات کرتے سنا تھا وہ رو رہی تھیں' میں نے بہت پوچھا تب جا کر انہوں نے بتایا کہ گزشتہ دنوں سے کسی بات کو لے کر ڈپریشن میں تھے' ان کی طبیعت بھی کچھ خراب تھی اور پھر انہیں ہاسپٹل بھیج دیا' یقین کرو حیا' مجھے اس وقت شاک لگا تھا مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی''۔ اس نے مٹھی بنا کر اپنے دوسرے ہاتھ کی چوڑی ہتھیلی پر ماری' وہ دم بخود کھڑی تھی' مامی نے اسے ادھوری بات کیوں بتائی تھی......؟ ایک وہ ہی ہیں جو حقیقت جانتی ہیں' انہوں نے اذیان کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ سمعان ملک ایک ذہنی مریض ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے اور دورہ پڑتا ہے تو وہ اس پر کتنا ظلم و ستم کرتے ہیں' جس کا درد صرف وہ ہی تو جانتی تھی وہ سوچ کر رہ گئی۔

''میں جانتی ہوں سمعان جلد ہی تمہیں مل جائیں گے''۔ وہ پرامید تھی۔ اس کی سحر انگیز آنکھوں میں کوئی جذباتی تاثر نہ تھا۔

پوری غلطی تمہاری ہے حیا' اگر میرے بھائی کو کچھ بھی ہوا تو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں''۔ اس نے سختی سے حیا کا بازو پکڑ کر دوسرے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے دھمکی دی۔

''آہ......'' وہ درد سے کراہی' سمعان ملک کا بازو پر دیا گیا زخم ابھی بھرا نہیں تھا' جسے بے دردی سے اذیان نے دبوچا تھا'

وہ زور سے اس کا بازو جھٹک کر بڑے بڑے ڈگ بھرتا ہوا اس کی دھندلی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔



سردی کی شدت دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی' اپنے گرد شال لپیٹے وہ اداس اداس سی موم کی گڑیا لگ رہی تھی' ریشم ڈائننگ ٹیبل پر چائے کا بھاپ اڑاتا کپ رکھ کر چلی گئی' وہ دونوں کہنیاں ٹیبل پر جمائے اور انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے کپ کو بے دھیانی میں دیکھ رہی تھی' ذہن کہیں اور پہنچا ہوا تھا' قدموں کی آہٹ پر وہ چونکی' بلیک پینٹ پر وائٹ شرٹ میں ملبوث بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ ڈیسنٹ لگ رہا تھا' حیا نے اسے دیکھ کر نظریں چرائیں کہ وہ کسی اور کے نکاح میں تھی' لیکن دل آج بھی اسی کے نام سے دھڑکتا تھا' سمعان کے ساتھ تو بس نام کا نکاح تھا' وہ اپنے دل پر جبر کر رہی تھی لیکن یہ بھی سچ ہے کہ انسان چاہ کر بھی اپنی پہلی محبت کو بھلا نہیں سکتا' اذیان سے تو اس کا بچپن سے ہی دوستی اور اپنائیت کا رشتہ تھا۔

''کیا ہوا......؟'' حیا کی دھیمی پکار پر اس کے تیزی سے چلتے قدموں کو بریک لگی' اس نے گہرا سانس خارج کیا' رخ اس کی طرف موڑا۔

''میں نے شہروز کے بھیا سے بات کر لی ہے' وہ ڈی ایس پی ہیں اور وہ ہی بھائی کو تلاش کرنے میں میری مدد کریں گے اور انشاء اللہ میں بھائی تک جلد ہی پہنچ جاؤں گا''۔ وہ بغیر اس کی طرف دیکھ کر بولا لہجہ اکڑا ہوا تھا۔

''اگر اس معاملے میں' میں تمہاری مدد کروں گی تو مجھے خوشی ہو گی''۔ وہ جھجکی۔

''تمہاری مدد......'' وہ طنزیہ ہنسا' پھر یکدم اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی وہ جھٹکے سے اس کے مقابل ہوا وہ چیئر سے اٹھی۔

''تم نے جس حال میں بھائی کو پہنچایا ہے اس کے بعد بھی میں تمہاری مدد لوں گا کہ تم میرے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دو''۔ وہ استہزائیہ بولا۔ حیا نے جھکی نظریں اٹھا کر اسے سرسری دیکھا وہ بہت غصے میں تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ حیا کی جان لے لے۔

''دوبارہ ہمدردی جتانے کی کوشش بھی مت کرنا''۔ اس نے شہادت کی انگلی دکھا کر وارننگ دی' وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی وہ واپس مڑا' اس اذیان اور پہلے والے اذیان میں بہت فرق تھا' وہ شوخ و شریر تھا' اسے سب یاد آیا' وہ ماضی میں غوطہ زن ہوئی۔



''حیا بیٹا! اذیان ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے اسے پوچھ کر آؤ کہ وہ کھانے میں کیا کھائے گا''۔ رخشندہ نے کہا۔

''ارے پوچھنے کی ضرورت کیا ہے' جو پکے گا وہ کھالے گا''۔ وہ ٹیبل پر انگلی سے آڑی ترچھی لکیریں بناتی ہوئی چڑ کر بولی۔

''پھر وہ بولتا ہے کہ ممی آپ نے میری پسند کا کچھ نہیں بنایا''۔ وہ اذیان کے انداز میں ہی بولیں زرین بھی مسکرائیں۔

''ویسے بھی جب سے جاب پر جانے لگا ہے تب سے کچھ زیادہ ہی نک چڑا ہو گیا ہے''۔ وہ تنک کر بولی زرین نے اسے گھورا۔

''حیا! یہ کیا بدتمیزی ہے' بھابی نے جو کہا ہے وہ جا کر کرو''۔ زرین نے اسے ڈپٹا' وہ برا منہ بناتی ہوئی ہاتھ اور کپڑے دونوں جھاڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''اذیان! تم رات کھانے میں کیا......'' وہ اپنے ہی دھن میں بولے جا رہی تھی' صوفے پر شہروز کو بیٹھا دیکھ کر اس کی

زبان کو یک لخت بریک لگی۔ شہروز نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اذیان خجل ہو گیا اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

''دروازہ ناک نہیں کر سکتی تھیں چڑیل''۔ وہ دھیمے مگر سخت لہجے میں بولا۔

''میں تو یہ پوچھنے آئی تھی کہ تم رات کو کھانے میں کیا کھاؤ گے......؟'' وہ سٹپٹا کر شرمندگی سے گویا ہوئی۔

''میں دال چاول کھاؤں گا اور اب تم دو کپ چائے بنا لاؤ''۔ اس کا لہجہ ابھی بھی دھیما تھا۔

''میں تمہاری نوکر ہوں''۔ وہ منہ چڑا کر بولی' اذیان نے آنکھیں پھاڑ کر کھا جانے والی نظروں سے دیکھا' اب وہ جھکے سر بیٹھے شہروز کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔

''میری عزت رکھ لو اس کے بدلے جو تم مانگو گی وہ میں دوں گا''۔ اس نے لالچ دیا وہ حیرانی اور خوشی کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھ کر چیخی' اذیان نے احتیاطاً کانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ کیونکہ ایسی آفر تو کبھی کبھی کرتا تھا اور جب بھی کرتا تو اسے نبھاتا ضرور تھا۔

''سچ میں......؟'' وہ لہرائی' شہروز نے جھکا سر اٹھایا' اسے ہنسی کنٹرول کرنا محال ہو رہا تھا' اذیان نے اسے گھوری نگاہوں سے دیکھا' وہ منہ بسور کر کچن کی جانب چلی گئی' اس کے جاتے ہی شہروز کا زوردار قہقہہ پورے روم میں گونجا' اذیان کے لبوں پر بھی دھیمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''تو یہ محترمہ آپ کے دل کی شہزادی ہیں''۔ وہ ہنسی میں ڈوبی آواز میں گویا ہوا اس نے سعادت سے سر جھکا کر اعتراف کیا۔

''ہم م م......تم دونوں کی جوڑی لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ہے لیکن بھابی جی تھوڑی سی پاگل ہیں''۔ اس نے تھوڑی کھجا کر شرارت سے کہا اب کی بار اذیان بھی کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''ہاں تھوڑی پاگل ہے مگر میری زندگی ہے''۔ اس نے آنکھ دبائی۔

''اور چائے بنوانے میں نے اس شرط پر بھیجا ہے کہ اس کے بدلے میں جو وہ مانگے گی میں دوں گا' تبھی تو وہ خوشی میں چیخی تھی اور میں جانتا ہوں کہ وہ کیا مانگے گی''۔

''کیا مانگے گی......؟''

''ڈھیر ساری شاپنگ' یہ ہی تو اسے چاہئے ہوتا ہے''۔ اس کا لہجہ محبت سے مہکتا ہوا تھا۔

''اور تم خوشی خوشی وہ اس کو دینا چاہو گے' اتنا تو تیرا یہ دوست جانتا ہے''۔ وہ اس کے شولڈر پر تھپکی مارتے ہوئے بولا' اس نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

وہ ہی تو تھی جو اس کے دل کے ہر کونے میں بسی ہوئی تھی' جس نے اس کے دل کے تار چھیڑے تھے' دن بہ دن اس کے جذبات حیا کے لئے مضبوط ہوتے جاتے تھے' وہ ہمیشہ سے دوست تو تھے لیکن وہ اسے پسند کرتا ہے یہ احساس اسے تب ہوا تھا جب وہ انٹر کا اسٹوڈنٹ تھا' اب اس کا (جذبہ) اذیان کے دل میں اور بھی اونچا ہو چکا تھا' حیا کچھ کم تو تھی' وہ اس کے لئے یہ جذبات نہیں رکھتی تھی' لیکن کبھی کبھی یہ بھی محسوس ہوتا تھا کہ وہ بھی اس کے لئے خاص ہے' اسے اپنے آپ پر پورا بھروسہ تھا کہ ایک دن وہ بھی اسے چاہے گی اور اظہار کرے گی۔



شازمہ نے اپنے آنے کی خبر دے کر رخشندہ اور فرحان ملک کو بہت خوش کر دیا تھا' دو سالوں سے وہ کراچی نہیں آئی تھی اپنے گھر اور بچوں میں اتنی مصروف ہو گئی کہ وقت ہی نہ نکال پائی' شازمہ ان کی بڑی اولاد تھی اس کے بعد سمعان اور پھر سب سے چھوٹا اذیان تھا' سمعان بچپن سے ہی رخشندہ کے دور کے چچا کے ساتھ لندن میں رہتا تھا' اب تو اسے پاکستان

آئے بھی پندرہ برس ہو گئے تھے۔ شازمہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کر رہی تھی اور رخشندہ کے لئے یہ ہی بہت تھا زرین بھی شازمہ کے آنے سے خوش ہوئیں' حیا تو یہ سن کر ہی چیخ پڑی' وہ عمر میں تو شازمہ سے بہت چھوٹی تھی مگر ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ تھیں۔

''اذیان! اٹھ جاؤ''۔ وہ دھڑام اس کے روم کا دروازہ کھولتی ہوئی اندر داخل ہوئی' وہ گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہا تھا۔

''اٹھ جاؤ......'' اس نے اذیان کے سر سے کمبل کھینچ کر پورا ہر کا دیا۔ اس نے تھوڑی حرکت کی اور دوبارہ کروٹ بدل کر سو گیا' اس نے اکتا کر وال کلاک دیکھا جو صبح کے گیارہ بجا رہی تھی' وہ ہمیشہ اٹھانے والے بندے کو یوں ہی تھکا دیتا تھا' روم میں ہر چیز بکھری پڑی تھی' اسے دیکھ کر کوفت ہو رہی تھی' بیڈ پر ہی اس کی مختلف قسم کی کتابیں جو وہ اکثر رات کو پڑھتے پڑھتے سو جاتا تھا' اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر اس کی فائلز وغیرہ جوں کی توں پڑی ہوئی تھیں' اسے جگانے کے ساتھ ساتھ وہ اس کی بے ترتیب چیزیں بھی سمیٹ رہی تھی۔

''اذیان! اٹھ بھی جاؤ''۔ اس نے اس کو بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا' وہ مندی مندی آنکھوں سے اسے بیزاریت سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہے......؟'' وہ گرم ہوا وہ اس کے سر پر جو کھڑی تھی۔

''صبح کے گیارہ بج رہے ہیں اور یہ وقت ہے مسلمانوں کے سونے کا''۔ وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر گھورے رعب سے بولی۔

''آج سنڈے ہے ورنہ روز چھ بجے اٹھتا ہوں''۔ اس نے جمائی لیتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی آواز میں کہا۔

''شازمہ باجی آ رہی ہیں''۔ اس نے دھماکا کیا' اس کی پوری آنکھیں کھل گئیں وہ اٹھ کر بیٹھا اور بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''وہ شام چار بجے کی ٹرین سے آ رہی ہیں اور تم تین بجے تک ریلوے اسٹیشن چلے جانا''۔ وہ اسے بتاتے ہوئے اس کا زمین پر پڑا تولیہ اٹھا کر بالکنی میں پھیلا رہی تھی۔

''لیکن اس طرح اچانک......؟'' وہ بھی خوش ہوا۔

''اصغر بھائی کو اپنے بزنس کے سلسلے میں اندرون سندھ جانا تھا اس لئے وہ باجی کو یہاں چھوڑ کر ایک ہفتے کے لئے جا رہے ہیں''۔ اب وہ اس کا کمبل لپیٹتے ہوئے بتا رہی تھی۔

''اب جلدی فریش ہو جاؤ' ہمیں مارکیٹ بھی جانا ہے''۔

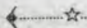
''لیکن کیوں......؟'' وہ انگڑائی لے کر دوبارہ سستی سے لیٹ گیا۔ حیا نے سر پیٹ لیا۔

''رات کو تم نے کہا تھا کہ چائے بنا لاؤ اور اس کے بدلے میں جو تم مانگو گی وہ دوں گا''۔ اس نے اسی کے جملے اس کے انداز میں بول کر یاد کروائے' بند آنکھوں میں بھی وہ اس کی شرارت پر مسکرا دیا' اس کے دائیں گال پر ڈمپل واضح ہوا۔

''اور کیا کہا تھا میں نے......؟'' اس نے بے اختیار حیا کی کلائی تھام کر اسے جھٹکے سے بیڈ کے کنارے پر بٹھایا' وہ جز بز ہوئی۔

''کچھ نہیں اب اٹھ جاؤ''۔ اس نے اس کے گال پر تھپکی ماری۔

''ہائے......'' اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر آہ بھری' وہ اسے تاکید کر کے اس کے سر پر تکیہ اچھالتی ہوئی چلی گئی وہ دل تھام کر رہ گیا۔



شازمہ کے آنے سے گھر میں رونق ہو گئی تھی' علی اور زارا تو ہر وقت حیا کے ساتھ رہتے' حیا کو بھی بچوں سے بہت انسیت

تھی' چھوٹا علی بہت چالاک اور شرارتی تھا جبکہ زارا کم گو تھی' وہ بھی دونوں کو بہت پیار کرتی اور ان کی ہر ضد پوری کرتی' اور جب اذیان آفس سے واپس آتا تو وہ دونوں اس کے آگے پیچھے گھومتے وہ بھی ان کے لئے چاکلیٹ لانا نہیں بھولتا تھا۔

''اوہ آج ماہ رانی کچن کا کام کررہی ہیں''۔ اسے سلاد بناتے دیکھ وہ شرارت سے بولا۔

''ماہ رانی نے آج ہی آنکھیں کھولی ہیں ورنہ میں روز کچن کا کام کرتی ہوں''۔ وہ خفگی سے بول کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی وہ چیئر گھسیٹ کر اس پر براجمان ہوا۔

وہ چہرے پر شرارت کرتی لٹوں کو بار بار کان کے پیچھے دھکیلتی اور وہ خاموش بیٹھا اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا وہ اس کی نظروں کے حصار میں تھی' لیکن وہ اس بات سے انجان بھی تھی' اس نے مصروف انداز میں سر اٹھا کر اس کی جھیل آنکھوں میں سرسری دیکھا۔

''کھا جانے کا ارادہ ہے کیا......؟'' وہ سرگوشی میں بولی وہ چونکا اور اپنی اس حرکت پر شرمندہ ہوا۔

''نہیں......نہیں......یار......وہ......'' وہ بوکھلایا حیا کی ہنسی چھوٹ گئی' وہ سر جھکانے لگا۔

''شازمہ باجی بتارہی تھیں کہ کل ہم سب آؤٹنگ پر جائیں گے''۔ وہ چہکی۔ وہ ہمیشہ آؤٹنگ یا شاپنگ پر جانے سے خوش ہوتی تھی۔

''ہاں لیکن آج رات تم میرے ساتھ چل رہی ہو''۔ وہ پرسوچ انداز میں بولا حیا کے حرکت کرتے ہاتھ یکدم رکے۔

''کیا......؟''

''ہماری کمپنی کو بہت بڑا پراجیکٹ ملا ہے' جس کی خوشی میں پارٹی رکھی ہے میں تمہیں بھی وہاں لے جانا چاہتا ہوں''۔ اس نے سلاد چکھتے ہوئے بات مکمل کی۔

''لیکن اذیان! میں کبھی ایسی پارٹیز میں نہیں گئی تم خود ہی چلے جانا''۔ اس نے سلاد کی دونوں پلیٹس فریج میں رکھی اور اذیان نے اسے گھورا۔

''اب کوئی انکار نہیں' رات کو ریڈی رہنا ہم سات بجے چلیں گے''۔ وہ اپنی بات سنا کر چلا گیا۔ وہ اکثر اس کی آنکھوں میں کچھ تلاشتی تھی' اس کی چمکتی آنکھوں میں کچھ تو تھا' جب وہ خاموشی سے اسے دیکھتا یا کوئی شوخ جملہ بولتا تو اس کا اپنا دل بھی دھڑک جاتا' وہ خود اپنے دل کو بھی سمجھ نہیں پائی تھی' یا سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی' ہر بار ایسی کسی بات کو اگنور کردیتی۔ وہ رات کو سات بجے ریڈی تھی' آتشی گلابی کلر کے فینسی لباس میں وہ زمین پر اتاری گئی پری لگ رہی تھی' شولڈر کٹ بالوں کو کھلا چھوڑ دیا' لائٹ میک اپ اور نفیس جیولری اس کے حسن کو روشن کررہی تھیں' جب اذیان نے دیکھا تو اس کی نگاہیں حیا کے سراپے سے لوٹنا بھول گئیں وہ تو سادگی میں ہی بہت پیاری لگتی تھی اور اب جب وہ نک سک سے تیار ہوئی تھی تو اس کا دل مچل کر رہ گیا۔

''چلیں......'' اس نے اذیان کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا شازمہ اور وہ اذیان کی اس حرکت پر کھل کھلا کر ہنس دیئے وہ جھینپ گیا۔ بلیک تھری پیس میں وہ بھی ڈیشنگ اور اسمارٹ لگ رہا تھا' ایک دوسرے کے ہمراہ وہ چاند اور سورج کی جوڑی لگ رہے تھے تقریب میں سب نے انہیں انہماک سے دیکھا اور سراپا جو لڑکیاں اذیان ملک کی پرکشش پرسنالٹی کو پسند کرتی تھیں انہیں حیا پر رشک آرہا تھا' شہروز پہلے سے ہی وہاں موجود تھا' وہ بھی اسی آفس میں جاب کرتا تھا' انہیں دیکھ کر سرعت سے ان دونوں کے پاس آیا۔

''تم دونوں بہت اچھے لگ رہے ہو''۔ اذیان حیا کے ساتھ پر فخر سے مسکرایا حیا پزل ہوئی۔ حیا کے لئے ہر چہرہ اجنبی تھا' اذیان لوگوں سے ہاتھ ملانے میں مصروف تھا' وہ ہال کے عقب میں چلی آئی' جہاں مدھم روشنی تھی' وہ زیادہ لوگوں میں

بھی گھبرا جاتی تھی خاص کر وہاں جہاں سب اس کے لئے اجنبی ہوں۔ ہر طرف بہت چہل پہل تھی' ہر کوئی کسی نہ کسی کے ساتھ مصروف تھا' جگمگاتی روشنیوں میں جھلملاتے چہرے وہ بغور سب کا جائزہ لے رہی تھی۔

''میم! آپ بہت نائس لگ رہی ہیں''۔ عقب سے مردانہ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی گھبرا کر وہ مڑی۔

''جی......آپ......کون......؟'' مقابل کی پرسنالٹی اچھی تھی' وہ ہنوز اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں بھی اذیان کے ساتھ جاب کرتا ہوں' پہلے کبھی اذیان نے آپ کے بارے میں ذکر نہیں کیا' مجھے اذیان کی خوش قسمتی پر رشک آرہا ہے''۔ اس کی طائرانہ نگاہیں حیا پر مرکوز تھیں' حیا کو اس کا یوں بات کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا' یکدم اس کی آنکھیں نم ہوئیں' ایسا محسوس ہوا کہ وہ پوری دنیا میں تنہا کھڑی ہے' اس کا لہجہ اور نگاہیں گھٹیا تو نہیں تھیں مگر پھر بھی حیا کا دل بھر آیا' اس کی نظروں نے اذیان کو تلاش کیا' اس نے دونوں کو دیکھا وہ گھبرائی ہوئی تھی جبکہ وہ لڑکا پراعتماد کھڑا رہا' کچھ دیر تک خاموشی رہی' پھر وہ لڑکا حیا پر مسکراہٹ اچھالتے ہوا آگے بڑھ گیا۔

''وہ کیا بول رہا تھا......؟'' اس نے طیش بھرے انداز میں پوچھا۔

''بکواس کررہا تھا اب گھر چلو مجھے یہاں اور نہیں رکنا''۔ وہ باآواز بلند بولی پاس کھڑے شہروز نے بھی سنا' وہ بھی ماحول کی سنجیدگی پر پریشان ہوا' اذیان نے لب بھینچ کر اپنے اردگرد دیکھا لیکن کسی کا بھی دھیان ان کی طرف نہیں تھا اسے حیا کے رویہ پر بہت غصہ آیا' وہ سختی سے اس کی کلائی پکڑ کر باہر لے آیا۔

''کیا ضرورت تھی اس طرف جانے کی......؟ اور وہ لڑکا کتنا بدتمیز ہے یہ میں جانتا ہوں''۔ اس کی کلائی جھٹک کر جھنجلاہٹ آمیز بولا۔

''اچھا اور جب تم مجھے اکیلا چھوڑ گئے تب یہ احساس نہیں ہوا کہ میں اس ماحول میں بالکل اجنبی ہوں''۔ اسے پہلے ہی اذیان پر غصہ تھا کہ اس نے اس پر توجہ نہیں دی اور اب وہ الٹا اسے ہی الزام دے رہا تھا' وہ بھی کہاں چپ رہنے والوں میں سے تھی' لاجواب کرگئی۔

''ایسی پارٹیز کے لئے تم لائق ہی نہیں ہو''۔ وہ اس پر غصیلی نگاہ ڈال کر تمسخرانہ بولا۔

اپنی عزت افزائی اور خود کو نیچا دکھائے جانے پر احساس کمتری میں اس کا ہاتھ اٹھا اور اذیان ملک کا گال سرخ کرگیا' وہ بے یقینی کی حالت میں تھا' تھپڑ کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی' اپنا غصہ نکال کر وہ گاڑی میں جا بیٹھی' اس نے مٹھی بنا کر زور سے گاڑی پر ماری' حیا نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور آنکھیں بند کردیں۔ جس خوشی سے وہ یہاں آئے تھے اب اتنی ہی تکلیف و اذیت سے واپس لوٹ رہے تھے' اذیان کے دل کے ہزار ٹکڑے ہو کر کرچیوں میں بدل گئے' غصے سے اس کے جسم کا سارا خون چہرے پر آگیا تھا' سب جھٹک کر اس نے خاموشی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور نہایت خاموشی سے سفر طے کیا' کچھ دیر کا سفر' مگر ان دونوں نفوس کا ایک طویل سفر رہا۔

☆

فرحان ملک اور زرین دو ہی بہن بھائی تھے' فرحان ملک کی رخشندہ سے شادی کروا کر ان کے ماں باپ دونوں خدا کو پیارے ہوگئے رخشندہ بہت سلجھی اور گھریلو خاتون تھیں ان میں اور زرین میں دوستی کا رشتہ قائم ہوگیا' رخشندہ کے تینوں بچوں کی پیدائش کے بعد زرین کی شادی ہوئی' لڑکا بہت نیک اور شریف تھا' اس کے قریبی رشتہ دار بھی کچھ خاص نہیں تھے وہ بھی یتیم تھا شادی کے چار سال بعد ہی وہ خدا کو پیارے ہوگئے وہ ہارٹ پیشنٹ تھے' پھر فرحان ملک' زرین کو اپنے گھر لے آئے اس بات پر رخشندہ کو کوئی اعتراض نہیں ہوا' اس نے ہمیشہ زرین کی دل جوئی کی۔ دو سالہ حیا معاملات کی سنگینی سے بالکل انجان تھی' فرحان ملک نے اسے ہمیشہ اپنے بچوں جیسا پیار دیا اسے کبھی باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی' وہ بھی

انہیں پاپا کہہ کر ہی پکارتی۔

''حیا! اٹھو اور جلدی تیار ہو جاؤ یار''۔ شازمہ روم میں داخل ہوتے ہی با آواز بلند بولی' وہ اوندھے منہ لیٹے رات والے ناخوش گوار مناظر کو یاد کر کے پشیماں ہو رہی تھی۔

''حیا! میں تم سے بول رہی ہوں''۔

''باجی! آپ لوگ چلے جاؤ مجھے نہیں جانا''۔ وہ سیدھی ہو کر افسردگی سے بولی۔

''یہ کیا بات ہوئی بھئی وہاں اذیان صاحب ڈائری لکھنے میں مصروف ہیں ان کا بھی یہی جواب ہے' تم دونوں کیوں سارا مزہ خراب کر رہے ہو...... ؟ بچے کتنے خوش تھے''۔ وہ سرد سانس لے کر سیدھی ہو کر بیٹھی۔

''تو آپ لوگ چلے جائیں ناں''۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اور سر اس کے کندھے پر رکھ کر لاڈ سے بولی۔

''ایسے کیسے چلے جائیں...... ؟ بس بچوں کو منع کر دیتی ہوں''۔ وہ خفگی سے بول کر اٹھنے لگی حیا نے مضبوطی سے ہاتھ تھام کر دوبارہ بٹھایا۔

''ناراض ہو گئیں...... ؟'' اس کی ٹھوڑی پکڑ کر ابرو اچکا کر پوچھا۔

''ہوں......'' اس نے رخ دوسری طرف پھیر لیا۔

''او کے بابا میں دس منٹ میں تیار ہو کر آتی ہوں''۔ وہ چٹکی بجا کر جھٹ سے بولی شازمہ اپنی ناراضگی ختم کر کے مسکرائی۔

''سب تیار ہیں' ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں' اور میں اس بندر کو بھی دیکھتی ہوں''۔ وہ بول کر چلی گئی' حیا گہرا سانس خارج کر کے اٹھی وارڈ روب سے کپڑے نکال کر واش روم چلی گئی۔ وہ شازمہ کو دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی وہ اتنے عرصے بعد ہی آئی تھی اس میں بھی اسے ناراض کر لیا جائے تو بری بات ہے' وہ اذیان کا سامنا کرنے سے بھی ڈر رہی تھی۔

ہال روم میں اسی کا انتظار ہو رہا تھا' اذیان بھی موجود تھا' اور بہت ڈیسنٹ لگ رہا تھا' حیا نے اس پر سے نظریں چرائیں' اسے بہت ندامت اور شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا' اسے اذیان پر غصہ کرنا چاہئے تھا مگر تھپڑ مار کر غصے کا اظہار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ گرین سادہ ایئر لائن اور پرنٹڈ ٹراؤزر اور دوپٹے میں وہ بہت نکھری نکھری لگ رہی تھی' شازمہ نے اسے سراہا۔ پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ سب وسیع وعریض پارک میں موجود تھے' چاروں طرف گہما گہمی تھی' علی اور زارا بہت انجوائے کر رہے تھے۔

''ہماری حیا کیوں اداس ہیں...... ؟'' پاپا نے اسے خاموش پا کر پیار سے پوچھا وہ چونکی پھر زبردستی مسکرائی۔

''کبھی کبھی سنجیدہ بھی رہنا چاہئے''۔

''اچھے خیالات ہیں''۔ فرحان ملک نے اس کے گرد بازو حمائل کر کے پیار سے کہا۔ اذیان سب کے ساتھ دیسا تو نہیں مگر سب سے بات چیت نارمل کر رہا تھا۔ مگر سنجیدگی اس کے چہرے سے بھی عیاں ہو رہی تھی' مجال جو وہ ظالم حیا پر غلطی سے بھی نگاہ ڈالتا' اور اس بات سے وہ بہت ڈسٹرب تھی' وہ اگر ناراض ہو جاتا تو اسے منانا بہت مشکل ہو جاتا تھا' لیکن وہ اپنی غلطی کا بھی اعتراف کر رہی تھی اور اس سے معافی بھی مانگنا چاہتی تھی۔

''مجھے معاف کر دو''۔ لہجے میں شرمندگی سموئے بولی۔

''حیا ایک مرد پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے سوچنا چاہئے تھا''۔ وہ روبرو ہوا حیا کا سر جھک گیا۔

''میں مانتی ہوں کہ میری غلطی تھی اب معافی بھی تو مانگ رہی ہوں''۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں کو لگائے چند لمحات کے لئے اذیان ملک کا دل نرم ہوا' دل چاہا اس کلی کو آغوش میں لے لے' لیکن اپنے جذبات پر ضبط کیا اور لاپرواہی ظاہر کی۔

''میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا''۔ انداز بہت اکھڑا اور روکھا تھا' آنکھیں بے تاثر تھیں' وہ اداس ہوئی اور چپ چاپ وہاں سے چلی آئی کیونکہ اس وقت وہ بات سننے اور سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھا' اس لئے اس وقت اسے بات کرنا دیوار پر سر پھوڑنا یا بھینس کے آگے بین بجانا تھا' شازمہ اس سے باتیں کرتی جا رہی تھی وہ بے دھیانی میں صرف ہوں ہاں میں جواب دیتی' پورا دھیان اور پوری توجہ اذیان پر تھی جو بہت لاپرواہ بنا بیٹھا تھا اس کے بعد ڈنر بھی ریسٹورنٹ میں کیا وہاں بھی اس کا خاص دل نہیں لگا۔

''اذیان! تم اپنی گاڑی میں حیا کو لے جاؤ' بچے پاپا کے ساتھ جانے کی ضد کر رہے ہیں''۔ وہ ان دونوں کے تاثرات دیکھے بنا اپنی بول کر آگے بڑھ گئی۔

وہ سیٹ کی بیک سے سر ٹکائے ہوئی تھی نگاہیں اس کی ونڈو سے باہر تھیں اذیان نے محویت سے اسے دیکھا' اسے حیا پر ترس آ رہا تھا' وہ یہ بات تو جانتا تھا کہ وہ جذباتی ہے اور جذباتیت میں ہی اس سے ہاتھ اٹھ گیا تھا' لیکن اپنی بے عزتی پر اس کا خون بھی کھول اٹھتا' کیونکہ شہروز نے بھی دیکھا تھا اس کی شیروز کی نظروں میں کیا عزت رہ گئی ہو گی یہ سوچ سوچ کر اسے اکتاہٹ ہونے لگی۔ گاڑی جھٹکے سے رکی' اس نے چونک کر اذیان کو دیکھا اور پھر ونڈو سے باہر دیکھا گاڑی سگنل پر رکی تھی۔

''صاحب! یہ گجرے لے لو''۔ آٹھ نو سالہ بچی نے اس کی محویت توڑی۔

''نہیں چاہئے''۔ اس کا لہجہ گمبھیر تھا' بیزاریت سے سگنل کی طرف دیکھا۔

''اپنی بیوی کے لئے لے لو''۔ اس نے دوبارہ فورس کیا' حیا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' وہ بھی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''مر گئی وہ......'' وہ استہزائیہ بولا' حیا سے ہنسی کنٹرول کرنا محال ہو رہا تھا لڑکی نے برا منہ بنایا۔

''اچھا پھر ایک میڈم کے لئے لے لو' بہت خوش ہو جائیں گی''۔ لڑکی نے چٹکارہ لیتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! یہ میڈم تو میرا خون جلا کر ہی بہت خوش رہتی ہیں''۔ وہ سرد آہ لے کر منمنایا' پھر مسکرا کر اس کے ہاتھوں سے گجرے لے کر والٹ میں سے سرخ رنگ کے دو نوٹ نکال کر اس کے ہاتھوں میں تھما دیئے۔

''یہ تو بہت زیادہ ہیں''۔ وہ معصومیت سے بولی اور چمکتی آنکھوں سے پیسوں کو دیکھا۔

''یہ سب آپ رکھ لو''۔ اذیان نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا' وہ خوشی سے دوڑتی ہوئی آگے بڑھ گئی' اس نے ہاتھوں میں پکڑے گجرے پچھلی سیٹ پر پھینکے' حیا کی تمام خوش فہمیاں صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں' بظاہر وہ نارمل ہی' اذیان کی نظریں محویت سے اس بچی کا تعاقب کر رہی تھیں اسے ایسے بچوں پر بہت ترس آتا تھا' وہ روز ایسے بہت لوگ دیکھتا تھا وہ ان کا مستقبل سنوارنا چاہتا تھا' وہ چاہتا تھا وہ بھی دوسروں کی طرح ایک اچھی اور عزت دار زندگی گزاریں' وہ ایسے بہت سے لوگوں کو روز پیسے دیتا تھا' ضرورت مندوں کی مدد کرتا تھا اور یہ حقیقت ہے جو پیسہ خرچ کر کے اس کام میں خوشی اور سکون ملتا تھا وہ شاید ہی کسی اور میں ملتا ہو' جس چیز میں جس کام میں ہم انسانوں کی بہتری ہوتی ہے ہمارا خدا ہمیں وہ ہی دیتا ہے' ہماری خواہشیں' ہماری چاہتیں صرف ہماری سوچ تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ سگنل بحال ہوا تو گاڑیاں ہارن بجاتی ہوئی ایک دوسرے کے آگے پیچھے چلنے لگیں اس نے بھی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆

اگلے دن بھی اس نے حیا سے کوئی بات نہیں کی' شام کو موسم بہت خوبصورت ہو گیا تھا' وہ بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیل

رہا تھا' حیا چھت سے ڈھیر سارے کپڑے اتار کر زینہ اتر رہی تھی اس کی پوری توجہ اذیان پر تھی۔ اس کا پاؤں پھسلا آگے دو سیڑھیاں ہی باقی تھیں' وہ زینے سے لڑھکتی ہوئی زمین پر گری۔ اذیان کی تو جان نکل گئی وہ دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا' وہ ٹانگ کو سہلا رہی تھی علی اور زارا پریشانی سے اس کے آگے پیچھے گھوم رہے تھے۔

''کیا ہوا......؟ تم ٹھیک تو ہو......؟'' وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا اذیان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے تکلیف ہو رہی تھی وہ مسکرائی۔

''زیادہ نہیں لگی''۔ وہ لڑکھڑا کر اٹھی۔

''اگر میری ٹانگ ٹوٹ بھی جاتی تو تمہیں کیا فرق پڑتا''۔ وہ زمین پر گرے کپڑے سمیٹ کر جتانے والے انداز میں بولی۔

''بہت فرق پڑے گا پاگل...... دیکھ کر چلا کرو''۔ اب کے اسے بھی ہنسی آ گئی' حیا بھی اس کی ہنسی میں شامل ہو گئی' علی نے نا سمجھنے والے انداز میں دونوں کو دیکھا۔

''تو جناب نے مجھے معاف کر دیا......؟'' آنکھیں سکیڑ کر استفسار کیا۔

''جی ہاں......'' اس نے فرمانبرداری سے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ حیا کے دل سے منوں بوجھ اتر گیا۔

☆

لاؤنج میں موجود تمام افراد کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے' دماغ سن ہو گئے تھے۔

''کیا ہوا بھئی......؟ دیکھ تو ایسے رہے ہو جیسے کسی اور دنیا کی مخلوق دیکھ لی ہو' میں سمعان ہوں''۔

''سمعا......ن''۔ رخشندہ نے ٹوٹے پھوٹے انداز میں اسے پکارا۔ ان کی آنکھیں نم ہو گئیں' انہوں نے لپک کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا' سب کی حالت رخشندہ سے ملی جلی تھی وہ خبر کیے بغیر آیا تھا' اذیان بھی وہاں موجود تھا' وہ اپنے بھائی سے بہت محبت اور ان کی عزت کرتا تھا' رخشندہ اور فرحان ملک کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار کیسے کریں۔ حیا ابھی اپنے روم سے نکل کر لاؤنج میں آئی تھی سمعان ملک کو دیکھ کر وہ بھی چونکی تھی اور پھر جلد ہی کھلکھلا کر ہنس دی' وہ اسی جگہ کھڑی تھی' جب سمعان کی نظریں اس سے ٹکرائیں تو وہ کچھ پل کے لئے ٹھٹک گیا' اسے گنگ کھڑا ایک ٹک دیکھے گیا شاید یہ کسی نے بھی نوٹ نہیں کیا۔

''سمعان بھائی! آپ اچانک......؟'' وہ تیزی سے اس کی طرف لپکی' وہ اس کی خوبصورت سبز آنکھوں میں دیکھ کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھی وہ بہت کچھ بولے جا رہی تھی سمعان ملک اسے سن نہیں رہا تھا بس صرف دیکھ رہا تھا' حیا نے صرف اسے تصویروں میں دیکھا تھا وہ حقیقت میں تصویروں سے بھی زیادہ پرکشش تھا۔

''بیٹا! یہ ام حیا ہے تم جانتے تو ہو گے یہ تمہاری پھپھو زرین کی بیٹی ہے''۔

''جی پھپھو کبھی کبھی ذکر کرتی تھیں ان کا مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ ام حیا ایسی ہوں گی''۔ آخری جملہ اس نے صرف ہونٹوں میں کہا۔

''تم پندرہ برس بعد لوٹے ہو' میں نے سوچا شاید تمہیں یاد نہ ہو' تم نے کبھی اس سے فون پر بھی تو بات نہیں کی''۔ رخشندہ نے کہا۔

''ام حیا......'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔ حیا نے صوفے پر براجمان اذیان کو دیکھا جس کی گود میں بیٹھا علی اس کے ہاتھوں میں پکڑی گاڑی کی چابیوں سے کھیل رہا تھا' اس کے ہونٹوں پر مبہم مسکراہٹ تھی۔

''بیٹا! کم از کم خبر ہی کر دیتے ہم تمہارا اچھا استقبال ہی کر لیتے''۔ رخشندہ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''ممی! اپنے گھر میں بھی استقبال کروائے جاتے ہیں میں تو آپ سب کو سرپرائز دینا چاہتا تھا اور دیکھنے میں اس میں بہت حد تک کامیاب بھی ہو گیا' کیونکہ اگر میں بتا کر آتا تو آپ سب کو اتنی زیادہ خوشی ہوتی......؟'' وہ ان کے ہاتھوں کو اپنے لبوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

''اور شاکڈ بھی''۔ حیا نے لقمہ لگایا' سمعان نے چمکتی آنکھوں سے اسے وارفتگی سے دیکھا' شازمہ جو اگلے روز اپنے گھر واپس جانے والی تھی اس نے اپنے شوہر کو فون پر سمعان کی اطلاع دی اور مزید کچھ دن رہنے کی اجازت لے لی۔

سمعان فائیو کلاس میں تھا جب اسے یہاں پر اکتاہٹ ہونے لگی تھی' اس کی خواہش تھی کہ وہ بیرون ملک جائے فرحان ملک کو اس بات پر ہمیشہ سے اعتراض رہا لیکن رخشندہ نے اپنے نونہال کی خواہش پوری کی اور اسے اپنے دور کے چچا کے پاس بھیج دیا جو لندن میں رہائش پذیر تھے' وہ بھی خوشی خوشی راضی ہو گئے' کیونکہ وہ بھی اولاد کی خوشی سے محروم تھے۔ وہ پہلے تو ہر سال پاکستان آتا تھا' لیکن پھر آہستہ آہستہ آنا ختم کر دیا' رخشندہ کے لئے خود پر جبر کرنا بہت مشکل تھا لیکن وہ اپنے بیٹے کا مستقبل بھی سنوارنا چاہتی تھیں' وہ جب تیرا برس کا ہوا تو اس کے بعد نہیں آیا' رخشندہ ہمیشہ شکوہ کرتیں اور وہ نالتا رہتا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اب وہ اٹھائیس برس کا ہو گیا تھا' وہ ہر ہفتے رخشندہ اور فرحان ملک سے باقاعدگی سے بات کرتا تھا' کبھی کبھی تو رخشندہ کو لگتا وہ انہیں بھول گیا ہے وہ بھٹک گیا ہے' شاید ہی اب وہ کبھی لوٹ آئے۔ وہ اذیان سے بھی کبھی کبھار بات کرتا تھا' اس کے مقابلے میں اذیان اسے زیادہ پیار کرتا تھا' ہمیشہ اس کا دل کرتا تھا کہ کاش بھائی یہاں ہوتے تو وہ دونوں مل کر خوب انجوائے کرتے' وہ سمعان کی طبیعت کو سمجھ نہیں پایا تھا۔

رخشندہ پچھلے کچھ سالوں سے اسے شادی کے لئے بھی فورس کر رہی تھیں وہ چاہ رہی تھیں کہ وہ زندگی کی طرف واپس لوٹے' سمعان کے بعد ہی وہ اذیان کی شادی کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں' اذیان' سمعان سے تین سال چھوٹا تھا' وہ ہمیشہ اس موضوع سے اکتا جاتا' رخشندہ بھی زیادہ زبردستی نہیں کرتیں' کیونکہ وہ ہی تو تھیں جو اس کا حال دل جانتی تھیں' مگر سمعان اس بات سے انجان تھا کہ رخشندہ اس کے متعلق کچھ بھی جانتی ہیں۔ حیا سے وہ جو بس بچپن میں ملا تھا' [illegible] سے بھی خاص موقع پر بات کر لیتا تھا' حیا نے بھی کبھی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی' اُسے سمعان کی پرسنالٹی بہت رعب دار لگتی تھی' حیا نے صرف اس کی تصویریں دیکھی تھیں اسے سمعان کی جاذب پرسنالٹی اسیر کرتی تھی۔

☆

اگلے ہفتے اس کے بی کام کے پیپرز تھے' اور گھر میں اتنی گہما گہمی تھی کہ دن میں پڑھائی کرنا ناممکن لگتا تھا اور پڑھائی میں بھی اس کا دل کچھ خاص نہیں لگتا تھا' اس لئے وہ مجبوراً رات میں پڑھائی کرتی تھی۔ سیل فون پر میسج ٹون ہوئی' اس نے جمائی لے کر موبائل اٹھایا۔

''میں چھت پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں' ابھی آ جاؤ''۔ اذیان کا میسج پڑھ کر وہ جز بز ہوئی' اضطراب میں وال کلاک دیکھا جو رات کے بارہ بجا رہی تھی' پہلے کبھی اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ کتابیں بند کر کے ایک طرف رکھیں اور دوپٹہ شانوں پر پھیلا کر چھت کی طرف چلی آئی۔

وائٹ سادہ سوٹ میں وہ بہت سادہ اور معصوم لگ رہی تھی۔ چودھویں کے چاند کی نیم مدھم روشنی میں ان دونوں کے چہرے جگمگا رہے تھے' ہر طرف نیم اندھیرا تھا' وہ زینے پر بیٹھا شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا......؟'' وہ خشمگیں لہجے میں بولی' جو بڑے سکون سے بیٹھا تھا' اسے دیکھ کر یہ نہیں لگ رہا تھا کہ کوئی پریشانی کی بات ہو سکتی ہے۔

''ابھی تو کنوارہ ہوں یار......'' وہ منہ پھلا کر بولا' اس کی پوری آنکھیں کھل گئیں' اس کے پوچھنے کا مطلب تو وہ اور ہی

کچھ نکال رہا تھا۔

''تو کرلو شادی......'' وہ آگے بڑھ کر اس کے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھی۔

''پہلے ہمارے بھائی کی ہوگی پھر میری ہوگی' تمہیں اتنی جلدی ہے کیا......؟'' اس نے سر اٹھا کر شرارت سے کہا' حیا کا چہرہ شرم سے جھک گیا چاہ کر بھی اس سے نگاہیں نہ ملا پائی۔

''میں جارہی ہوں''۔ اسے اور کچھ نہیں سوجھا تو کھڑی ہوئی۔

''ارے ایسے کیسے......اوپر چلو''۔ وہ بھی کھڑا ہوا اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اوپر لے آیا وہ منمنائی۔

''ہم کل دن میں بات کریں گے''۔ نظریں آسمان پر مرکوز تھیں اور آواز میں ہچکچاہٹ تھی اذیان سینے پر بازو لپیٹے دل و جان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کچھ دنوں سے تم سے ٹھیک سے بات ہی نہیں ہوپائی' گھر میں اتنی گہما گہمی ہوتی ہے اور آفس میں اتنا سر کھپانا ہوتا ہے کہ مت پوچھو' ایسے میں تمہارے ساتھ کچھ اچھا وقت گزاروں گا تو ساری تھکان دور ہوجائے گی''۔ وہ چھت کے کنارے سے ٹیک لگا کر اس کے برابر کھڑا ہوا۔

''گر لمس نہیں تو لفظ ہی بھیج
میں تجھ سے جدا رہوں کہاں تک''

اس کی نشیلی مدھم آواز حیا کے کانوں میں رس گھول رہی تھی اس کی آواز اور اس کے ایک ایک لفظ میں ایسا جادو تھا جو حیا کی سماعتوں سے گزر کر اس کے دل میں انوکھے جذبات کو خوش آمدید کررہے تھے وہ پلک جھپکنا بھول گئی' اذیان کے لبوں پر ابھی بھی مسکان نمایاں تھی۔ وہ لفظوں کا جادوگر تھا' جب وہ اپنے شوخیاں اور جذبات بھرے لفظوں کا تیر چلاتا تو وہ بہت وقت تک اس کے سحر میں جکڑی رہتی۔

''آج بڑے شوخ ہورہے ہو''۔ وہ چہرے پر شرارت کرتی زلفوں کو کان کے پیچھے دھکیلتے ہوئے آسودگی سے بولی۔

''ایسے ماحول میں کون ظالم شوخ نہیں ہوگا''۔ اس نے دونوں بازو پھیلا کر اوپر دیکھا اس کے پاس ہر سوال کا جواب موجود ہوتا تھا وہ شاید ہی کسی بات پر ہچکچاتا ہو وہ بہت خود اعتماد تھا۔

''سوچ رہا ہوں ہم کل لانگ ڈرائیو پر چلیں''۔ وہ مقابل ہوا۔

''کیوں......اتنی کڑی دھوپ اور گرم موسم میں تمہیں لانگ ڈرائیو کی سوجھ رہی ہے''۔ وہ برے برے منہ بناتی ہوئی بولی۔

''کل بارش ہوگی اور ایسے میں ہم دونوں کا ساتھ ہو تو کیا بات ہے''۔ اس نے سرسری سا نیچے جھانکا' جہاں خاموشی کا راج تھا۔

''کل بارش ہوگی......؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا......؟'' وہ حیران ہی تو ہوئی تھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''نیوز میں دیکھا تھا یار......'' حیا کا ایک ہاتھ چھت کے کنارے پر تھا اذیان نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا' حیا کے اعصاب میں سنسناہٹ ہوئی' اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے الگ کیا' اس حرکت پر وہ ہنس دیا اور وہ خجل سی ہوگئی۔

''تو کیا سوچا......؟'' اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

''کس بارے میں......؟'' وہ یکدم بولی۔

''لانگ ڈرائیو کے لئے''۔ وہ طمانیت سے بولا اور پھر اس کے سراپے کو بغور دیکھ کر دل ہی دل میں اس کی

معصومیت کو سراہا۔

''گھر میں بہت کام ہیں باہر جانے کا ٹائم نکالنا بہت مشکل ہے' ہم ہمیشہ کی طرح گھر میں ہی انجوائے کریں گے''۔ وہ لاپرواہی سے بولی' اذیان نے اس کے بھولے پن پر اپنے سر پر چپت لگائی۔

''ٹائم کیا ہورہا ہے......؟'' اس نے اذیان کی کلائی میں قیمتی واچ پر نظر ڈالی' رات کا ایک بج رہا تھا وہ اچھل پڑی۔

''اچھا اب مجھے چلنا چاہئے''۔ وہ جانے کو مڑی۔

''ابھی ایک ہی تو بجا ہے''۔ اس نے راستہ روکا۔

''رات کا ایک بجنا بہت ہوتا ہے''۔ وہ بول کر اس کے برابر سے گزرتی ہوئی نکل گئی' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر اس کے پیچھے زینہ اترنے لگا۔

☆

اذیان کا کہا سچ ہوا' دوپہر میں آسمان سرمئی بادلوں کی لپیٹ میں آگیا' ٹھنڈا موسم دل کو بہت بھا رہا تھا' شدید گرمی نے تو نڈھال کردیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے دھواں دار بارش شروع ہوگئی وہ سب چھت پر چلے آئے' اس بار فرحان ملک اور رخشندہ بھی آئے تھے' زرین پکوڑے بنانے کی تیاری کررہی تھیں' علی اور زارا بھی خوب مستیاں کررہے تھے۔

''ارے تم کہاں جارہی ہو......؟'' حیا کو واپس جاتا دیکھ کر اذیان نے پوچھا۔

''ٹھنڈ لگ جائے گی''۔ اذیان کو دیکھے بغیر اس نے مختصر جواب دیا۔ اصل میں اسے سمعان کے سامنے ہچکچاہٹ ہورہی تھی' اسے ڈر بھی لگ رہا تھا' سمعان کے صبح والے رویہ نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔

وہ اس کی شخصیت سے بہت متاثر تھی۔ وہ کچن میں تھی جب اس کے پیچھے ہلکے پھلکے موڈ میں سمعان بھی چلا آیا' حیا کو بہت خوشی ہورہی تھی۔

''تم پر کاجل بہت اچھا لگ رہا ہے''۔ فریج سے پانی کی بوتل نکال کر اس نے حیا کو مخاطب کیا' وہ سنک میں رکھے چائے کے برتن دھو رہی تھی وہ چونکی' اتنی گہری بات سمعان کے منہ سے اسے کچھ عجیب لگی اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''روشنی پر بھی کاجل بہت سوٹ کرتا تھا' وہ تو گھر سے کاجل لگائے بنا قدم بھی نہیں رکھتی تھی''۔ ایکدم اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی' بوتل سے پانی نکال کر گلاس میں انڈیلا۔

''روشنی......'' خوشی اور حیرانگی کے ملے جلے تاثرات سے اس نے نام دہرایا۔ وہ یہ ہی سوچ رہی تھی کہ یہ نام شاید اس کی محبت کا ہو' سمعان کا چہرہ یک لخت فق پڑ گیا' مسکراہٹ یکدم غائب ہوگئی' اس نے بغور حیا کو دیکھا' پھر بنا کچھ بولے پانی کا گلاس لبوں سے لگالیا' اس کی آنکھوں میں ہلکی سرخی در آئی' حیا ابھی تک اس کے جواب کی منتظر تھی جواب نہ پاکر وہ دوبارہ بولی۔

''روشنی کون ہے سمعان بھائی......؟'' اس کے بے نیاز استفسار پر سمعان نے اسے طیش میں گھورا' گلاس زور سے ٹیبل پر پٹخا' وہ اچانک اس ہونے والی واردات پر گنگ ہوئی' اس کے ماتھے پر بل پڑے وہ شیر کی تیزی سے اس کی طرف لپکا وہ سہم گئی۔

''دوبارہ کبھی اس کے بارے میں مت پوچھنا اور اگر دوبارہ مجھے بھائی کہا تو تمہاری جان نکال لوں گا''۔ اس نے وارننگ دی اس کی سانسیں تیزی سے چل رہی تھیں حیا کی آنکھیں پھیل گئیں وہ اپنی جگہ ساکت تھی ذہن میں ہزاروں سوال گردش کرنے لگے جن کے جواب تلاش کرنا فی الوقت مشکل تھا۔ بارش کی بوندیں اس پر تیزی سے برس رہی تھیں۔

"تم کہیں نہیں جاؤ گی"۔ سمعان نے اس کا راستہ روکا اور کلائی سے پکڑ کر سب کے درمیان لایا' حیا کو یہ ناگوار گزرا' وہ سب کے سامنے گلٹی بھی فیل کر رہی تھی۔ اس نے بے بسی سے اذیان کو دیکھا اس نے آنکھوں کے اشارے سے اسے ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور نا چاہتے ہوئے بھی وہ بے دلی سے وہاں رکی رہی' بارش میں کمی آئی تھی اور پھر دھیرے دھیرے بارش بند ہوئی تو وہ سب چینج کر کے لان میں چلے آئے۔ زرین نے مزیدار پکوڑے اور املی اور پودینے کی چٹنی پیش کی' سب نے لوازمات کے ساتھ خوب انصاف کیا' وہ سب چیئرز پر بیٹھے ایک دوسرے کے ساتھ محو گفتگو تھے۔

بھیگے بھیگے ماحول سے سب ہی لطف اندوز ہو رہے تھے مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو نتھنوں سے گزر کر پورے جسم کو سرائیت بخش رہی تھی۔ سمعان ملک کی نظریں ہنوز حیا پر مرکوز تھیں۔ حیا نے تو شاید نہیں بلکہ اذیان نے یہ بہت فیل کیا' وہ نظر انداز کر رہا تھا' یہ سوچ کر سمعان جس ماحول میں رہا ہے وہاں لڑکیوں کو دیکھنا ان کا ہاتھ پکڑنا' ساتھ گھومنا پھرنا ایک عام سی بات ہے' لیکن اذیان اس بات سے بھی واقف تھا کہ سمعان ہر لڑکی میں دلچسپی لینے والوں میں سے نہیں تھا۔ اذیان اپنے دل میں آئے خدشات کو پیچھے دھکیلتا رہا اور کچھ اپنی سوچ پر شرمندگی بھی ہوئی کہ وہ اپنے بھائی کے بارے میں کتنا غلط سوچ رہا ہے۔

☆

رات کو شہروز بھی سمعان سے ملنے چلا آیا' سمعان اس سے بہت اچھے طریقے سے ملا' وہ دونوں باتیں کر رہے تھے اور اذیان ڈائری کھولے جانے کیا لکھ رہا تھا' ایک لمحے کے لئے سمعان کے دل میں خواہش اٹھی کہ وہ اس کی ڈائری پڑھے اس خواہش کو اس نے ظاہر نہیں کیا وہ خود بھی کسی زمانے میں اسی طرح ڈائری لکھا کرتا تھا اس کے ہر لفظ ہر انداز میں روشنی کا ہی ذکر ہوتا تھا۔

"اذیان! ڈائری مت لکھا کرو مجھے جلن ہوتی ہے"۔ بظاہر وہ ہنس کر بولا۔

"آپ بھی تو لکھتے تھے اب نہیں لکھتے کیا......؟" اذیان نے ڈائری بند کر کے پوری توجہ کے ساتھ پوچھا۔

"ہم م م م...... اب چھوڑ دی ہے' اب کچھ ہے ہی نہیں لکھنے کو......" ان کی گرین آنکھوں میں کچھ تو تھا جو اذیان کو بے قرار کر گیا' اس نے پہلو بدلہ اور دوبارہ شہروز سے مخاطب ہو گئے' اذیان کا ذہن کچھ الجھ گیا تھوڑی دیر بعد وہ چلے گئے' اس رات شہروز کے سامنے عزت افزائی ہو جانے پر اسے ندامت ہو رہی تھی' سمعان کے جانے کے بعد وہ خاموش رہا۔

"آج میرا یار اتنا خاموش کیوں بیٹھا ہے......؟" اس نے بے نیازی سے اذیان کے کندھے پر ہاتھ دھر کر پوچھا۔

"کچھ نہیں یار! اس رات حیا نے تمہارے سامنے بدتمیزی کی تھی' تم کیا سوچ رہے ہو گے......؟" اس نے شہروز کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

"میں کیا کوئی غیر ہوں' مجھے تو وہ یاد بھی نہیں ہے' تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے"۔ وہ اس کا مخلص دوست ...ازی سے بولا' اذیان نے بے اختیار اس کے بال بکھیر دیئے۔ شہروز نے پاکٹ سے دو سگریٹ نکال کر اذیان کو پینے کی ...ش کش کی۔

"میں نے سگریٹ کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا"۔ منع کرنے کے باوجود شہروز نے اسے تھما دی۔

حیا لہراتی ہوئی کمرے میں آئی دونوں کے ہاتھ میں سگریٹ دیکھ کر اچھل پڑی۔

اذیان پر اسے بہت غصہ آ رہا تھا اور وہ صفائیاں پیش کرتا رہا کہ آئندہ نہیں پیئے گا اور کسی کی بھی باتوں میں نہیں آئے حیا کو اسموکنگ سے سخت نفرت تھی وہ گرجتی ہوئی باہر نکل گئی۔

☆

سمعان پہلی بار اس کے روم میں داخل ہوا' پہلے پورے روم کا اچھی طرح جائزہ لیا' ہر چیز اپنی جگہ پر سلیقے سے رکھی ہوئی تھی۔ سامنے والی دیوار پر کشادہ فریم کو سمعان نے بہت توجہ سے دیکھا' وہ اس تصویر میں بہت کیوٹ اور معصوم لگ رہی تھی وہ تصویر کافی عرصہ پرانی تھی۔ کتاب پر جھکا سر اس نے اٹھا کر دیکھا' سمعان کو دیکھ کر وہ جز بز ہوئی دوپٹہ شانوں پر پھیلا کر وہ بیڈ سے نیچے اتری۔

"کیسی ہو......؟" وہ خوش اسلوبی سے بولا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں"۔ اس نے بھائی کہنے سے گریز کیا' وہ جواب میں مسکرایا' حیا کی نظریں زمین پر تھیں۔

"ہم دونوں آج باہر ڈنر کرنے جا رہے ہیں"۔ وہ مطلب کی بات پر آیا اس نے گھنیری پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا' بلیو ٹو پیس میں ملبوس اس کی شخصیت اور اجاگر ہو رہی تھی۔

"لیکن میں نہیں جا سکتی"۔ اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"لیکن کیوں......؟" اس نے لب بھینچ کر استفسار کیا' اس کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔

"دو دن بعد میرے پیپرز ہیں اور بہت پڑھائی کرنی ہے ابھی بھی پڑھ رہی تھی"۔ اس نے بیڈ پر پھیلی بکس کی طرف دیکھا۔

"مجھے انکار سننے کی عادت نہیں ہے سمجھیں تم......" اس کا لہجہ عجیب تھا آنکھوں میں سرخی در آئی وہ چلایا' اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے اس کی پلکیں جھکیں وہ زمین پر بے وجہ ٹھوکر مارتے ہوئے واپس مڑ گیا اور تیزی سے جا کر اپنے روم میں گھس گیا۔

روم کے باہر کھڑی رخشندہ گنگ رہ گئیں' وہ سمعان کو بلانے آئی تھیں۔ سمعان کا روم حیا کے روم کے عین سامنے تھا سمعان کو حیا کے روم میں جاتا دیکھ کر اسی طرف چلی آئیں ان دونوں کی گفتگو سن کر وہ دروازے کے باہر ہی ٹھہر گئیں' سمعان کے روم سے توڑ پھوڑ کی بے شمار آوازیں آ رہی تھیں ان کا دل دہل گیا' وہ پچھلے کچھ دنوں سے خوش فہمیوں میں مبتلا ہو گئی تھیں لیکن وہ ابھی تک نہیں بدلہ تھا وہ ویسا ہی تھا انہوں نے دل پر ہاتھ رکھا اور زار و قطار رو پڑیں۔

☆

وہ سب شاپنگ کے لئے چلے گئے تھے اس دن حیا کا پہلا پیپر تھا' وہ یونیورسٹی سے تھکی ہوئی آئی اور بیڈ پر لیٹتے ہی نیند مہربان ہو گئی' پانچ بجے آنکھ کھلی' وہ خود کو فریش محسوس کر رہی تھی' نواش روم سے ہو کر وہ کچن میں چلی آئی' بھوک اور یونیورسٹی سے دماغ کھپانے کے بعد وہ نڈھال ہو رہی تھی' فریج سے کوفتوں کا سالن نکال کر گرم کیا اور ہاٹ پاٹ سے گرم روٹی نکال کر وہیں کھانے لگی' کھانا کھا کر برتن سنک میں رکھ کر وہ کچن سے باہر نکلی۔ کچن سے باہر ڈائننگ ٹیبل پر وہ بیٹھا اس کا منتظر تھا' گلاس لبوں سے لگائے نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں وہ اسے دیکھا ان دیکھا کر کے آگے بڑھی۔

"حیا"۔ وہ متفکر ہوا۔

"میں تم سے خفا ہوں اس سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے"۔

"بہت فرق پڑتا ہے تمہیں خفا اور اداس دیکھ کر میرا دل جلتا ہے' اور الٹا تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے تم اس بات کو لے کر بیٹھ گئی ہو میں تمہاری غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں"۔ اس کا لہجہ نرم اور افسردہ تھا حیا کو اس پر ترس آ... وہ جھوٹا نہیں تھا' وہ سچ بول رہا تھا اس کے لہجے اور اس کی آنکھوں میں سچ واضح تھا وہ بغیر کچھ کہے مڑی اس پل اذیان کو شدید ... گلاس کو دائیں ہاتھ سے پوری قوت سے دے مارا جس کے نتیجے میں گلاس زوردار آواز کے ساتھ ٹوٹا اور ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا حیا کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے' وہ دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی' وہ ٹس سے مس نہ ہوا' خون اس کے ہاتھ سے

بہہ کر ٹیبل پر گر رہا تھا حیا سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

"اذیان! تمہارے ہاتھ سے خون بہہ رہا ہے"۔ وہ اس کے کندھے کو جھنجھوڑ کر احساس دلا رہی تھی۔

"تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے حیا!" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔ وہ بے قرار ہوئی۔

"مجھے فرق پڑتا ہے"۔ وہ روہانسی ہوئی' اذیان کو اس پر بے اختیار پیار آیا لان کے اورنج سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی جس پر بڑے بڑے رنگین پھولوں کا پرنٹ تھا وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوگئی تھی میں نے کبھی اسموکنگ نہیں کی اور دوبارہ کبھی بھی ہاتھ تک نہیں لگاؤں گا میں سب کچھ سہہ سکتا ہوں مگر تمہاری ناراضگی و خفگی نہیں"۔ وہ بے حد سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا' وہ خاموش کھڑی اسے دیکھ رہی تھی' وہ اس کے مقابل تھا' اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"تمہارے ہاتھ پر چوٹ لگی ہے"۔ اس کا دھیان ابھی بھی اس کے ہاتھ پر تھا۔

"اب تو تمہیں یقین آ گیا نا کہ میں تمہارے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں اور یہ چوٹ تو کچھ بھی نہیں' تمہارے لئے جان بھی دے سکتا ہوں"۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر جذباتوں سے پر لہجے میں گویا ہوا وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"پلیز رو مت تمہارے آنسو تکلیف دیتے ہیں"۔ اس نے بائیں ہاتھ سے اس کے آنسو صاف کئے' وہ روتے میں ہنس دی۔

"میں فرسٹ ایڈ باکس لاتی ہوں"۔ وہ مڑی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے میں کلینک چلا جاؤں گا"۔

"اب اعتراف کر بھی لو"۔ وہ خود جھکا۔

"کس چیز کا......؟" اس کا چہرہ سرخ ہوا وہ نروس ہو رہی تھی اور ان دنوں تو وہ اپنی معنی خیز نگاہوں اور شوخیوں سے اسے کنفیوژ کر دیتا تھا۔

"کہ تم نے میری بات پر یقین کیا"۔ اس نے کندھے اچکائے۔

"اوہ...... مجھے یقین تو پہلے ہی آ گیا تھا میں تمہیں زرا تنگ کر رہی تھی"۔ اس نے لہجے میں لاپروائی دکھائی' اذیان کی پوری آنکھیں کھل گئیں۔

"میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں"۔ اس نے دائیں ہاتھ سے اسے چپت لگائی اور تکلیف پر کراہ کر رہ گیا۔

"ویسے تم کس بات کا اعتراف سمجھی تھیں......؟" اس کا لفظ ابھی تک وہاں اٹکا ہوا تھا' سرگوشی میں پوچھا۔

"کسی چیز کا نہیں' پلیز باقی باتیں بعد میں' ابھی کلینک جاؤ پلیز' دیکھو ہاتھ سے ابھی بھی خون بہہ رہا ہے' کیا تم الٹے سیدھے کام کرتے رہتے ہو' تم کیا سمجھتے ہو' مجھے تمہاری تکلیف سے خوشی ملے گی"۔ وہ ایک ہی سانس میں بولے گئی حیا سے تو اس کا ہاتھ دیکھنا محال ہو رہا تھا اور ایسے میں بھی اذیان کو شوخیوں کی سوجھی تھی۔

"اوکے تھینکس چلتا ہوں اور گھر میں کسی کو بھی میری چوٹ کی یہ وجہ مت بتانا"۔ وہ اس کے چہرے پر جھک کر بولا حیا نے اثبات میں سر ہلایا وہ چلا گیا۔

☆

"ہاں یہ سچ ہے کہ میں حیا سے شادی کرنا چاہتا ہوں وہ بھی ایک ماہ کے بعد"۔ سمعان نے اپنی بات دوبارہ دہرائی۔ حیا کا چہرہ زرد پڑ گیا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسا ری ایکٹ کرے۔ اذیان کی حالت بھی اسے جدا نہیں تھی سب کچھ ان کے برعکس ہو رہا تھا ایک پل کے لئے حیا اور اذیان کی نظریں ٹکرائیں اذیان نے نظریں جھکا لیں۔

"مجھے بہت خوشی ہے کہ تم نے ام حیا کو پسند کیا لیکن ایک ماہ میں شادی کیسے ممکن ہے"۔ فرحان ملک خوشی کے ساتھ پریشان بھی ہوئے۔

"اگر کیا جائے تو ہر کام ممکن ہے اور مجھے ٹھیک ایک ماہ بعد بابا کا بزنس بھی سنبھالنا ہے اور میں حیا کو ہمیشہ کے لئے اپنا بنا کر اسلام آباد لے جانا چاہتا ہوں"۔ سمعان نے اپنی بات مکمل کی' حیا کا دل اچھل کر حلق میں پھنس گیا' اسلام آباد کا نام سن کر ہی وہ اپنوں سے اتنا دور وہ بھی سمعان کے ساتھ کیسے جا سکتی تھی......؟ یہ سوچ کر ہی اسے چکر آ رہے تھے اور اذیان سے علیحدگی الگ ستا رہی تھی۔

رخشندہ کے دور کے چچا جن کے ہاں سمعان کی پرورش ہوئی ان کا اپنا اسلام آباد میں بزنس تھا' سمعان نے جب انہیں مستقل پاکستان رہنے کا بتایا وہ اس کے مستقل چلے جانے پر وہ اداس تو ہوئے مگر پھر اسے اپنا بزنس سنبھالنے کا کہا یوں سمعان کو بھی مصروفیت مل گئی' ان کا اپنا اسلام آباد میں وسیع و عریض اور خوبصورت گھر تھا۔

وہ پاکستان کچھ دن رہنے آیا تھا اور پھر حیا سے ملنے کے بعد اس نے لندن جانے کا فیصلہ ترک کر دیا اور فیصلہ کر لیا کہ وہ حیا سے شادی کر کے اسلام آباد شفٹ ہو جائے گا' رخشندہ تو اس بات سے ہی بہت خوش تھیں کہ ان کا بیٹا واپس نہیں جا رہا۔

"یہ فیصلہ کرنے کا حق زرین کو ہے حیا اس کی بیٹی ہے"۔ فرحان ملک نے عقب میں کھڑی زرین پر فیصلہ چھوڑا' حیا نے امید بھری نگاہوں سے ماں کو دیکھا' جی چاہ رہا تھا اپنی ماں سے لپٹ کر انہیں انکار کر دے' اس کے لب سل گئے۔

"مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ سمعان نے میری بیٹی کا انتخاب کیا مجھے میری بیٹی کی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا' میں بہت خوش ہوں اور بھیا! آپ حیا کے پاپا ہیں' اس کی زندگی کا ہر فیصلہ کرنے کا پہلا حق آپ کا ہے"۔ وہ سدا کی سادہ عورت اپنی بیٹی کی آنکھوں میں جھانک ہی نہ پائیں حیا نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

رخشندہ نے اذیان کی طرف دیکھا جو گم صم تھا وہ اس کے حال دل سے بھی واقف تھیں چونکہ اذیان نے بھی اپنے دلی جذبات کا اظہار نہیں کیا تھا' اس کی آنکھیں ہر بات بیان کر جاتی تھیں اس وقت انہیں وہ ہی کرنا تھا جو بہتر تھا۔

"ٹھیک ہے تو کل سے تیاریاں شروع کرتے ہیں"۔ فرحان ملک آسودگی سے بولے' حیا تیزی سے وہاں سے چلی گئی جسے سب نے شرمانے کا نام دیا اذیان سب کے درمیان زبردستی مسکرانے اور خوش ہونے کی کوشش کر رہا تھا مبادا پیار چھن جانے پر اس کے جذبات عیاں نہ ہو جائیں۔

☆

اگلے روز سے تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ حیا کسی چیز میں دلچسپی نہیں لے رہی تھی پیپرز بھی بے دلی سے دے رہی تھی اس نے تھوڑا احتجاج کیا پھر خاموش ہو گئی۔ فرحان ملک اور رخشندہ کے ان پر بہت احسان تھے' وہ ان کا بھروسہ توڑنا نہیں چاہتی تھی' وہ ان کے خوشی سے کھلے چہرے مرجھا نہیں سکتی تھی۔ اذیان بھی ہر کام میں ان کے ساتھ پیش پیش رہا۔ وہ اس بارے میں اذیان سے بات کرنا چاہتی تھی گھر کا ماحول ایسا ہو گیا تھا وہ اسے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔

شازمہ بھی اپنے گھر چلی گئی اور شادی سے دو دن پہلے آنے کا پروگرام بنایا۔

وہ رات کو اس کے روم میں چلی آئی' وہ کمپیوٹر کے آگے بیٹھا کسی کام میں مصروف تھا' اس کی آمد پر چونکا حیرانگی بھی ہوئی مسکرا کر دیکھا۔

"کیا تم اس شادی سے خوش ہو......؟" اس نے مشکوک نگاہوں سے اس سنگدل کو دیکھا جس کی آواز میں کھنک تو تھی مگر آنکھوں میں وہ چمک نہیں تھی آنکھوں میں ویرانی تھی۔

"کیسے خوش نہیں ہوں میرے جگری بھائی اور بیسٹ فرینڈ کی شادی ہو رہی ہے مجھ سے بڑھ کر بھلا کسے خوشی ہو سکتی

ہے"۔ وہ بایاں ہاتھ پینٹ کی پاکٹ میں ڈالے سنجیدہ کھڑا تھا اس کے افسردہ چہرے سے نگاہیں چرائیں آنکھیں سرخ تھیں جو اس کے بہت رونے کی عکاسی کررہی تھیں۔

"کیوں جھوٹ بول رہے ہو......؟" وہ سلگ اٹھی' اس کا جی چاہ رہا تھا اذیان پر چیخے چلائے' اس سے ہر بات کا جواب مانگے جو یوں ہر بات سے منہ موڑے کھڑا تھا۔

"میں جھوٹ کیوں بولوں گا"۔ اس نے نظروں کا زاویہ بدلا اور دوبارہ کمپیوٹر پر جھکا کی بورڈ پر یوں ہی انگلیاں چلانے لگا۔

"میں تم سے پیار کرتی ہوں' بے حد کرتی ہوں' یہ احساس اب شدت سے ہورہا ہے' میں سمعان سے شادی کیسے کرلوں......؟ اور تم......تم بھی تو مجھے چاہتے ہونا......؟" وہ بے چارگی سے بولی۔ اس انکشاف پر اذیان ساکت ہوا' زمین نے پاؤں جکڑ لئے۔ ششدر سا اسے دیکھ رہا تھا' اس کی آنکھوں سے بے شمار نم موتی بہہ کر اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے' اسے بہت تکلیف ہورہی تھی۔

"کچھ تو بولو اذیان......؟ سب سمجھتے ہوئے بھی انجان کیوں ہو......؟ یہ پوری زندگی کا سوال ہے پلیز کچھ کرو"۔ وہ اس کا کالر پکڑ کر جھنجھوڑ رہی تھی وہ بت بنا اسے سن رہا تھا۔

"کچھ تو بولو"۔ وہ چلائی' ماتھے پر بال بکھرے ہوئے تھے' چہرہ بھیگا ہوا تھا۔

"حیا! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے' میں تمہیں نہیں چاہتا اور میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ تم میرے لئے ایسی فیلنگز رکھتی ہو' تم بہت پیاری ہو' اور بہت خوش قسمت بھی کہ تمہیں بھائی جیسا ہمسفر مل رہا ہے' میں تو ان کے سامنے کچھ نہیں ہوں اور مجھے بہت افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑ رہا ہے کہ میں تمہاری شادی میں بھی شامل نہیں ہوسکوں گا' کیونکہ مجھے آفس کی طرف سے دو دنوں بعد نیو یارک جانا پڑ رہا ہے"۔ اس نے بہت مشکل سے یہ لفظ ادا کئے' اتنے انکشاف پر وہ دم بخود رہ گئی' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم ایسے کیسے جاسکتے ہو......؟" کالر پر اس کے ہاتھ ڈھیلے ہوئے۔

"مجبوری ہے' اتنی اچھی جاب ہے' چھوڑ بھی نہیں سکتا' مجھے خود بہت افسوس ہے"۔ وہ رخ موڑ کر گویا ہوا اسے دل پر جبر کرنا مشکل ہورہا تھا وہ ناچاہتے ہوئے بھی اسے بہت تکلیف دے رہا تھا' اگر وہ پہلے اس طرح اظہار کرتی تو اس کے لئے وہ دن زندگی کا سب سے خوبصورت اور یادگار رہتا' حالات ایسے پیدا ہوگئے تھے کہ وہ خوشی منا ہی نہیں سکا۔

"جاب چھوڑ دو' پاپا کا بھی تو اتنا بڑا بزنس ہے تم ان کے ساتھ آفس جوائن کرلینا"۔ وہ رخساروں سے آنسو رگڑ کر اب اسے فورس کررہی تھی' وہ اذیان سے دوری کسی قیمت نہیں چاہتی تھی۔

"یہ سب اتنا آسان نہیں"۔

"اذیان! تم چاہو تو سب کچھ ٹھیک ہوسکتا ہے' میں زندگی گزارنا نہیں جینا چاہتی ہوں میں ساری زندگی سمعان کے ساتھ کمپرومائز ہی کرتی رہوں گی"۔

"تمہیں کمپرومائز کی ضرورت نہیں پڑے گی بھائی بہت اچھے ہیں وہ تمہارا بہت خیال رکھیں گے"۔ اس نے نرمی سے سمجھایا۔

"اذیان......"

"خود کو سنبھالو حیا! اب تمہیں یہاں سے جانا چاہئے تمہارا یہاں اتنی رات کو ٹھہرنا مناسب نہیں ہے"۔ وہ اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ کر اپنائیت سے بولا' جیسے اس نے حیا کا دل مٹھی میں لے کر مسل ہو' وہ اور کچھ بولنے کی حالت میں نہیں تھی روتی ہوئی منظر سے ہٹ گئی۔ اذیان کی جھیل سی آنکھیں نم ہوئیں' اتنی اذیت اسے زندگی میں پہلی بار ہوئی تھی' گھر والوں

کو نیو یارک کے لئے راضی کرنا بہت مشکل تھا لیکن وہ حیا کو اپنی آنکھوں کے آگے کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب آفس میں سنا کہ کسی کو پراجیکٹ کے لئے چھ دنوں بعد نیو یارک بھیجا جارہا ہے اس نے اپنے نیو یارک جانے کی خواہش ظاہر کی وہ اتنا قابل تو تھا کہ اس کی بات ٹالی نہیں جاسکتی تھی' گھر والوں کو جیسے تیسے راضی کرلیا سمعان اسے شکوے کررہا تھا رخشندہ افسردہ ہوگئی تھی وہ اس کے یہاں سے چلے جانے کی وجہ بھی اچھی طرح جانتی تھی مگر وہ بے بس تھیں۔

اسے ایئرپورٹ چھوڑنے بھی سمعان گیا تھا' حیا نے دھندلی آنکھوں سے اسے نظر بھر کر دیکھا جواب میں وہ ہاتھ ہلاتا ہوا مسکرایا۔

آنے والے دن اس نے کیسے گزارے یہ صرف وہ ہی جانتی تھی۔ دن گزرنے میں دیر کہاں لگتی ہے اس کے ہاتھوں پر سمعان ملک کے نام کی مہندی رچائی گئی' اگلے روز نکاح کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے سمعان ملک کی ہوگئی۔

☆

اذیان' سمعان کو سہارا دے کر اندر لا رہا تھا' حیا کو سمعان کی حالت پر دکھ ہورہا تھا' اس کے گھر آنے پر خوشی بھی ہورہی تھی' کچھ بھی ہو آخر وہ اس کا شوہر تھا۔ سمعان لڑکھڑاتا ہوا چاروں طرف محویت سے دیکھ رہا تھا' اذیان' حیا کو دیکھ کر فاتحانہ مسکرایا' وہ جانتی تھی کہ وہ اس پر جتا رہا تھا کہ وہ حقیقت سے آگاہ نہیں۔ وہ سمعان کو اپنے روم میں لے آیا' اسے کھانا کھلا کر سلایا کچھ دیر بعد باہر چلا آیا وہ اسی کی منتظر تھی۔

"سمعان کو دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ وہ گھر واپس آگئے"۔ اذیان نے اسے ناقدانہ دیکھا۔

"تم ہی تو انہیں اس حالت تک پہنچانے والی ہو"۔ وہ طنزیہ بولا حیا کا اس کی ایسی طنزیہ باتوں پر دل دکھتا تھا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا' سر اٹھا کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"وہ ایک ایسے اسپتال میں تھے جہاں مریضوں کا خیال تک نہیں رکھا جاتا تھا ان سے کھانے پینے کا پوچھا نہیں جاتا' تم نے بھائی کی حالت دیکھی' وہ ایک نوجوان نہیں بلکہ ایک ساٹھ ستر سالہ بوڑھا آدمی لگ رہے ہیں ان کے چہرے پر کھروچیں ہیں مجھ سے ان کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی"۔ اس کا چہرہ اور لہجہ دونوں سپاٹ تھے' بالوں میں ہاتھ پھیر کر وہ دوبارہ گویا ہوا۔

"میں کل ہی بھائی کو اسپیشل ہاسپٹل لے جاؤں گا اور کسی اچھے ڈاکٹر سے ان کی ٹریٹمنٹ کرواؤں گا وہ بہت جلد ٹھیک ہوجائیں گے"۔ وہ پرامید تھا' وہ اس کے تھکے وجود کو اضطراب سے دیکھ رہی تھی' اس نے سمعان کو ڈھونڈنے میں دن رات ایک کردیئے تھے۔ گوری رنگت پر بڑھی ہوئی شیو' جھیل سی آنکھوں میں وہ فکر اور اداسی اور سب سے بڑی خاصیت مسکراتے ہوئے دائیں گال پر ڈمپل' جس میں اب وہ خاصیت محسوس نہیں ہورہی تھی کیونکہ اس کی مسکراہٹ ہی اب پہلے جیسے جاندار اور شوخیاں نہیں تھی جب بھی مسکراتا تو محض طنزیہ۔

"کل ڈاکٹر کے پاس سے آنے کے بعد مجھے ضرور بتانا کہ ڈاکٹر نے کیا کہا"۔ اس کی آواز دھیمی تھی وہ اس سے لاتعلق کھڑا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ڈاکٹر چیک اپ کے بعد اذیان کو سمعان کی حقیقت بتادیں گے وہ اپنی بات بول کر رکی نہیں۔ سمعان جب سے آیا تھا خاموشی پی رہا تھا کسی کسی وقت چلانے لگتا اور جو چیز ہاتھ لگتی اسے توڑتا' اسے قابو کرنا مشکل ہوجاتا' اس کے باوجود اذیان اس کا دل و جان سے خیال رکھ رہا تھا' کبھی کبھی وہ اذیان کو زہریلی نگاہوں سے دیکھتا' اس کی آنکھوں کی تپش اذیان نے محسوس نہیں کی۔ وہ جس بزنس کو سنبھالنے آیا تھا اس میں ہنوز نقصان ہورہا تھا' اس لئے چچا نے دوبارہ وہ کسی اور کے حوالے کردیا۔

دوسرے دن تقریباً بارہ بجے وہ سمعان کو ہاسپٹل لے گیا ایک گھنٹے کے اندر واپس بھی آگیا' پورا دن وہ خاموش رہا ڈاکٹر کی کہی باتوں پر یقین نہیں آرہا تھا' خود کے حیا کے ساتھ رویئے پر شرمندگی ہورہی تھی۔

نیم تاریکی میں وہ لان میں چیئر پر بیٹھا سوچوں میں غلطاں تھا' ٹھنڈی ہوائیں بھی اس میں کوئی جنبش نہیں کر رہی تھیں۔ وہ بلیک شال اپنے گرد لپیٹے اس کے عین سامنے چیئر پر بیٹھی' وہ سر دونوں ہاتھوں میں دیئے ہوا تھا اسے سرسری دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں۔

''کیا بات ہے' بہت خاموش ہو گئے ہو ڈاکٹر نے کیا کہا......؟'' اس نے پرسوچ انداز میں پوچھا۔

''ڈاکٹر نے یہ کہا کہ بھائی بچپن سے ہی نفسیاتی مریض ہیں انہیں وہم کی بیماری لاحق ہے''۔ اس نے گہرے دکھ سے بتایا اسے بتانا بھی دشوار ہو رہا تھا چند پل خاموش رہا۔ حیا کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں آئے۔

''مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے تمہیں بہت برا بھلا کہا میں بھائی کی حالت کا ذمہ دار تمہیں ٹھہرا رہا تھا' میں سمجھ رہا تھا کہ بھائی کسی بات کو لے کر پریشان ہوں گے ڈپریشن زیادہ ہو گا' آپس میں کچھ لڑائی ہوئی ہو گی اور اپنوں نے تم پر غصہ کیا ہو گا جو تمہیں برا لگا۔ کچھ تم ان کے ساتھ شادی کرنے پر بھی راضی نہیں تھیں اور تم نے بنا سوچے سمجھے انہیں ہاسپٹل بھیج دیا''۔ اس نے سانس لی اور پھر گویا ہوا۔

''اور وہ ایسے ماحول اور غلط دوائیوں کے زیر اثر ایسے ہو گئے ہیں''۔ اس نے اپنی غلطی کی تلافی کی' اسے اداس دیکھ کر حیا کو بھی ٹھیس پہنچ رہی تھی۔

''ڈاکٹر نے کہا کہ بھائی کو ٹریٹمنٹ کے لئے ہاسپٹل میں رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے لیکن میں نے انکار کر دیا' میں انہیں دوسروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا میں کل سے ہی ان کی ٹریٹمنٹ شروع کروا رہا ہوں''۔ وہ خاموش تھی وہ آہستہ آہستہ بتاتا جا رہا تھا' وہ خود چاہتا تھا کہ حیا اس سے بات کرے تاکہ وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکے۔

''بھائی بچپن سے ہی نفسیاتی مریض ہیں وہ وہمی ہیں پر یہ بات گھر میں کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکی' ایسا کیسے ہو سکتا ہے......؟ یا سب کو معلوم تھی' میں ہی بے خبر تھا''۔ اس کے ذہن میں ڈھیروں سوال تھے اس پر اتنا بڑا انکشاف جو ہوا تھا' پورا دن سوچ سوچ کر سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

''یہ بات صرف مامی کو معلوم تھی اور وہ ایک ماں ہیں وہ چاہتی تھیں کہ یہ بات کسی کو معلوم نہ ہو' اگر یہ دوسروں کو معلوم ہو بھی جاتی تو سمعان کی طبیعت پر گہرا اثر ہوتا اور اس کی حالت اور بھی بگڑ سکتی تھی' لوگ جانے انہیں کیسی نظروں سے دیکھیں گے وہ بچپن سے ہی بہت غصے والے تھے کسی کے پاس خود سے بہتر چیز دیکھ لیتے تو انہیں جلن ہوتی انہیں احساس کمتری ہو جاتی' حالانکہ انہیں کسی چیز کی کمی نہیں تھی' اسکول میں بچوں سے بلاوجہ لڑنا' غصے میں آکر بچوں کو بری طرح پیٹنا' اسکول سے شکایتیں آتیں اور وہم کی ایسی بیماری ہوتی ہے کہ انسان یہ تو جانتا ہے کہ جو ہم کر رہے ہیں وہ غلط ہے مگر پھر بھی وہ کرتا ہے وہم کی بیماری خدا کسی دشمن کو بھی نہ دے اگر ایسی بیماری میں کوئی چیز ذہن میں بیٹھ جائے تو ختم نہیں ہوتی اور وہم کا دنیا میں شاید ہی کہیں علاج ہو۔ سمعان کو یہاں کے ماحول سے اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ مامی بہت پریشان تھیں انہوں نے پاپا تک سے اس بات کا ذکر بھی نہیں کیا اور پاپا کو بھی کبھی اپنے کاروبار سے فرصت نہیں ملی کہ وہ کبھی اس بات پر دھیان دیتے۔ جب سمعان کو معلوم ہوا کہ مامی کے چچا لندن میں رہتے ہیں تو لندن جانے کے لئے بضد ہو گئے مامی نے بھی سوچا کہ اگر وہ وہاں چلا گیا تو اس کی حالت میں سدھار آ سکتا ہے' وہاں تو ڈاکٹرز بھی بہت اچھے ہوں گے' اگر اس کا علاج ہو تو وہ شاید ٹھیک ہو جائیں' انہیں لالچ ہوا اور انہوں نے اپنے چچا چچی کو سمعان کے بارے میں سب خبر کر دی' وہ بے اولاد تھے' سمعان کے آنے کا سن کر بہت خوش ہوئے' مامی نے دل پر پتھر رکھ کر آٹھ سالہ سمعان کو خود سے دور بھیج دیا۔ پاپا نے مامی کو خوب سمجھایا انہوں نے ان کی بھی نہیں مانی' بخش اس لئے ان کے بیٹے کا مستقبل سنور جائے''۔ اذیان چپ چاپ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آرہا تھا اس نے یونہی آسمان کو کھوجا۔ ٹھنڈ سے اس کی ناک سرخ ہو گئی

تھی وہ پھر گویا ہوئی۔

''وہاں ان کی باقاعدگی سے ٹریٹمنٹ ہو رہی تھی اور جب وہ اٹھارہ برس کے ہوئے اسے کالج میں ایک لڑکی سے پیار ہو گیا' جس کا نام روشنی تھا وہ روشنی کے ساتھ بہت خوش تھے وہ بھی سمعان کو پسند کرتی تھی' سمعان روز چچا چچی سے روشنی کا ذکر کرتے تھے اس کی ہر بات' ہر لفظ میں روشنی کا ذکر ہوتا تھا''۔ اس نے فضا میں گہرا سانس خارج کیا۔

''میں نے ایک دن ان کے بریف کیس میں روشنی کی تصویریں بھی دیکھی تھیں وہ بہت پیاری ہے ہاں اس کا چہرہ مجھ سے ملتا ہے وہ اور سمعان ہر تصویر میں بیسٹ لگ رہے ہیں کاش روشنی سمعان کو مل جاتی تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا' سب اپنی زندگیوں میں خوش ہوتے''۔ اس نے حسرت سے کہا' اذیان اس کی بات کا مفہوم اچھی طرح جانتا تھا۔

''چچا' چچی نے سمعان کی ہر بات مامی کے گوش گزار کر دی' ایک سال یوں ہی خوشیوں بھرا گزرا' روشنی کی فیملی ملائیشیا میں رہائش پذیر تھی وہ ایک مسلم اور سخت اصولوں والی فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک دن اس نے سمعان کو بتایا کہ اس کے گھر والوں نے اچانک اس کا رشتہ پکا کر دیا ہے' سمعان کا دل بہت ٹوٹا انہوں نے روشنی کو بہت سمجھانے کی کوشش کی' وہ کسی بھی طرح اسے حاصل کرنا چاہتے تھے وہ مشرقی لڑکی تھی وہ بھی مجبور تھی۔ سمعان نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی فیملی کو رشتے کے لئے بھیج دیں گے' روشنی نے سختی سے انکار کر دیا' وہ اپنی فیملی کو بہت اچھی طرح جانتی تھی وہ کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے' الٹا اسے خفا ہو جائیں گے' سمعان اپنی طرف سے لاکھ کوششیں کرتے رہے' وہ کچھ ایسا بھی نہیں کرنا چاہتے تھے کہ جس سے روشنی کو نقصان ہو یا اسے کوئی تکلیف ہو' اس طرح وہ دونوں الگ ہو گئے' سمعان کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی ان کو بہت ڈپریشن ہو گیا' ان کا مرض بڑھ گیا' وہ عجیب عجیب حرکتیں کرتے' جب ڈپریشن بڑھ جاتا اور غصے کے ساتھ دورے پڑتے ہیں تو وہ آگے پیچھے کی باتیں ملا کر بولتے ہیں' وہ رات کو لیٹ نائٹ آتے' شراب پیتے اور اسموکنگ کرتے' چچا' چچی نے دوبارہ ان کا علاج کروانا شروع کیا وہ پھر سے نارمل رہنے لگے جب انہیں دورہ پڑتا یا غصہ آتا تو چیزیں توڑنے لگتے اور جیسے ہی نارمل ہو جاتے تو انہیں یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ انہوں نے غصے میں کیا کیا تھا' سمعان جب پاکستان کچھ عرصے کے لئے رہنے آئے اور انہوں نے مجھے دیکھا تو گنگ رہ گئے میری شکل روشنی سے ملتی جلتی ہے اور میری تمام عادات انہیں روشنی جیسی لگیں وہ مجھ میں روشنی کو تلاش رہے تھے انہوں نے لندن جانے کا ارادہ ترک کر کے مجھ سے شادی کا فیصلہ کیا' مامی بہت خوش ہوئیں کہ ان کا بیٹا یہیں رہے گا''۔ وہ خاموش ہوئی خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ وہ ہونٹوں پر ہاتھ کی پشت رکھے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے بھی خود پر بہت زعم تھا مجھے اسموکنگ سے سخت نفرت تھی تمہارے ہاتھ میں سگریٹ پکڑا دیکھ کر بہت ناراض ہوئی' تمہیں تکلیف دی تمہارے ہاتھ پر زخم آیا اور ہوا کیا......؟ مجھے ایک ایسا ہمسفر ملا جو اسموکنگ بھی کرتا تھا اور شراب بھی پیتا تھا اور جانے کیا کیا''۔ اس نے خود کو دھتکارا' دونوں کے مابین خاموشی تھی ہوا کے تیز جھونکے سے اس کی شال بازو سے سرکی' ہاف آستین سے اس کا زخم مدھم روشنی میں بھی واضح دکھائی دیا۔

''حیا یہ کیا ہے......؟'' وہ اس کا اتنا گہرا زخم دیکھ کر تڑپ اٹھا اس نے سرعت سے شال لپیٹی۔

''پلیز مجھے بتاؤ''۔

''کچھ نہیں...... بس وہ......'' اس سے بات نہیں بن پا رہی تھی آنکھوں کے کنارے نم ہوئے

☆

نکاح اور رخصتی کے اگلے روز ہی وہ اسلام آباد کے لئے روانہ ہو گئے' اسلام آباد کا ماحول بہت پرسکون تھا' اپنا گھر دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی' گھر حقیقت میں بہت خوبصورت تھا' بلیک کلر کے بڑے گیٹ کے دونوں اطراف بڑے بڑے

گھنے درخت تھے' اندر داخلے پر ایک ہرا بھرا لان تھا' جس میں بہت قسم کے پھول مہک رہے تھے' درختوں کی ہریالی دیکھ کر نظریں جھکانے کا دل ہی نہ کرتا' ہر چیز قیمتی اور اعلیٰ تھی' اسے اپنا روم بہت پسند آیا' اس گھر میں ایک ملازمہ تھی جو ایمانداری سے اس گھر کا خیال رکھ رہی تھی اور ایک عدد چوکیدار تھا' ملازمہ کی عمر تیس سے پینتیس سال تھی وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی خاتون تھی۔

سمعان اسے چھوڑ کر کہیں چلا گیا' اس نے اپنے اور سمعان کے تمام کپڑے بیگز سے نکال کر وارڈ روب میں لگا دیئے اور باقی کا بھی سامان سیٹ کرلیا' اکیلے گھر میں اسے نارسائی کا احساس شدت سے ہو رہا تھا وہ خود کو اسی ماحول میں رہنے کے لئے سمجھاتی رہی کیونکہ اب یہ ہی اس کا گھر تھا' یہیں اسے رہنا تھا۔ رات کو کھانا بھی ملازمہ نے ہی بنایا' وہ سمعان کے ساتھ کھانا کھانا چاہتی تھی' کچھ بھی ہو آخر وہ اس کا شوہر تھا۔ انتظار کرتے کرتے رات کے نو بج گئے' اس کا نمبر بھی بند جا رہا تھا' حیا کو اس لئے بھی پریشانی ہو رہی تھی' اکتا کر اپنے روم میں چلی آئی۔ اذیان اب بھی اس کی ہر یاد ہر خیال میں شامل تھا اسے بھلانا اتنا آسان نہیں تھا سنجیدہ ماحول میں تو اس کی یاد بہت آ رہی تھی' اگر سمعان کی جگہ وہ ہوتا تو وہ اسے یوں اکیلا چھوڑ کر کہیں بھی نہ جاتا' اسے ہر پل اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتا۔ رہ رہ کر اس کی آنکھیں بھر آتیں' وہ سوچ کر رہ گئی اب وہ اسے بھلا دینا چاہتی تھی کہ اب سمعان ہی اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ وہ دس بجے کے قریب گھر لوٹا وہ دھڑام سے دروازہ کھول کر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ اس کی جانب بڑھا اس کی آنکھیں سرخ اور ان میں غصہ تھا وہ شراب کے نشے میں تھا وہ خود میں سمٹ گئی۔

"روشنی! تم نے مجھے کبھی چاہا ہی نہیں"۔ اس کی آواز نشیلی تھی وہ ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے تمہیں اپنی زندگی مانا اور...... اور وہ اذیان کہتا ہے کہ تم بھی اذیان کو چاہتی ہو' ہر بار تم نے مجھے چھوڑ کر کسی اور کو کیوں اپنایا......؟" وہ دھڑام سے بیڈ پر ڈھے گیا وہ گھٹی گھٹی آہ بھر کر پیچھے سرکی' وہ اس کی کوئی بھی بات سمجھ نہیں پا رہی تھی' اسے الجھن ہو رہی تھی' سمعان کے وجود سے سگریٹ کی اسمیل اٹھ رہی تھی' وہ جوتوں سمیت بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا اور جانے کیا کیا بڑبڑا تا رہا' آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں وہ وحشت سے اس کے وجود کو دیکھتی رہی' ڈرتے ہوئے بیڈ سے اتری اور دیوار کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی' سمعان گہری نیند میں تھا' وہ پوری رات بیڈ کے برابر والی دیوار سے لگ کر روتی رہی اور روتے روتے جانے کب نیند کی آغوش میں جا سوئی۔

صبح آٹھ بجے سمعان کی آنکھ کھلی' بالکنی سے آتی دھوپ اس کی آنکھوں پر پڑ رہی تھی' وہ تھکان سے کراہ رہا تھا' وہ بہت تھکا اور ست تھا' کروٹ بدلی وہ بیڈ کے بائیں جانب والی دیوار سے چپکی گھٹنوں میں سر دیئے شاید سو رہی تھی' وہ سرعت سے اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

جس دن وہ اذیان کو ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہا تھا اس دن اس نے سمعان کی ڈائری پڑھی تھی' اذیان ممی سے ملنے ان کے روم میں گیا تھا جبکہ سمعان اسی کے روم میں تھا' ڈائری اس کے کھلے بیگ میں رکھی ہوئی تھی' موقع دیکھ کر سمعان نے ڈائری پڑھی' ہر صفحے پر صرف حیا کا ذکر تھا' اس میں اس نے اپنے دل کا اظہار بھی کیا تھا کہ وہ حیا کو بے حد چاہتا ہے' اور حیا بھی شاید اسے چاہتی ہے پڑھ کر سمعان کا پارہ ہائی ہو گیا' اور بس پھر اس کے ذہن میں یہ بات تھم گئی' جب وہ نارمل ہوتا تو اس بات کو سیریس نہ لیتا' بلکہ یہ تو اسے یاد بھی نہ رہتا' بس یاد رہتا تو یہ کہ وہ ایک اچھی لڑکی ہے اور وہ اس کی بیوی ہے۔

اس نے دھیرے سے حیا کو جھنجھوڑا' اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں' اسے خود پر جھکا دیکھ کر اس کی آواز حلق میں ہی دب گئی۔

"تم نیچے کیوں بیٹھی ہو......؟" وہ سچ میں حیران ہو رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں"۔ وہ ماتھے پر آیا پسینہ صاف کر کے جزبز ہوئی۔

"چلو اٹھو"۔ وہ رعب سے بولا اور خود بھی کھڑا ہوا' وہ کوئی ضد و بحث کرنا نہیں چاہتی تھی' پھرتی سے اٹھی اور بیڈ کے کنارے پر اس کے ساتھ بیٹھی' اس نے اچٹتی نگاہ حیا پر ڈالی۔ وہ اسے پوچھتا رہا' حیا خاموش رہی' سمعان کو خود پر شک ہو رہا تھا کہ رات کو شراب کے نشے میں اس نے اذیان کے متعلق تو ذکر نہیں کر دیا' ذہن پر بہت زور دیا' کچھ ٹھیک سے یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ بہت ڈری ہوئی تھی' وہ ایک زندہ دل اور زندگی کو انجوائے کرنے والی لڑکی تھی' ایسے حالاتوں سے کبھی سامنا نہیں ہوا تھا' اور اب وہ ایسے ماحول میں تھی جہاں کوئی اپنا نہیں تھا اسے اپنے گھر اور گھر والوں کی بہت یاد آ رہی تھی حیرت تو اسے سمعان کے موجودہ رویئے پر بھی ہو رہی تھی۔

اس دن وہ پورا دن گھر پر رہا' اس کے ساتھ وہ نارمل رہا' وہ الجھی ہوئی تھی' وہ اس کے رات والے رویئے کو اگنور کرنے کی کوشش کرتی رہی' وہ شام کو دو کپ چائے بنا کر اپنے روم میں چلی آئی' سمعان بیڈ پر دراز' آنکھوں پر بازو رکھا ہوا تھا' وہ ہلکا سا مسکرائی' ٹرے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی' وہ لیٹے سے اٹھ بیٹھا' اس کی سبز آنکھوں میں وہ ہی غصہ تھا' حیا سہم گئی' دوپٹے کے پلو کو مٹھی میں جکڑا' آنکھوں میں وحشت تھی' اور پوری کھلی آنکھیں سمعان پر مرکوز تھیں اس نے ٹرے اٹھا کر زمین پر پٹخی' وہ چلا کر پیچھے ہٹی' بھاپ اڑتی چائے کی چھینٹ اس کے پاؤں پر لگیں' اسے پاؤں میں جلن ہو رہی تھی وہ سرعت سے اٹھا۔

"اذیان نے ڈائری میں ایسا کیوں لکھا تھا کہ تم بھی اسے چاہتی ہو......؟ تم تو اب میری ہو نا"۔ وہ اس کے مقابل کھڑا ہوا۔ اس کا نقطہ اذیان کی بات پر جا رکا' اسے تو کبھی احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ اذیان ڈائری میں اس کا ذکر بھی کرتا ہوگا۔

"یہ آپ کیوں بول رہے ہیں......؟"

"اگر اس کے بارے میں سوچا بھی تو تمہیں شوٹ کر دوں گا"۔ اس نے اپنی شہادت کی انگلی اس کے ماتھے پر مارتے ہوئے دھمکی دی۔ وہ اس کے دھوپ چھاؤں جیسے رویئے سے پاگل ہو رہی تھی اپنی بات بول کر اسے دھکا دیا' وہ خود کو سنبھال نہیں پائی لڑکھڑاتی ہوئی زمین پر گری وہ اسے ٹھوکر مارتا ہوا چلا گیا وہ اپنی قسمت پر رو دی۔

☆

دن یوں ہی گزرتے گئے' اسے اسلام آباد آئے ایک مہینہ گزر گیا' پاپا اور رخشندہ نے اپنے آنے کی خبر دی تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی' سمعان کا غصہ دیکھ کر اس نے کبھی اپنے گھر جانے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ پاپا اور مامی آ رہے تھے وہ کسی سے خوشی کا اظہار بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ شام تک وہ آ گئے' اپنوں کا لمس پا کر اس کا دل بھر آیا' اس نے خود پر ضبط کیا' ڈنر کے بعد پاپا اور سمعان باہر چلے گئے وہ لاؤنج میں مامی کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"کیسی ہو......؟" اچانک مامی نے پوچھا وہ چونکی۔

"ٹھیک ہوں......" وہ بے دلی سے بولی چہرہ اترا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہی تو تم لگ نہیں رہیں' سمعان کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے......؟" وہ اپنے بیٹے کی طبیعت سے واقف تھیں اور کچھ حیا کے چہرے کی بے رونقی بھی بتا رہی تھی' اس کا چہرہ اترا اور بجھا ہوا تھا۔ حیا کو حیرت ہو رہی تھی کہ انہیں کیسے معلوم ہوا۔ وہ آج تک اپنی سوالوں کے جواب ہی تو تلاش کر رہی تھی انکشاف تھے کہ ختم ہی نہیں ہو رہے تھے۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا......؟" وہ متفکر ہوئی۔

"میں جانتی ہوں کہ اذیان اور تم ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اذیان نے کبھی اظہار تو نہیں کیا مگر میں اپنے بچوں کا حال دل سے خوب تر واقف ہوں اور اس کی نیویارک جانے کی وجہ بھی یہی تھی"۔ ان کا لہجہ دھیما تھا۔

"سمعان ذہنی طور پر نارمل نہیں ہے"۔ انہوں نے سمعان کے بارے میں سب کچھ حیا کو بتایا۔

''آپ کو سمعان کے بارے میں جب سب معلوم تھا تو آپ نے میری زندگی کیوں برباد کی......؟'' اس کا لہجہ ٹوٹا پھوٹا تھا وہ شکوہ پر اتر آئی۔

''میں مجبور تھی' جب سمعان نے لندن واپس جانے کا ارادہ ترک کیا میں خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی' اس نے تمہیں پسند کیا' میں تو اور زیادہ خوش ہوگئی کہ اس نے روشنی کو بھلا کر شادی کی بات تو کی' اور وہ بھی میری پیاری بیٹی کے ساتھ...... میں نے یہی سوچا کہ تم سمعان کو بہت خوش رکھو گی' شاید وہ تمہیں پاکر نارمل رہنے لگے' اور وہ اپنی زندگی کی طرف واپس لوٹ آئے' اذیان تو ایک پرفیکٹ لڑکا ہے' وہ ذہنی طور پر بھی صحت مند ہے اس میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے اسے کوئی بھی اچھی لڑکی مل جائے گی میں نے سوچا تم بھی سمعان کے ساتھ دھیرے دھیرے خوش رہنے لگو گی سب ٹھیک ہو جائے گا' ایک ماں ہوں نالالچی ہوگئی تھی''۔ ان کو خود کے فیصلوں پر پچھتاوا ہوا۔

''انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا' اب تو مجھے سمعان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے میں انہیں سمجھنے کی پوری کوشش کروں گی' اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ وہ پوری طرح ٹھیک ہو جائیں''۔ اس نے انہیں تسلی دی۔ وہ سمعان کے لئے بہت پریشان تھیں۔

''میں نے سمعان کے لئے ایک اچھے ڈاکٹر سے رابطہ کیا تھا اس نے یہ کچھ ٹیبلٹس دی ہیں تم اسے یہ پینے کی چیزوں میں ملا کر پلاتی رہنا وہ نارمل رہنے لگے گا''۔ انہوں نے پرس سے درمیانے سائز کا خاکی لفافہ نکال کر اسے دیا حیا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

وہ رات وہ ماں کے پہلو میں سوئی اسے بہت سکون مل رہا تھا دل پر جو سوالوں کے انبار تھے ان سب کے جواب بھی مل گئے' اسے اذیان سے شکوہ تھا کہ اگر وہ اسے پیار کرتا بھی تھا تو انکار کر کے اسے اتنی اذیت کیوں دی اس نے اپنے بھائی کی خوشی کے لئے قربانی دی اپنے بھائی کی پسند کے آگے خود کے جذباتوں کا خون کیا۔

حیا کو دا[illegible] کی بھی بہت یاد آ رہی تھی رخشندہ نے بتایا کہ وہ بھی حیا سے ملنا چاہتی ہیں' مگر رخشندہ نے انہیں روکا ہوا ہے' انہیں سمعان کی حقیقت معلوم نہ ہو جائے اگر انہیں سمعان کے بارے میں معلوم ہو گیا تو انہیں اپنی بیٹی کی قسمت پر بہت دکھ ہوگا' فرحان ملک بزنس کے ہی سلسلے میں اسلام آباد آ رہے تھے' رخشندہ کا بھی بہت دل کر رہا تھا کہ وہ سمعان اور حیا سے ملے اس لئے ان کے ساتھ ایک دن کے لئے آ گئیں اور زرین گھر پر ہی رک گئیں کیونکہ گھر میں بھی تو کسی کو رہنا تھا۔

''میں سمعان کو تمہارے کراچی آنے کے لئے راضی کر دوں گی پھر تم سب سے مل لینا''۔ جاتے ہوئے انہوں نے حیا کے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے تسلی بھی دی۔ ان کے جانے پر حیا کا چہرہ اتر سا گیا' رخشندہ نے اسے بہت تسلیاں دیں اور اسے ہمت کرنے کی تاکید کر کے وہ دونوں چلے گئے' حیا اداس ہو گئی۔

☆

آٹھ مہینے کا عرصہ گزر گیا' کچھ کڑوے اور کچھ اچھے لمحات کے ساتھ۔ سمعان کو غصہ کم ہی آتا تھا' کیونکہ وہ اسے باقاعدگی سے ٹیبلٹس دیتی تھی' اس دوران وہ کراچی بھی گئی' پہلے وہ اسے جانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا لیکن اپنی ماں سے بہت محبت کرتا تھا' ان کے بولنے پر حیا کو جانے دیا' خود مصروفیت کا بول کر نہیں گیا۔ فرحان ملک اسے لینے آئے' وہ ایک بار بھی کراچی نہیں گیا تھا' رخشندہ نے بھی زور نہیں دیا' وہ ہفتے میں ایک بار اسے فون پر بات کر لیتی تھیں۔ حیا پورا ایک ہفتہ رک کر آئی۔

رات کے بارہ بجے اس نے حیا کو جھنجوڑ کر اٹھایا' وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی' وہ سہم گئی [illegible] اس کی آنکھوں میں وہ غصہ نہیں تھا لبوں پر دھیمی مسکراہٹ بھی تھی۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مام حیا''۔ اس نے گنگنا کر وش کیا وہ ہڑبڑائی۔ اس کے اس طرح وش کرنے پر خوشی بھی ہو رہی تھی اس کی نگاہیں حیا کے شرمیلے چہرے پر تھیں۔

''بندہ تھینک یو ہی بول دیتا ہے''۔ وہ ہنوز اس کی خاموشی پر منہ پھلا کر بولا' حیا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''تھینک یو''۔ اس نے گھنیری پلکیں اٹھا کر اس عجیب و غریب شخصیت کے مالک انسان کو دیکھا۔

''کل رات کو آٹھ بجے تیار رہنا میں آفس سے آ جاؤں گا تمہارے لئے سرپرائز ہے''۔ اس کی آواز کھنک دار تھی' حیا نے جھٹ سے سر اثبات میں ہلایا۔

''اب تم سو سکتی ہو''۔ اس نے لائٹس آف کر دیں سمعان کی تھوڑی سی توجہ بھی اسے بہت خوشی دے رہی تھی' وہ کروٹ بدل کر لیٹی۔ اذیان کی یادیں ذہن کی اسکرین میں تازہ ہو رہی تھیں وہ بھی ہر سال ایسے ہی رات کو بارہ بجے سب سے پہلے اسے وش کرتا تھا' اور ہر سال اس کے لئے کوئی نہ کوئی سرپرائز ہوتا تھا۔ اب وہ اس کی دسترس میں نہیں تھا' قسمت نے ان دونوں کے درمیان بہت فاصلے بڑھا دیئے گئے تھے' ان دونوں کے مابین ایسا سمندر تھا جسے پار کرنا نہ ممکن تھا' وہ دو ایسے وجود تھے جو ایک دوسرے کے بغیر ادھورے تھے' وہ اس کی دسترس سے بہت دور جا چکا تھا' وہ امانت میں خیانت تو نہیں کرنا چاہتی تھی کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کی نظریں بالکنی سے باہر آسمان کے آنچل پر ٹمٹماتے تاروں پر تھیں' اسے بچپن سے ان تاروں سے بے پناہ محبت تھی' وہ خالی خالی نظروں سے تاروں کو تک رہی تھی یہ بھی سوچ رہی تھی کہ سمعان کو اس کی ڈیٹ آف برتھ کس نے بتائی وہ تو ہمیشہ اس سے دور رہا تھا۔

☆

سمعان کی بات پر عمل کرتے ہوئے وہ آٹھ بجے تک تیار ہوگئی' مبادہ پھر اس کا پارہ ہائی نہ ہو جائے۔ وہ بھی اپنے کہنے کے مطابق آٹھ بجے روم میں داخل ہوا' وہ آئینے کے آگے کھڑی خود کے سراپے کو محویت سے دیکھ رہی تھی۔ مہرون فینسی ساڑھی پر ہلکا سا میک اپ اس کے روپ میں چار چاند لگا رہا تھا' شولڈر کٹ بالوں کو آزادی دے رکھی تھی۔

''بیگم! آج تو بہت قاتل لگ رہی ہیں''۔ اس نے شوخی سے کہا۔ وہ دیکھ رہی تھی پچھلے کچھ دنوں سے اس کا رویہ اچھا ہو گیا تھا' لہجے میں شوخی بھی تھی اور حیا کے لئے اپنائیت اور پیار بھی تھا' ورنہ اس نے حیا سے پسند کی شادی تو کی تھی مگر اسے کبھی زیادہ لفٹ نہیں کروائی۔ اس کی شرارت پر مسکرائی وہ اس کے پیچھے اپنے سینے پر بازو لپیٹے کھڑا تھا' وہ آئینے میں دونوں کا عکس دیکھ کر دعا گو تھی کہ خدا ہمیشہ سمعان کو اسی طرح ٹھیک رکھے۔

''چلیں......؟'' اس نے پوچھا۔

''جی......'' وہ آہستگی سے بولی۔

''میرے پیچھے پیچھے چلو''۔ وہ بول کر آگے بڑھا وہ اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔ گھر کے عقب میں ایک روم تھا' وہ اس طرف کم ہی آتی تھی اس روم کو اس نے ہمیشہ بند ہی پایا تھا' لاک کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔ روم میں اسٹینڈ پر لگی کینڈل لائٹ کی مدھم روشنی ماحول کو بہت خوبصورت بنا رہی تھی روم کی دیواروں کو چاروں طرف سے بیلون سے سجایا گیا تھا' سامنے والی دیوار پر گلاب کے پھولوں سے ہیپی برتھ ڈے حیا لکھا ہوا تھا اور دروازے سے اندر تک بے شمار گلاب کے پھولوں کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں درمیان میں ایک گول ٹیبل اور اس کے دونوں طرف چیئرز رکھی ہوئی تھیں اور ٹیبل پر عمدہ کیک رکھا ہوا تھا جس پر مام حیا کا نام جگمگا رہا تھا۔ اسٹینڈ پر چار چار کینڈلز تھیں روم کی ہر چیز مسکرا کر اس کا استقبال کر رہی تھیں۔ اسے سمعان کا یہ سرپرائز بہت پسند آ رہا تھا جو ایک خواب ناک سی لگ رہا تھا وہ دروازے کے درمیان ہی کھڑی رہی۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مسز سمعان ملک''۔ اس نے حیا کا نرم و نازک ہاتھ تھام کر چوما' وہ شرمائی' چہرہ گلابی ہو رہا تھا' وہ

اس کے گرد باز وحمائل کر کے اندر لے آیا' وہ چیئر پر بیٹھی' سمعان بھی اس کے سامنے والی چیئر پر بیٹھا دونوں خاموش تھے۔

"آپ کو میری ڈیٹ آف برتھ کیسے معلوم ہوئی......؟" اس نے یونہی بات شروع کرنے کے ارادے سے پوچھا' سمعان کے چہرے کے تاثرات یک لخت بدلے' حیا نے تھوک نگلا۔

"اذیان کی ڈائری میں لکھا ہوا تھا"۔ اس نے لب اور مٹھیاں بھینچیں اور کھڑا ہو گیا' وہ بھی چیئر گھسیٹ کر کھڑی ہوئی' سمعان نے ٹیبل پر رکھا چاقو اٹھایا' حیا کی پوری آنکھیں باہر نکل آئیں' اس کا وجود لرزا تھا' سمعان کے ماتھے پر بل پڑ گئے' سمعان نے بے دردی سے اس کے بالوں کو جکڑ کر چاقو اس کی گردن پر رکھا وہ خود کو چھڑانے کی سعی کر رہی تھی۔

"پلیز ایسا مت کریں"۔ اس نے گھٹی گھٹی آواز میں احتجاج کیا' سمعان نے اس کی گردن سے چاقو ہٹا کر زمین پر پھینکا' وہ اس کی طرف بڑھا وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے ہٹتی جا رہی تھی کہ کینڈل اسٹینڈ سے ٹکرائی دو کینڈلز اس کے ہاتھ پر گریں جو جلانے کا نشان چھوڑ گئیں۔ اسے اس وقت اس تکلیف کا احساس بھی نہیں ہوا' وہ خوف میں تھی اسی طرح سرعت سے دروازے پر پہنچی اور لاک کھول کر باہر نکلی وہ اس کے پیچھے لپکا' ملازمہ کو آتے دیکھ کر اس کے قدم رک گئے' اور وہ نارمل حالت میں واپس آیا۔ حیا اپنے روم میں گھس گئی ڈور لاک کر کے سکون کی سانس لی۔ سمعان نے دو تین مرتبہ دروازہ بجایا مگر اس نے کھولنے سے گریز کیا۔ اگلی صبح وہی ہوا' اس سے رات کو دروازہ لاک کرنے کی وجہ پوچھی اس کے ہاتھ پر زخم دیکھا تو پریشان ہوا' حیا کو اپنی اس بے مقصد زندگی سے اکتاہٹ ہو رہی تھی۔

☆

دن گزرتے جا رہے تھے' سمعان کی زیادتیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ رخشندہ اس کے بارے میں پوچھتیں تو وہ انہیں جھوٹ بول دیتی کہ سمعان بہت ٹھیک رہنے لگا ہے' اس رات اسے بہت بیزاریت تھی وہ سمعان کے کپڑے پریس کرنا بھی بھول گئی تھی' صبح اٹھ کر اس نے سب سے پہلے سمعان کے کپڑے پریس کرنے کا سوچا' پہلے ملازمہ کو ناشتے کا بول آئی' اس کی بدقسمتی تھی کہ سمعان کی شرٹ جل گئی اور اس نے جلی ہوئی شرٹ دیکھ بھی لی۔ غصے میں اس کی طرف بڑھا۔

"بے وقوف لڑکی! یہ مجھے روشنی نے دی تھی اور تم نے اسے جلا دی"۔ وہ اس پر دھاڑا' وہ سر جھکائے اس کے غصے کے لئے ریڈی تھی۔

"جس طرح تم نے یہ شرٹ جلائی ہے میں بھی تمہیں ایسے ہی جلاؤں گا"۔ اس نے آئرن اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی' حیا کی تو یہ سن کر اور دیکھ کر ہی جان نکل رہی تھی۔

"نہیں پلیز ایسا مت کریں یہ کوئی کھیل نہیں ہے کہ جس میں آپ کو بدلہ چاہئے"۔ وہ دور ہٹی۔ وہ ایک نفسیاتی اور ذہنی مریض تھا جو کبھی کبھا کسی حد تک کر بھی دکھاتا تھا کہ وہ اپنے بس میں ہی نہیں ہوتا تھا' وہ آگے بڑھ رہا تھا آئرن کا پلگ سوئچ سے نکل گیا' اس نے سمعان سے بچنے کی بہت کوشش کی' سمعان نے اسے جکڑ کر آئرن اس کے بازو پر رکھا' وہ جتنا چلا سکتی تھی اتنا چلائی وہ روتی رہی' گڑگڑاتی رہی وہ اپنا بدلہ لے کر چلا گیا۔ ملازمہ نے بھی سب سنا' وہ بہت خاموش طبیعت کی تھی' وہ بھی سمعان کی طبیعت کو سمجھ گئی تھی۔ سمعان باہر چلا گیا ملازمہ نے ہی نہایت خاموشی سے روتی بلکتی حیا کو مرہم لگایا۔ وہ اس گھر میں بند ہو کر رہ گئی تھی جیسے وہ سمعان ملک کی بہت بڑی گناہ گار ہو اور اس نے سزا کے طور پر اسے قید کر لیا ہو' مشکل سے دو تین بار گھر سے باہر قدم نکالا تھا۔ سمعان نے صاف الفاظوں میں کہہ دیا تھا کہ اگر وہ اسے بتائے بغیر باہر قدم بھی رکھے گی تو وہ اس کا حال بہت برا کرے گا اسے خود کو بھی اب باہر کہیں جانے کی خواہش نہیں رہی تھی' اب اس کی برداشت جواب دے رہی تھی' وہ بہت جلد سمعان کے ظلم و ستم سے چھٹکارہ پانا چاہتی تھی' اسے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ سمعان ایک دن اسے جان سے بھی مار سکتا ہے' اس کی طبیعت میں چڑچڑاہٹ آ گئی تھی' وہ سمعان ملک سے نکاح کر کے

سب کو چھوڑ کر اس کے ساتھ چلی آئی تھی اور بدلے میں وہ اسے کیا دے رہا تھا۔ اس نے نئی ہاسپٹل کا نمبر فون ڈائری سے نکالا تھا وہ اسے وہاں بھیجنا چاہتی تھی جہاں اس کی بہتری ہے اور وہاں وہ ٹھیک بھی ہو سکتا ہے اس کے دل میں سمعان کے لئے غلط ارادہ نہیں تھا۔

ایک شام پھر اسے غصہ آیا حیا نے موقع پر ہاسپٹل فون کیا اور تقریباً پندرہ منٹ میں ہی چار وارڈ بوائے آ گئے' اس وقت بھی سمعان شدید طیش میں تھا' ملازمہ خاموش کھڑی تماشہ دیکھ رہی تھی' سمعان نے اسے بھی دو تین بار ٹارچر کیا تھا' وہ خود کو چھڑوانے کی بہت کوشش کر رہا تھا اور جانے کیا کیا بڑبڑا رہا تھا' حیا کو یہ دیکھ کر بہت دکھ اور تکلیف ہو رہی تھی اس کے جانے کے بعد اس نے فضا میں آزادانہ سانس لی' دل کو بہت سکون اور اطمینان ہوا' خوف اور ڈر دور بھاگ گئے اس دن اس کی شادی کو پورا ایک سال مکمل ہوا تھا' اس کے ڈیڑھ ماہ بعد اذیان آیا تھا اس نے فون پر رخشندہ کو سب سچ بتایا انہوں نے شکایت نہیں کی بس خاموش ہو گئیں۔

☆

وہ سن بیٹھا اسے سن رہا تھا' حیا خاموش ہوئی۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں ان کے مابین اتنی خاموشی تھی کہ وہ ایک دوسرے کی سانسیں بھی باآسانی سن سکتے تھے اس نے بازو پر شال پھیلایا۔

"بھائی نے اتنا سب کچھ تمہارے ساتھ کیا پھر بھی تم خاموش سے سہتی رہیں' اگر تمہاری جگہ اور کوئی لڑکی ہوتی تو کب کا واویلا مچا چکی ہوتی' میں نے پھر بھی تمہیں اتنا غلط سمجھا"۔ اس نے سختی سے اپنے سر پر چپت لگائی۔

"بس حالات ہی ایسے ہو گئے مجھے تمہاری کوئی بات بری نہیں لگی کیونکہ میں تمہیں بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں اس سب میں کسی کا بھی کوئی قصور نہیں ہے"۔ وہ اسے تاسف سے دیکھ رہا تھا۔

"تم نیویارک سے کب لوٹے......؟" اس نے موضوع بدلا۔

"یہاں آنے سے ایک ہفتہ پہلے آیا تھا وہاں میں نے اپنوں کے بغیر ایک سال کیسے گزارا ہے یہ صرف میں ہی جانتا ہوں صرف خود کے ساتھ ایک ضد تھی کہ مجھے لوٹنا نہیں ہے' کیا کرتا؟ اپنی ضد کے آگے ہار گیا اور واپس پاکستان لوٹ آیا' اور جو سکون پاکستان اور اپنے گھر آ کر ملا وہ میں بیان بھی نہیں کر سکتا' ممی کو تمہارے ساتھ فون پر بات کرتے سنا اور میرے بہت اصرار کرنے کے بعد انہوں نے بھائی کے بارے میں بتایا تو میرے ہوش اڑ گئے"۔

"تم نے وہاں کوئی لڑکی پسند نہیں کی......؟" اس نے سرسری سا اس کی جھیل آنکھوں میں دیکھا وہ کھلکھلا کر مسکرایا۔

"پسند کر کے کیا کرتا"۔ وہ متبسم لہجے میں بولا' حیا نے ذرا سی گردن اٹھائی۔

"مطلب شادی کی یا نہیں......؟" اس نے تصحیح کی۔

"کوئی حیا جیسی ملی ہی نہیں"۔ وہ یکدم سنجیدہ ہوا' وہ جھینپ گئی' دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں مسل رہی تھی اس کی پلکیں بھی لرز رہی تھیں' اذیان کی نگاہیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں رات کا آدھا پہر گزر چکا تھا۔

"اب میں چلتی ہوں بہت دیر ہو گئی ہے"۔ وہ سرد مہری سے بول کر اٹھی اس کا بس چلتا تو وہ اسے ہمیشہ کے لئے اپنی نظروں کے سامنے رکھتا' اسے کہیں نہ جانے دیتا' وہ مجبور تھا' اب وہ یہ حق نہیں رکھتا تھا وہ لاکھ خود پر ضبط کر رہا تھا' اس نے سر اثبات میں ہلا کر اسے جانے کی اجازت دی اور وہ آگے بڑھ گئی' وہ اس کے کمزور وجود کو دور تک جاتا دیکھتا رہا۔

☆

اسے اپنا وجود خزاں کے پتوں کی مانند لگ رہا تھا جو بہاروں میں شاخوں پر خوشی سے جھومتے ہیں اور سب کو بھاتے ہیں لیکن جب سوکھ جاتے ہیں تو ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی لوگ انہیں بے دردی سے روندتے چلے جاتے ہیں۔ وہ

اس وقت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی چلی جارہی تھی خنک اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں وہ اپنے گرد سیاہ شال اوڑھے کسی کی بھی پرواہ کئے بغیر اپنی سوچوں میں غلطاں تھی' عقب سے قدموں کی آہٹ پر اس نے ذرا سی گردن موڑ کر دیکھا وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا اس کی سمت آرہا تھا' خاموشی سے چلتی رہی' اب وہ اس کے قدم سے قدم ملاتا چل رہا تھا مابین صرف ہوا کی سنسناہٹ تھی۔

''تم واک بھی کرنے آتی ہو......؟'' اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''ہوں...... جب سے سمعان ہاسپٹل گئے تب سے میں روز یہاں آتی ہوں بہت سکون ملتا ہے''۔ اس نے اذیان کی جانب دیکھے بغیر جواب دیا۔

''سو نائس پلیس......'' اس نے دونوں ہاتھ ٹراؤزر کی پاکٹس میں ڈال کر اونچے درختوں کو دیکھ کر تعریف کی۔ درختوں سے پرندوں کی سریلی آوازیں دل کو بہت بھا رہی تھیں۔

''تم بدل گئی ہو حیا......'' اس کا بے تاثر چہرہ دیکھ کر وہ از سر نو بولا۔

''کیسے......؟'' اس نے طمانیت سے پوچھا۔

''اگر تم پہلے کی جیسی حیا ہوتیں تو یوں خاموشی سے نہ چلتیں' اس طرح ایک سمت میں نہ چلتیں۔ مجھے تنگ کرتیں' شرارت کرتیں اور اس جگہ کے لئے ہزاروں تعریف کرتیں''۔ وہ اس کے روبرو ہوا' اس کا لہجہ جذباتوں سے پر تھا' حیا مسکرائی' وہ بالکل ٹھیک بول رہا تھا۔

''اب حالات بھی تو ویسے نہیں رہے''۔ وہ اس کے سامنے سے گزر کر سیدھی سمت میں چلنے لگی۔

''کاش کہ حالات پہلے جیسے ہوتے''۔ وہ اسی جگہ رک کر زیر لب بولا حیا نے بامشکل سنا تھا مگر جواب میں خاموش رہی۔

''لیکن مجھے لگتا ہے کہ تم واک نہیں کرتے''۔ حیا نے مڑ کر شرارتاً کہا وہ اس سے کچھ فاصلہ دور تھا۔

''تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے......؟'' حسب عادت اس نے آنکھیں سکیڑ کر استفسار کیا۔

''کیونکہ تم موٹے ہو گئے ہو''۔ وہ ہنسی' اذیان نے تیوریاں چڑھائیں وہ آگے بڑھ گئی وہ دوڑتا ہوا اس کے مقابل ہوا' سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔

''میں کب موٹا ہو گیا ہوں''۔ وہ اس کے شانے پر چپت لگا کر مصنوعی خفگی سے بولا' حیا نے بغور اسے دیکھا' بلیک ٹراؤزر اور بلیک شرٹ میں وہ ہینڈسم لگ رہا تھا' بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے جھیل سی خوبصورت آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی اور شرارت سے مسکراتے ہوئے گال پر ڈمپل' وہ ہر لڑکی کا آئیڈیل بن سکتا تھا' رخشندہ نے ٹھیک کہا تھا کہ اذیان ایک پرفیکٹ لڑکا ہے حیا نے سر جھٹکا۔

''تم بہت ویک ہو گئی ہو''۔ وہ سنجیدہ ہوا۔

''پہلے تمہارا خون جو پیتی تھی اس لئے موٹی تھی''۔ اس نے پھر شرارت کی اذیان نے معصومیت سے تین' چار بار آنکھوں کو جھپکایا۔ اور فضاء میں اس کا جاندار قہقہہ گونجا اس کے سامنے والی سڑک پر گاڑیاں رواں دواں تھیں' وہ محو گفتگو واپسی کے لئے مڑے۔

☆

''ہیلو حیا! تمہیں کچھ چاہئے......؟'' اس نے گھر فون کیا تھا' جو نیچے ہال میں تھا' وہ یقیناً روڈ پر تھا گاڑیوں کی آوازیں اور ہارن حیا کے کانوں میں چلا رہے تھے۔

''نہیں مجھے کچھ نہیں چاہئے' کھانا تیار ہے تم جلدی گھر آجاؤ' ابھی ملازمہ بھی گھر سے باہر ہے''۔ وہ احتیاطاً نظریں

چاروں طرف گھما کر بولی' اسے ڈر بھی لگ رہا تھا اذیان کی موجودگی میں سکون رہتا تھا۔

''ہاں میں گھر سے تھوڑا ہی دور ہوں' بس پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں''۔ وہ اونچی آواز میں بول رہا تھا اور پھر کال ڈراپ ہو گئی۔ اس کی نظریں عین سامنے کچن کی سمت گئیں جہاں سمعان کچھ تلاش کر رہا تھا اس کے تاثرات بدلے ہوئے تھے وہ غصے میں تھا وہ اپنے روم سے کچن تک کیسے پہنچا تھا اسے معلوم ہی نہ ہو سکا' اس کا دل اچھل کر حلق میں آیا' سمعان اسی کی طرف بڑھ رہا تھا' وہ الٹے پاؤں سیڑھیوں کی طرف دوڑی اور دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر کوریڈور سے گزرتی ہوئی روم میں بند ہو گئی' روم کو لاک کر دیا بیڈ کے نیچے اس کی بیک سے ٹیک لگائے گھٹنوں میں سر دیئے اپنی رکی ہوئی سانسیں بحال کیں' ہنوز اس کے دروازے پر دستک ہو رہی تھی وہ اضطرابی کیفیت میں وہیں جمی رہی۔

''حیا دروازہ کھولو' میں ہوں''۔ وہ جھنجلائی آواز میں بولا۔ اذیان کی آواز سن کر اس کے دل کو تسلی ہوئی وہ بوجھل قدم اٹھاتی ہوئی آئی اور دروازہ کھولا۔

''سمعان......''

''کیا ہوا بھائی کو......؟''

''انہیں کچھ نہیں ہوا' اگر میں موقع پر یہاں بھاگ نہ آتی تو......'' اس کا دل بھر آیا اس کی آواز رندھ گئی وہ اذیان کے سینے سے لگی اس کا گریبان بھگونے لگی۔

''بات کیا ہے حیا...... پلیز جلدی بتاؤ' بھائی کو تو میں دیکھ کر آرہا ہوں وہ اپنے روم میں آرام کر رہے ہیں''۔ کچھ دیر اس نے اسے رونے دیا پھر تاسف سے پوچھا' احساس ہونے پر وہ تیزی سے اس سے الگ ہوئی' گویا ہوئی۔

''جب تم نے فون کیا تھا تب جانے کیسے سمعان کچن میں پہنچ گئے جب تم سے بات ہو گئی تو وہ غصے میں میری طرف آرہے تھے' اور میں جلدی سے یہاں بھاگ آئی مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے''۔ اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کر بچوں کی طرح بتایا۔

''ریلیکس...... کچھ بھی نہیں ہوگا''۔ اس نے حیا کے شولڈرز پر اپنے دونوں مضبوط ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز کہا۔

''معلوم نہیں کیوں...... انہیں مجھے دیکھ کر کیوں اتنا غصہ آتا ہے''۔ وہ بے بسی سے بولی اس سب کی وجہ بھی جانتی تھی۔

''تمہاری یہ غلطی ہے کہ تمہاری شکل روشنی سے ملتی ہے' بھائی کے ذہن میں دو باتیں برف کی طرح جم گئی ہیں ایک یہ کہ تم روشنی ہو اور انہیں چھوڑ کر کسی اور کو اپنایا اور دوسری یہ کہ انہوں نے میری ڈائری میں جو بھی پڑھا اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ روشنی نے اب بھی انہیں دھوکا دیا جب انہیں غصہ آتا ہے تو ان کے ذہن میں یہی گھومتا ہے اور ان کا پارہ ہائی ہو جاتا ہے اور وہ اپنی بھڑاس نکالنے کے لئے تمہیں تکلیف پہنچاتے ہیں' کبھی کبھی مجھے بھی بہت عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں کل مجھ پر بھی بہت غصہ کیا مجھے مارنے کی بھی کوشش کی میں نے ان پر قابو کر لیا' اس سب میں مجھے ان کی کوئی غلطی دکھائی نہیں دیتی''۔ اذیان نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

''کاش کہ روشنی کبھی میرے ہاتھوں لگ جائے''۔ اس نے مٹھی بنا کر دائیں ہتھیلی پر مار کر حسرت سے کہا۔

''تو کیا کرو گے......؟'' وہ ابرو اچکا کر بولی۔

''اسے جان سے مار دوں گا''۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر معصومیت سے گویا ہوا۔

''تم سمعان کو ہاسپٹل کیوں نہیں بھیج دیتے' وہاں اس کا بہتر علاج ہوگا' ڈاکٹر نے بھی تو یہی کہا تھا نا''۔ اس نے دبے دبے انداز میں کہا' اذیان نے گہرا سانس لیا' وہ اس کے دل میں چھپے ڈر سے واقف تھا' وہ سمعان کو یوں دوسروں کے حوالے ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔

''دیکھو حیا! پلیز سمجھنے کی کوشش کرو''۔ وہ متفکر ہوا کیونکہ حیا اور سمعان دونوں اس کے لئے عزیز تھے۔

''ایک دن وہ میری جان لے لیں گے''۔ وہ افسردہ ہوئی اذیان نے یک لخت اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر نفی میں سر ہلایا وہ خاموش ہوگئی اس نے اتنی ہی سرعت سے ہاتھ ہٹا بھی دیا۔

☆

لائٹ پنک جارجٹ کے پرنٹڈ ایئر لائن اور ہم رنگ دوپٹہ اور بلیک ٹراؤزر میں ملبوث اس نے خود کو دلچسپی سے آئینے میں دیکھا شولڈر کٹ بالوں کی پونی بنائی میک اپ کے نام پر پنک لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل لگایا۔

''حیا! تم نے آگے کی زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے......؟'' وہ چونکی۔

''کس بارے میں......؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''بھائی کا میں علاج تو کروا رہا ہوں اور مجھے یقین بھی ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں گے مگر وہ ٹھیک ہوتے بھی ہیں مطلب وہ اس موجودہ حالت سے واپس کچھ نارمل ہو بھی جاتے ہیں پھر بھی انہیں جب غصہ آئے گا تو وہ تم پر تشدد کر سکتے ہیں کیا تم ان کے ساتھ پوری زندگی گزار سکو گی......؟'' وہ رسانیت سے بولا۔ حیا کو اس سے ایسے الفاظ کی امید نہیں تھی وہ اس کی اور سمعان کی علیحدگی چاہتا تھا جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا وہ یہ کیوں بھول رہا تھا کہ وہ سمعان ملک کی بیوی ہے اور اس کی بھابی۔

''میں نے ابھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں ہے وہ جیسے بھی ہیں ابھی میں ان کے نکاح میں ہوں ان کے پوری طرح ٹھیک ہونے کے لئے بے پناہ دعائیں کرتی ہوں باقی جو خدا کو منظور ہو اس کے آگے سر خم کر دیں گے''۔ وہ مسکرا کر آہستگی سے بولی اذیان نے پرسکون سوچ انداز میں سر ہلایا۔

''تم اب ڈائری لکھتے ہو......؟'' وہ دلچسپی سے بولی۔

''اب کس کے لئے لکھتا بھلا''۔ اس نے کندھے اچکا کر سرسری اردگرد دیکھا۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ڈائری میں میرا ذکر بھی کرتے ہو گے''۔ باتوں کا رخ ماضی کی طرف مڑا۔

''حیا تو میری ہر بات ہر نظر ہر انداز سے ہی انجان تھی''۔ وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''میں تو پاگل تھی میں تو خود کے ہی دلی جذباتوں سے انجان رہی اور اس وقت شدت سے احساس ہوا جب خود کا نام کسی اور کے ساتھ جڑتے دیکھا''۔

''وہ تو ماضی تھا ہم اپنے مستقبل میں بھی ہمیشہ دوست رہیں گے''۔

''ہممم...... فی الوقت تو ڈنر کیا جائے''۔ ویٹر کب کا رکھ کر چلا گیا تھا حیا معنی خیز لہجے میں بولی اور ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران دونوں نے ڈنر کیا اذیان اسے ڈنر کے لئے ریسٹورنٹ لے کر آیا تھا تاکہ اس کا دل بہل جائے۔

☆

وہ کھڑکی سے ہاتھ باہر نکالے بارش کی بوندوں کو ہتھیلی پر جما کر رہی تھی بارش کی آوارہ بوندیں اس کے چہرے کو چھو رہی تھیں کھڑکی سے لان کا منظر واضح دکھائی دے رہا تھا اذیان بغیر جوتوں کے گھاس پر چہل قدمی کر رہا تھا سمعان نے نیم گرم ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا وہ بوکھلائی سمعان نے اس کی کلائی پکڑی۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ......؟'' وہ لرز رہی تھی وہ بنا کچھ کہے اسے گھسیٹتا ہوا کوریڈور تک لایا۔

''اذیان...... اذیان......'' اس نے اذیان کو پکارا اس کی گرین آنکھوں میں اذیان کا نام سن کر اور غصہ بھر آیا اس نے سنے گلدان اٹھا کر پوری قوت سے اسے سر پر دے مارا وہ چکرا کر اس کی بانہوں میں جھول گئی اس کے سر سے خون بہ

رہا تھا وہ نیم تاریکی میں چلی جا رہی تھی۔

اذیان اندر داخل ہوا اس کے پیچھے ملازمہ بھی تیزی سے آئی حیا کو اس حالت میں دیکھ کر اذیان کا سر چکرایا۔ وہ سمعان کو شدید طیش میں پہلی بار دیکھ رہا تھا اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ واقعی میں سمعان کے تاثرات عجیب تر تھے اس وقت اذیان کو بھی اس سے خوف آ رہا تھا وہ اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا کہ سمعان نے اسے سیڑھیوں سے دھکا دیا وہ خود کو سنبھال نہ پائی اور لڑھکتی ہوئی زمین پر آ گری ملازمہ دوڑتی ہوئی بے حس و حرکت پڑی حیا پر جھکی سمعان عجیب کشمکش میں مبتلا تھا اذیان بھی جیسے ہوش کی دنیا میں آیا۔

☆

سب پر انکشاف ہوا تھا سمعان کے متعلق جان کر کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا فرحان ملک کو رہ رہ کر اپنی بیگم پر غصہ آ رہا تھا جنہوں نے اتنی بڑی حقیقت ان سے چھپائے رکھی وہ سب ہاسپٹل میں بیٹھے حیا کے لئے دعا گو تھے اذیان کو کہیں سکون نہیں آ رہا تھا وہ روم کے آگے چکر کاٹ رہا تھا زرین مسلسل آنسو بہا رہی تھیں۔

''پیشنٹ کا بہت خون بہہ گیا ہے انہیں بلڈ کی ضرورت ہے آپ میں سے یا آپ کے جاننے والوں میں سے جس کا بلڈ او نیگیٹیو ہو اسے جلدی ہی لے آئیں''۔ ڈاکٹر بول کر آپریشن تھیٹر میں چلے گئے حیا کے سر میں کانچ بری طرح لگے تھے چہرے پر بھی بہت کروچیں آئی تھیں اذیان کی بھیگی شرٹ پر حیا کے خون کے دھبے پھیلے ہوئے تھے وہ اضطرابی کیفیت میں ٹہل رہا تھا چونکہ فرحان ملک کا بلڈ او نیگیٹیو تھا وہ فوراً نرس کے ساتھ چلے گئے۔ بیس منٹ بعد ڈاکٹر تھیٹر روم سے باہر نکلے سب نے انہیں گھیرے میں لے لیا سب انہیں پرامید نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''پیشنٹ اب خطرے سے باہر ہے''۔ ڈاکٹر یہ کہہ کر اپنے روم میں چل دیئے۔

☆

چھ ماہ کے بعد ماں نے حیا کو سمعان سے ڈائیورس دلوادی تھی لیکن حیا نہیں چاہ رہی تھی۔ اذیان ایک دن اس کے کمرے میں آیا تھا بھیگی بھیگی ایک سہ پہر تھی ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی کافی ٹھنڈ ہو گئی تھی وہ افسردہ سی بلیک شال اوڑھے کاریڈور میں آ کر کھڑی ہوگئی تھی کب اور کس وقت اذیان دبے قدموں اس کے پاس آ گیا تھا اسے پتہ نہیں چلا اس نے کندھوں پر ہاتھ رکھا تو وہ بری طرح سے چونک پڑی تھی۔

''اتنا کچھ ہو گیا تمہارے ساتھ میری ماں کی غلطی کی وجہ سے لیکن محبت امتحان لیتی ہے تمہاری قسمت میں سمعان اور تمہارا ساتھ یہی تک تھا میں تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنانا چاہتا ہوں''۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

''نہیں تم مجھ سے ہمدردی کر رہے ہو میرے چہرے پر تمہیں ترس آ رہا ہے''۔

''نو حیا! محبت شکل دیکھ کر نہیں کی جاتی مجھے آج بھی تم سے محبت ہے ایک پل کے لئے ہمدردی کا احساس نہیں جاگا ورنہ میں شاید تمہیں بتا دیتا کہ زندگی کے اس کٹھن راستے میں تمہیں اور مجھے اکیلے چلنا ہے کیوں نہ ہم ہاتھ پکڑ کر ساتھ چلیں کم آن حیا......'' حیا پتھر کی طرح بالکل خاموش ہو چکی تھی۔

''حیا پلیز......'' اس نے اسے جھنجھوڑ ڈالا حیا چونکی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''کم آن حیا''۔ وہ حیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کم آن حیا......'' وہ پھر التجا بھری آواز میں بولا تو حیا کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا تھا۔ باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی سے پھر بارش تیز برسنے لگی۔

☆

نائلہ طارق

ناولٹ

آغوش

وسیع و عریض رقبے پر پھیلے سبزے کے درمیان رات کے وقت سر اٹھائے کھڑی وہ شاندار سفید عمارت روشنیوں سے جگمگا رہی تھی' دائیں جانب قد آدم سائز کے پنجروں میں پالتو پرندوں کی تعداد قابل دید تھی' یہ

وہ جانور تھے جو کسی بھی عام انسان کی دسترس میں نہیں آ سکتے تھے' ان میں نمایاں طور پر وہ ہرن تھے جو نایاب نسل کے تھے' سفید بھی اور کالے بھی۔ اس کے ساتھ والے پنجرے میں وہ پانچ حسین و جمیل مور تھے اس وقت بھی وہ اپنے پنکھ پھیلائے رقص کرتے مست تھے۔ اگلے پنجرے میں تین اقسام کے بے بی ٹائیگرز کے جوڑے تھے جو ایک دوسرے سے الجھتے' اچھل کود کر رہے تھے۔ اس کے آگے بھی پنجروں کا اور قیمتی جانوروں کا سلسلہ تھا۔ عمارت کے بائیں جانب ایک سوئمنگ پول تھا' قریب ہی موجود اونچے شیڈ سے بھی چھوتی روشنی پول کے شفاف پانی میں اتر رہی تھی' شیڈ کے نیچے ہی بجے اسٹیریو سے انگلش نمبر کی ابھرتی مدھم لہریں سکوت کو توڑ رہی تھیں' دفعتاً ہی پول کے شیشے کی طرح جگمگاتے پانی کی سطح پر ہلکا سا ارتعاش ہوا تھا' پانی کی پرسکون گہرائیوں سے سطح پر نمودار ہو کر اس نے ایک گہری سانس لی تھی اور پیشانی پر چپکے بال دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی طرف ہٹاتے ہوئے اس خطرناک قسم کے شیپرڈ کو دیکھا تھا جو بھونکتا ہوا اسی جانب آ رہا تھا' بڑی مشاقی کے ساتھ وہ تیراک اب کنارے کی سمت بڑھ رہا تھا' بلیک شیپرڈ اب اس کے پیروں میں لوٹ رہا تھا جو پول کے کنارے چکنے فرش پر موجود تھا۔ سلیپرز پہننے کے بعد اس نے سرسری انداز میں شیپرڈ کے سر کو سہلایا تھا اور لونگ چیئر پر رکھا گاؤن اٹھا لیا تھا۔ چیئر پر نیم دراز ہوتے ہوئے اس نے اپنے بھیگے بال خشک کرنے کی کوشش نہیں کی تھی' بھیگے وجود سے ٹکراتی ہوا سے جو سکون حاصل ہو رہا تھا وہ کسی مصنوعی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ بند آنکھیں کھول کر اس نے اپنے ملازم کو دیکھا تھا۔ لیمن جوس کا گلاس ٹرے سے اٹھاتے ہوئے اس نے ملازم کو اسٹیریو آف کر دینے کی تاکید کی تھی اور دوبارہ اس شخص کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جو لمبے لمبے ڈگ بھرتا اسی جانب آ رہا تھا۔

''سر' انتظام مکمل ہو گیا ہے' [illegible] جانتا چاہتا تھا کہ آپ پہلے اس جگہ کا جائزہ لے لیتے' کیونکہ وہاں سیکورٹی اور سہولیات کا فقدان ہے بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے کہ وہ جگہ آپ جیسے انسان کے لائق نہیں ہے''۔

''خیام! مجھے صرف اپنے لیے کچھ وقت چاہیے' ایک طویل عرصے بعد میں دنیا کے اس اژدحام سے نکل کر خود کو تلاش کرنا چاہتا ہوں' مجھے سہولیات کی نہیں سکون اور آزادی کی خواہش ہے' سچ پوچھو تو مجھے اس مشینی زندگی سے فرار چاہیے ورنہ میں ڈپریشن کا پیشنٹ بن جاؤں گا''۔ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''میں جانتا ہوں سر! دن کے کئی گھنٹے میں آپ کے ساتھ رہتا ہوں' میں خود چاہتا ہوں کہ آپ کچھ عرصہ ذمہ داریوں سے دور آزادی کے ساتھ وقت گزاریں' آپ کو واقعی ریسٹ کی ضرورت ہے''۔

''میں کل ہی یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں' کل جب تم یہاں آؤ گے تو منیجر سے وہ ساری فائلیں لیتے ہوئے آنا' کچھ ضروری سائن کرنے ہوں گے''۔

''میں بالکل صبح حاضر ہو جاؤں گا' اب اجازت''۔

☆

بلیک مرسڈیز اندرون شہر کی جانب بڑھتی جا رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ آبادی بتدریج کم سے کم ہوتی جا رہی تھی' وہ ایک بنجر اور میدانی علاقہ تھا جس کے وسط میں وہ ایک منزلہ عمارت ایک بوسیدہ ڈبے کی مانند سر اٹھائے کھڑی تھی۔ گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے اردگرد کا جائزہ لیا تھا ہر سمت دھوپ پھیل چکی تھی' بوسیدہ سی اس عمارت کے دروازے پر اس وقت خیام کسی بوڑھے شخص سے بات کر رہا تھا جبکہ بوڑھے شخص کی نظریں اس پر ہی جمی تھیں جو ڈرائیور کی مدد سے ڈگی میں سے اپنے سوٹ کیس نکال رہا تھا۔

''آپ نے ان صاحب کے لیے کمرہ کرائے پر لیا ہے؟'' بے یقینی کے ساتھ بوڑھے شخص نے جھریوں بھرے ہاتھ کا چھجا آنکھوں پر رکھ کر دوبارہ اس شخص کو دیکھا تھا جینز کے ساتھ اس وقت بلیک [illegible] ڈھیلی ڈھالی سی شرٹ زیب تن کر رکھی تھی' سیاہ گاگلز آنکھوں پر لگائے وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا اسی جانب آ رہا تھا۔ وہ کوئی غیر ملکی باشندہ ہی نظر آ رہا تھا مگر اس کے جیٹ بلیک بال اس بات کی نفی کر رہے تھے۔

''معاف کرنا' میں کسی تنہا آدمی کو کمرہ کرائے پر نہیں دے سکتا''۔ بوڑھے شخص نے کہا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے خیام؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ جواباً خیام نے اسے بوڑھے کے اعتراض سے آگاہ کیا تھا۔

''تمہیں پہلے ہی ان کو باخبر کر دینا چاہیے تھا' بہرحال یہ جگہ مجھے پسند آئی ہے' اب مجھے یہیں رہنا ہے''۔ خیام سے مخاطب ہو کر اس نے بوڑھے کو دیکھا تھا۔

''آپ کو میری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہو گی' کمرے کے چارجز ڈبل ہو جائیں گے یا پھر جتنی رقم آپ چاہیں مگر اب میں انکار نہیں سنوں گا''۔ اس کے سنجیدہ لب و لہجے میں کچھ ایسی وارننگ چھپی تھی کہ بوڑھے شخص کی زبان بند ہو گئی تھی۔

''یہاں ضرورت کی تقریباً ہر چیز موجود ہے' امید ہے کہ یہاں آپ کو تکلیف نہیں ہو گی''۔ خیام اس سے مخاطب ہوا تھا جو اس چھوٹے سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

''یہاں بہت پراسرار سی خاموشی ہے' میرے اعصاب یہاں آتے ہی پرسکون ہو گئے ہیں' معلوم نہیں تم نے کتنی تگ و دو کے بعد یہ جگہ میرے لیے ڈھونڈی ہے' مجھے ہمیشہ فخر رہے گا کہ اپنے پرسنل سیکریٹری کے طور پر میں نے تمہیں چنا تھا''۔ اس نے توصیفی لہجے میں کہا تھا۔

''آپ کی یہ تعریف میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے''۔ خیام مودب لہجے میں بولا تھا۔

''میں یہاں سے [illegible] تم سے رابطے میں رہوں گا' تمہارے علاوہ میں کسی سے کنیکٹ نہیں ہونا چاہوں گا''۔ خیام کو رخصت کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''مجھے یاد ہے آپ جب بلائیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا''۔

بیرونی دروازہ مقفل کرنے سے پہلے اس نے ساتھ والے گھر کے دروازے پر لٹکے تالے کو دیکھا تھا۔ واپس کمرے میں آ کر اس نے نئے سرے سے جائزہ لیا تھا' ضرورت کے مطابق مختصر فرنیچر کے باوجود کمرے میں چلنے پھرنے کیلئے بہت زیادہ جگہ نہیں بچی تھی' لکڑی کا دروازہ کھولتا وہ گیلری میں آیا تھا۔ یہ حصہ مختصر نہیں تھا یہاں آرام سے چہل قدمی کی جا سکتی تھی' گیلری ہر طرف سے آہنی جالیوں سے کور تھی اس لیے کوئی ان سیکورٹی نہیں تھی۔ گہری سانس لے کر اس نے نظروں کی حد تک پھیلے اس بنجر میدان کو دیکھا تھا جہاں اس وقت ہو کا عالم تھا۔ کچھ چونک کر وہ دائیں جانب بڑھا تھا' ساتھ والے گھر کی گیلری آہنی جالیوں کے پار اسے صاف دکھائی دے رہی تھی کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ ایک ہی گھر کو دیوار اٹھا کر دو پورشن میں بدلا گیا تھا' ساتھ والے پورشن کی گیلری سے اسے یہ اندازہ ہوا تھا کہ اس کے پورشن کے مقابلے میں وہ حصہ کافی چھوٹا تھا' وہاں کسی ذی نفس کے آثار اسے دکھائی نہیں دے رہے تھے' دوسری بات یہ کہ گیلری سے آگے اسے مزید کچھ دکھائی دینا بھی مشکل تھا۔ یقیناً وہاں کوئی نہیں تھا اسے یاد آیا تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے ساتھ والے گھر کے بیرونی دروازے پر بھاری تالا لٹکا دیکھا تھا۔

☆

شدید گھٹن کے باعث اس کی نیند ٹوٹی تو خود کو گھپ اندھیرے میں گھرا ہوا پایا۔ موبائل فون کی روشنی میں ایمرجنسی لائٹ اس نے تلاش کی تھی' تاریکی دور ہوئی تو گھٹن کا احساس کم ہوا تھا' اس وقت رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے اور اسے سوتے ہوئے شاید ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا۔ اسے یاد تھا خیام کے جانے کے بعد کمرے میں اپنی مرضی سے چیزوں کو ادھر ادھر سیٹ کرتا رہا تھا۔ باتھ لینے کے بعد وہ اطمینان کے ساتھ اپنے ساتھ لائے

سی ڈیز کے کلیکشن کو چیک کرتا رہا تھا' مووی دیکھنے کے ساتھ ساتھ کھانا پینا بھی چلتا رہا تھا' سونے سے پہلے وہ کافی دیر تک اپنے لیپ ٹاپ میں بھی مصروف رہا تھا اور جب سونے کے لیے تکیے پر سر رکھا تو ایسی شاندار نیند کا غلبہ ہوا جو اس سے پہلے کبھی اس پر طاری نہیں ہوا تھا' یہ غلبہ اس وقت بھی قائم تھا حالانکہ ڈنر اس نے لائٹ ہی کیا تھا مگر بعد میں سینڈوچز بھی لئے تھے شاید یہ اسی کا اثر تھا کہ گرمی محسوس کرنے کے باوجود اس کی آنکھیں دوبارہ بند ہوتی چلی گئی تھیں' تب ہی اس سوئی جاگی کیفیت میں اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ نیم وا آنکھوں سے اس نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا تھا مگر ہر سمت جامد خاموشی تھی جس میں اسے اپنی سانسوں کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی' اپنے وہم کو اس نے جھٹکنا چاہا تھا جب یکدم ہی وہی مدھم آواز ابھری تھی اس کی ساری حسیں بیدار ہو گئی تھیں' اس کی سماعتوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا' بہت قریب ہی کہیں سے اسے کسی بہت چھوٹے بچے کے رونے کی آوازیں آئی تھیں اور ان آوازوں کے درمیان ہی مدھم سی چھن چھن بھی سنائی دے رہی تھی یہ چوڑیوں کے چھنکنے کی آوازیں تھیں' یہ دو مختلف قسم کی آوازیں بہت مدھم تھیں اور وقتاً فوقتاً ابھر رہی تھیں' ساکت لیٹا وہ ان آوازوں کی سمت کا تعین کرتا رہا تھا۔ اجنبی جگہ' اجنبی ماحول' رات کی بھیانک تاریکی اور تنہائی...... وہ مضبوط اعصاب کا مالک حقیقت کی دنیا میں رہنے والا بندہ تھا مگر اس چیز سے بھی انکاری نہیں تھا کہ اس قسم کی غیر آباد سنسان جگہوں پر پیرانارمل ایکٹیویٹیز کا وقوع پذیر ہونا ممکن ہو سکتا ہے' ہلکا سا خوف اس کے دل میں جاگا تھا مگر اپنے قدم نہیں جما سکا تھا کہ وہ آوازیں آہستہ آہستہ غائب ہو گئی تھیں مگر اس وقت تک وہ یقین کر چکا تھا کہ دیوار کے دوسری جانب کوئی مخلوق موجود ہے... کچھ دیر بعد اسے آ گئی تھی... قل اسپیڈ میں چلتے پنکھے... سینے میں شر ابور وجود سے نکرائی ہوائیں کس وقت نیند کی

گہرائیوں میں لے گئی تھی۔

☆

دن چڑھے تک وہ بیدار ہوا تو گزری رات کے ان پراسرار لمحوں کا شائبہ تک ذہن میں نہ تھا۔

چائے کا مگ ساتھ لیے وہ گیلری میں آیا تو گرم ہوا کے جھونکوں نے استقبال کیا تھا۔ گرلز کے قریب جاتے ہوئے وہ یکدم ہی ٹھٹک کر رکا تھا' ساتھ والی گیلری میں اسے ایک بچہ دکھائی دیا تھا جس کی بلند قلقاریوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا' حیرانگی کے ساتھ درمیانی گرلز کے پاس بیٹھے بچے کو دیکھتا وہ آگے بڑھا تھا اور دیکھنے کی کوشش کی تھی کہ اس بچے کے علاوہ بھی کیا وہاں کوئی موجود ہے؟ دوسری جانب وہ بچہ جو اپنا کھلونا گرلز پر بجاتا خود ہی خوش ہو رہا تھا اب سر اٹھائے اپنی معصوم آنکھیں پھیلائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں تک وہ گیلری میں کسی کی آمد کا منتظر رہا تھا مگر پھر پنجوں کے بل گرل کے قریب بیٹھ گیا تھا' وہ بری طرح دنگ ہوا تھا جب اس کی نظر بچے کے پیر پر پڑی تھی' ایک نائیلون کی رسی اس کے پیر سے باندھ کر دوسرا سرا گرلز کی جالیوں میں باندھا گیا تھا۔ بچے کے گرد پلاسٹک کے کچھ کھلونے اور خالی ڈبے بکھرے تھے شاید اسے مصروف رکھنے کے لیے اور اس کا پیر رسی سے شاید اس لیے جکڑا گیا تھا تاکہ وہ اس جگہ سے کہیں اور نہ جا سکے' غوں غاں کرتا وہ بچہ بمشکل سال بھر کا ہوگا۔ جہاں اسے بچے کی حالت پر ترس آیا تھا وہیں اس کی بڑی بڑی آنکھوں' خوبصورت نقوش اور معصوم حرکتوں نے اس کے دل کو بچے کی طرف بہت زیادہ مائل کر دیا تھا۔ بغور اور خاموشی سے وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اب درمیانی جالی سے اپنا ننھا سا ہاتھ بڑھاتا اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا' بے اختیار ہی اسے بچے پر... آتا چلا گیا تھا' اس کا ہاتھ چومتے ہوئے وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس سے پہلے کیا ایک بار بھی اس نے کسی بچے کو اتنی توجہ سے دیکھا ہوگا یا کسی بچے کو اس طرح پیار کرنے کی خواہش اس میں

جاگی تھی' جیسی اس وقت بیدار ہو رہی تھی۔ اسے نہیں یاد کہ راہ چلتے ہوئے بھی اس نے ایک کے بعد دوسری نظر کسی بچے پر ڈالی ہو' اسے بچوں میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی مگر اس ہمکتے بچے کے لیے اچانک دل میں کیوں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا؟ وہ نہیں جاننا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس گھر میں وہ بچہ تنہا تھا اور اس بات کے لیے وہ بہت زیادہ حیران اور الجھا بھی تھا کہ کیسے ماں باپ ہوں گے جو اتنے چھوٹے بچے کو تنہا چھوڑ گئے' بہرحال اس کی یہ غلط فہمی دور ہو گئی تھی کہ ساتھ والا گھر غیر آباد ہے۔

وہ دونوں اس وقت تنہا تھے اس لیے دونوں کی ہی دلچسپی ایک دوسرے میں بڑھ گئی تھی۔ بچے کی اوٹ پٹانگ حرکتوں پر وہ کئی بار مسکرایا تھا' دل سے ہنسا تھا' بچے کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کیلئے اس نے شاید ایک طویل عرصے کے بعد وسلنگ کی تھی' چٹکیاں بجائی تھیں' اس بچے کو خوش رکھنے کیلئے اس کے کھیل میں شریک رہنا اسے دنیا کا سب سے خوبصورت اور دلچسپ کام لگ رہا تھا۔ وقت گزرنے کا بالکل بھی اندازہ نہیں ہوا تھا' کافی دیر گزرنے کے بعد اسے لگا تھا کہ بچے کی دلچسپی کھیل سے ختم ہو رہی ہے' شاید وہ تھک گیا تھا یا پھر اسے بھوک لگ رہی تھی' اگلے چند لمحوں میں وہ واقعی منہ بسورتا رونا اسٹارٹ کر چکا تھا' دوسری جانب اسے بہلانے کی کوشش کرتا وہ چونکا تھا جب بچے نے قریب ہی اوندھی پڑی دودھ کی بوتل اٹھانے کی کوشش کی تھی جس پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں' جالی کے پاس اس کا ہاتھ بوتل تک پہنچ سکتا تھا سو بچے سے پہلے ہی اس نے بوتل اٹھا لی تھی جس پر بچہ کھسیا کر رونا مزید بلند کر گیا تھا۔

''میں اسے واش کر کے لاتا ہوں' یہ گندی ہو چکی ہے''۔ وہ اس طرح بچے سے مخاطب ہوا جیسے وہ اس کے سمجھانے سے سمجھ جائے گا۔

بچے کی بھوک نے اسے بھی بے چین کر دیا تھا' سرعت سے وہ کچن تک آیا تھا۔ وہ ایک سستا سا فیڈر تھا جسے دھونے سے پہلے اس نے کیپ احتیاطاً ہٹا کر دیکھا تو اس کا شک درست نکلا' بدبو کے بھبکے بوتل میں سے نکلے تھے' پتا نہیں وہ دودھ کتنا پرانا تھا' خراب ہو کر زہر بن جانے والے دودھ نے اس بچے کا حال خراب کر دیا تھا' معلوم نہیں وہ کس قسم کے بے حس' لاپرواہ انسانوں کا بچہ تھا؟ بوتل کا دودھ پھینک کر اسے دھوتے ہوئے وہ غصے اور تاسف میں مبتلا ہونے لگا تھا۔ بچے کے رونے کی مستقل آوازوں نے اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا لیکن پھر بھی برق رفتاری سے اس نے فریج سے دودھ کا پیکٹ نکالا تھا' برتن میں اسے نیم گرم کیا تھا' اس کام کا اسے تجربہ کوئی نہیں تھا اس لیے اپنا ہاتھ بھی جلا بیٹھا تھا مگر بچے کی بلبلاتی چیخوں نے اپنی تکلیف کو بھلا دیا تھا۔ فیڈر تیار کر کے وہ بھاگتا ہوا گیلری میں پہنچا تھا' اس کے دل کی کیفیت عجیب ہوئی تھی جالیاں پکڑے روتا بچہ اسے واپس آتے دیکھ کر بے تابی سے ہاتھ ہلاتا اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا مگر ہچکیوں اور آنسوؤں کے ساتھ۔ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ فیڈر کے اردگرد رکھے بچہ فیڈر پیتے ہوئے دھیرے دھیرے اپنی لانبی پلکیں جھپکتا جالیوں سے لگے اس کے چہرے کو تک رہا تھا' دوسری جانب اسے درمیانی جالیوں کی رکاوٹ اب اور ناگوار گزر رہی تھی' وہ بچے کو اپنے ہاتھوں میں اٹھانا چاہتا تھا مگر یہ ناممکن تھا' بہرحال اس نے بچے کے باریک ریشمی بالوں والے سر کو اپنے ہاتھ کی چوڑی ہتھیلی پر رکھ لیا تھا تاکہ وہ آرام سے لیٹا پیٹ پوجا کرتا رہے مگر اس دوران بھی وہ شانت نہیں تھا' کبھی آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا' اڑتی چیلوں کا حال چال پوچھتا اور کبھی اپنا پیر جالی پر مار کر اسے ڈرانے کی کوشش کرتا' کھلکھلا کر ہنستا۔ ڈھلتی دوپہر کی پرسکون مدھم ہوا میں وہ اس کے معصوم چہرے کو ہی دیکھ رہا تھا جو اب بے خبر سو رہا تھا۔ دھیرے سے اپنا ہاتھ بچے کے سر کے نیچے سے نکالتے ہوئے وہ اب پوری سنجیدگی کے ساتھ گرلز کا جائزہ لے رہا تھا' زنگ آلود جالیوں کو اس طرح جگہ سے ہٹانا کہ کسی کی

میں نہ آ سکے یہ بہت مشکل کام نہیں لگ رہا تھا' بہت احتیاط اور کچھ زور آزمائی کے بعد وہ جالیوں کو اس حد تک کھول چکا تھا کہ ایک چھوٹا بچہ آر پار ہو سکے' وہ اب باآسانی بچے کو اپنے قریب کر سکتا تھا مگر اس کی نیند ڈسٹرب نہ ہو اس لیے اس کے جاگنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔ اسے واقعی خود پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح ایک بچے کے لیے حساس ہو رہا ہے' وہ جو اپنے ایک ایک منٹ کو قیمتی تصور کرتا تھا' کس طرح اپنا طویل وقت ایک بچے پر خرچ کر گیا ہے' کوئی کشش کوئی طاقت تھی اس بچے میں جس نے ایک اونچے پورے مرد کو اپنا تابعدار بنا لیا تھا۔ کچھ وقت مزید گزرا تھا جب اچانک اسے ایک آہٹ نے چونکایا تھا۔ برق رفتاری سے وہ جالیوں کے اکھڑے حصے کو واپس ٹھیک کرتا دیوار کی اوٹ میں ہو اٹھا۔

''گوشی......'' نسوانی پکار اور قدموں کی آہٹیں مزید قریب آئی تھیں۔ چند لمحوں بعد اس نے دیکھا نائلون کی رسی تو پڑی تھی مگر اس میں بچے کا پیر نہیں تھا' وہ عورت بچے کو ساتھ لے کر اندر جا چکی تھی۔

☆

باہر اندھیرا پھیل چکا تھا جب چہل قدمی کے لیے باہر جانے کے ارادے سے وہ اٹھا تھا۔ دروازہ بند کر کے سیڑھیوں کی جانب بڑھتا وہ حیران نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جو بڑی سی جھاڑو سے کچرا سمیٹ کر سیڑھیوں کی طرف لے جا رہی تھی' جگہ بہت تنگ تھی' اس عورت کی موجودگی میں وہ آگے نہیں بڑھ سکتا تھا سو اس کے عقب میں رُکا انتظار کرنے لگا تھا' تب ہی اچانک وہ عورت الٹے قدموں پیچھے ہٹی کچھ اس طرح اس کی طرف پلٹی تھی کہ درمیان میں ایک قدم کا فاصلہ بھی نہیں رہ گیا تھا' وہ خود اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکا تھا' دوسری جانب وہ بھی اپنی حیران آنکھیں کھولے سر اٹھائے ساکت کھڑی رہی تھی مگر اگلے ہی پل تیوریاں چڑھائے سرعت سے سامنے سے ہٹی تھی جبکہ نظر چراتا وہ لڑکے

بغیر سیڑھیاں اترتا چلا گیا تھا۔ نیچے کچے صحن میں وہ بوڑھا شخص کوئی کرسی مرمت کرتا نظر آیا تھا۔

''دس بجے تک دروازہ بند ہو جائے گا''۔ بوڑھے کی ناگوار آواز پر وہ بس ایک پل کو رک کر متوجہ ہوا تھا مگر پھر خاموشی سے باہر نکل گیا تھا۔ اطراف کا جائزہ لیتا وہ ٹہلتا ہوا مکان کے عقب میں آیا تھا نظریں اوپر ہی تھیں۔ چاند کی مدھم روشنی میں وہ بچے کو کندھے سے لگائے ٹہل رہی تھی' پرسکون رات کی کھلی فضا میں وہ مزید تھوڑا آگے گیا تھا مگر پھر بوڑھے مالک مکان کی تنبیہ یاد آنے پر واپس پلٹا تھا۔ گیلری میں وہ اب تک بچے کو تھپکتی اِدھر سے اُدھر چکر لگا رہی تھی' بہت اچھی طرح وہ اس کی چبھتی نظریں خود پر محسوس کر گیا تھا۔

☆

ایک نگاہ ساتھ والی گیلری پر ڈال کر وہ دوبارہ میدان میں دور نظر آتیں خاردار جھاڑیوں کی طرف متوجہ ہوا تھا اور دوربین آنکھوں سے لگالی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ آج وہ بچے کو اپنے پاس لے آئے گا مگر کل کی طرح آج بھی یہ نہ ہو سکا تھا' بچے کی ماں آج گھر میں ہی تھی' اس کی ڈانٹ ڈپٹ کی آوازیں جو مسلسل سنائی دے رہی تھیں' البتہ یہ اچھا ہوا تھا کہ بچہ گیلری میں تین چار بار آ کر دیدار کروا گیا تھا۔ وہ اس کی ماں کے خوف سے چھپ کر اسے پیار اور اس سے باتیں کرتا رہا تھا' کچھ چونک کر وہ دوبارہ دائیں جانب متوجہ ہوا تھا' اس کی پشت پر بھیگے بالوں سے پانی کے قطرے تواتر سے پھسل رہے تھے' چادر رسی پر پھیلاتی وہ بالکل اس کی موجودگی سے لاعلم تھی جبکہ نظروں کا زاویہ بدلتا وہ پلٹ کر کمرے کی سمت بڑھا تھا مگر اسے تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف جانا پڑا تھا۔ خوشگوار حیرت کے ساتھ اس نے بچے کو دیکھا تھا جو زمین پر ہی بیٹھا دروازے پر ہاتھ مار رہا تھا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہ اسے ہاتھوں میں اٹھا چکا تھا بالکل پھول جیسا وزن تھا اس کا۔

''تمہارا نام گوشی ہے''۔ اسے گدگداتے ہوئے وہ

بے اختیار اس کے چہرے کو چوم رہا تھا تب ہی کچھ گڑبڑا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو پیشانی پر بل ڈالے خونخوار نظروں سے اسے گھورتی قریب آئی تھی اور چھیننے والے انداز میں بچے کو اس کی گود سے لیتی واپس گئی تھی' دوسری جانب وہ بند دروازے کو دیکھتا بے تحاشا شرمندگی اور خفت میں مبتلا ہوا تھا۔

☆

رات کا آخری پہر شروع ہو رہا تھا شاید جب وہ کمرے سے باہر آیا تھا۔ پورے چاند کی تیز روشنی ہر سمت پھیلی تھی' ٹھنڈے فرش پر چہل قدمی کرتے ہوئے اس نے ایسے ہی جالیوں کے پاس نظر ڈالی تھی جہاں نمایاں منظر نے اسے ساکت کر دیا تھا۔ گمبھیر خاموشی اور ہوا کی سرسراہٹوں میں اس کی نظریں سیاہ لباس میں قید اس خوابیدہ وجود پر ساکت تھیں جس پر چاند کی ٹھنڈی سفید کرنیں براہ راست نچھاور ہوتیں اس کے نازک وجود کو خیرہ کن بنا رہی تھیں۔ وہ غیر مہذب نہیں تھا مگر پھر بھی بند کتاب میں چھپے اسرار و رموز کی جانب مائل ہونے سے خود کو روک نہیں سکا تھا۔ نیند میں بے سدھ وہ چہرہ صحرا کی رات میں کھلے سنہری گلاب جیسا تھا جس کے پیچ و خم میں الجھتا وہ بے حس و حرکت ہو گیا تھا' ہوا کا ایک تیز جھونکا اسے کچھ ہوش میں لایا تھا' اس کی متلاشی نظروں نے گوشی کو دیکھا تھا جو سنگ مرمر جیسے ترشے پہلو میں ہی دبکا سو رہا تھا جبکہ اس کے ننھے وجود کے گرد چوڑیوں سے سجے دودھیا سڈول بازو کا حصار بندھا تھا' اگر وہ مصور ہوتا تو اسی وقت یہ حسین منظر کینوس پر منتقل کرتا' جس میں ساری دنیا کی خوبصورتی' سچائی اور استحقاق کے رنگ بھرے تھے' وہ رنگ جس میں حسن زن توبہ شکن تھا' وہ رنگ جس میں ایک بچہ ساری دنیا سے بے نیاز اپنی ماں کے حصار میں خود کو محفوظ تصور کر رہا تھا' وہ رنگ جس میں آسمان پر چمکتا چاند خود ان دونوں کی پہرے داری کر رہا تھا اور چاندنی ان کا طواف۔

عجیب سے ٹرانس میں گھرا وہ واپس کمرے میں آ گیا تھا مگر اس رات وہ ٹھیک طرح سو نہیں سکا تھا۔

☆

شہاب شیر افگن' کاروباری دنیا کا ایک نمایاں نام۔ ایک سے زائد ملیں اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھیں' اس کے علاوہ چند سال پہلے اس نے ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی کی بنیاد رکھی تھی اور ان سب ذمہ داریوں کو وہ نہایت کامیابی اور توازن کے ساتھ لے کر مزید اونچائیوں کی جانب محو پرواز تھا اور ظاہر ہے اس کے لیے اسے اپنے دن رات ایک کرنے پڑے تھے۔ عمر کے چھتیس سال مکمل کرتے ہوئے اس کی زندگی میں شہرت' دولت اور عورت جیسی کسی بھی چیز کی نہ کوئی اہمیت رہی تھی نہ ان میں دلچسپی۔ زندگی کا ایک بڑا حصہ اس تگ و دو میں وقف کر دینے کے بعد یہ سب واقعی اس کے لیے چیزیں ہی بن کر رہ گئی تھیں۔ قدرت ہمیشہ اس پر مہربان رہی' اس نے جو چاہا اسے حاصل کیا' اب اس کے لیے درست راستہ اختیار کرنا پڑا یا غلط...... اہم بس یہ رہا کہ حاصل کرنا ہے۔ گزشتہ پانچ سالوں میں کام اس کے لیے آکسیجن بن چکا تھا مگر کچھ دنوں سے ہوتے ڈپریشن کے حملوں نے اسے بری طرح متاثر کیا تھا' اس کے لیے مشکل نہیں تھا ملک سے باہر جانا یا کسی پرفضا مقام پر جا کر چھٹیاں گزارنا مگر کاندھوں پر موجود ذمہ داریاں اور بزنس کے بکھیڑوں کو پھینک کر وہ ملک تو کیا شہر سے بھی باہر نہیں جا سکتا تھا کم از کم فی الوقت تو یہ ممکن نہیں تھا مگر کچھ وقت کے لیے ان جھمیلوں سے علیحدہ ضرور ہو سکتا تھا۔ اپنے ہیلتھ انسٹرکٹر کے مشورے پر اس بات پر اس نے سنجیدگی سے عمل کر لیا تھا۔ یہ جگہ اس کی دنیا سے بہت الگ تھی' آسائشوں کے بغیر یہاں رہنا اس کیلئے ایک تجربہ ہی تھا' اسے امید تھی کہ اپنی دنیا سے کٹ کر یہاں اس کے پندرہ دن اچھے گزر سکتے ہیں۔

☆

آج بھی نیند ٹوٹنے کی وجہ گوشی کی ابھرتی آوازیں تھیں جس نے ساری کسلمندی دور کر دی تھی۔ جالیوں

کے پاس ہی بیٹھا وہ شہاب کو دیکھتے ہی قلقاریاں مار کر اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگا تھا۔ جالیوں کا اکھڑا حصہ کھولنے سے پہلے اس نے یقین کرلیا تھا کہ گوشی کی ماں گھر میں موجود نہیں ہے ویسے بھی گوشی کا رسی میں بندھا پیر اس بات کا ثبوت تھا۔ رسی سے گوشی کو آزاد کرواتا وہ اسے گود میں اٹھائے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

اپنے لیے ناشتہ تیار کرتے ہوئے آج بھی اسے گوشی کو گود میں اٹھائے رکھنا پڑا تھا کیونکہ زمین پر اسے چھوڑنا قیامت تھا جو شہاب بھگت چکا تھا۔ گھٹنوں کے بل چلتا وہ بیڈ کے نیچے' کبھی کرسی کے نیچے خود ہی جا کر پھنس جاتا اور رونا شروع کر دیتا' سامنے آتی ہر چیز وہ بس کھا جانے کی کوشش کرتا' سیل فون' لیپ ٹاپ' ریموٹ' سی ڈیز' میگزین وغیرہ ان سب کے ذائقے گوشی چکھ چکا تھا' اگر اس کے دانت ہوتے تو یقیناً ان سب کو وہ چبا بھی لیتا۔ وہ بہت چھوٹا تھا مگر بہت ایکٹیو اور بہت ہوشیار اور کچھ ضدی بھی' شاید سب بچے ایسے ہوتے ہوں گے۔ شہاب کو بالکل بھی بچوں کی سائیکی کے بارے میں کچھ نہیں پتا تھا۔ ناشتے کے لوازمات دیکھ کر وہ بغیر کسی دعوت کے شہاب کی گود میں آ بیٹھا تھا' اسے ہر وہ چیز کھانے کے لیے چاہیے تھی جو شہاب کو وہ کھاتے دیکھ رہا تھا مگر شہاب کو اس کی صحت اور عمر کا خیال رکھنا ہوتا تھا یہ اور بات کہ خواہش پوری نہ ہونے پر وہ اس کی گود میں ہی پچھاڑیں کھانا شروع کر دیتا تھا لہٰذا اسے راضی کرنے کے لیے شہاب کو کسی نہ کسی طریقے سے حکم کی تعمیل کرنی پڑتی تھی۔

سارا وقت وہ گوشی کو گود میں اٹھائے چھوٹے چھوٹے کام نبٹاتا رہا تھا' اس کے ساتھ کھیلتا بھی رہا یہاں تک کہ وہ اس کی گود میں ہی سو گیا تھا۔

وہ دونوں [illegible] چکے تھے شہاب کو اندازہ تھا کہ گوشی کی ماں [illegible] [illegible] اور واپس آنے سے پہلے [illegible]

ضروری بھی تھیں تاکہ اس کے آنے سے پہلے گوشی کو واپس اس کے پورشن میں منتقل کر سکے' حالانکہ اب شہاب سے علیحدہ ہوتے ہوئے گوشی نے احتجاج کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ تو اپنی ماں کی موجودگی میں بھی جالیوں کے قریب آ جاتا' اس کی آوازوں پر شہاب کو گیلری میں دوڑنا پڑ جاتا مگر وہ اس کی خواہش کے مطابق اسے خفیہ راستے سے اپنے قریب نہیں کر سکتا تھا' جس پر گوشی کا جھنجلانا لازمی ہوتا' ایسے میں اس کی ماں وہاں آ جاتی' شہاب کو اِدھر اُدھر ہونا پڑتا' وہ کھول کر رہ جاتا جب گوشی کی ماں اس کے رونے پر اسے دو چار دھموکے جڑتی وہاں سے کھینچتی اندر لے جاتی' گوشی کی دھاڑوں پر شہاب بس بے چین ہی ہو کر رہ جاتا۔ آج بھی وہ عورت گھر میں ہی تھی' اسے یقین تھا کہ گوشی کو بھی اپنی ماں کی موجودگی گراں گزر رہی ہوگی' گوشی کی بلبلاتی آوازوں پر وہ سرعت سے باہر آیا تھا۔

''کھاؤ گے اب مٹی...... کھاؤ گے اب......''

طمانچوں سے اس معصوم کا چہرہ سرخ کرتی وہ چلا رہی تھی۔

''جاہل عورت! ڈھنگ کی غذا اسے نہیں دو گی تو وہ مٹی کھا کر ہی پیٹ بھرے گا''۔ شہاب دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا آگے بڑھا تھا۔

''کیا میں آپ سے کچھ بات کر سکتا ہوں؟''

شہاب کی مداخلت پر وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''کیا بات کرنی ہے؟ کون سے راز و نیاز بتانے ہیں؟ ایک اکیلی عورت تنہا نظر آئی نہیں کہ سب اسے اپنے باپ کا مال سمجھ کر ہاتھ صاف کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ جا کر اپنی ماں سے بات کرو' اس کے قدموں میں [illegible] [illegible] [illegible]

''[illegible] آپ غلط سمجھ رہی ہیں' میں تو صرف

آپ سے یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ نے مکان مالک سے میری شکایت کس بنیاد پر کی ہے؟ میں نے آپ کو کیا تکلیف پہنچائی ہے؟'' بمشکل درمیان میں اسے روکتا وہ ضبط کیے بولا تھا۔

''یہ تکلیف کیا کم ہے کہ تم جیسے چھڑے چھانٹ کو میرے برابر میں لا بٹھایا ہے' میں بھی کرایہ دے کر یہاں رہتی ہوں' اکیلی عورت ہوں' چھوٹا سا بچہ ہے میرا' جب روپے دے کر بھی یہاں تحفظ نہیں ملے گا تو کیا بوریا بستر سمیٹ کر میدان میں جا بیٹھوں؟'' وہ اسی طرح بھڑکتی چیخ رہی تھی۔

''میں نے آپ کے تحفظ کو کب نقصان پہنچایا جو آپ مجھ پر یہ الزام لگا رہی ہیں؟'' شہاب بری طرح دنگ تھا۔

''ٹھیک الزام لگا رہی ہوں' آدھی آدھی رات تک اونچی آواز میں ٹی وی چلتا ہے' انگریزی گانے سنے جاتے ہیں۔ تم بازار سے اٹھ کر آئے ہو گے مگر یہ شریفوں کا گھر ہے''۔

''آپ حد سے زیادہ بڑھ رہی ہیں' اپنے پورشن میں رہ کر میں آپ کی مرضی پر نہیں چل سکتا' مجھے یہاں اپنی مرضی سے رہنے کا حق ہے' مفت میں' میں بھی یہاں نہیں رہ رہا''۔ سرخ چہرے کے ساتھ وہ ناگواری سے بولا تھا۔

''میری بلا سے کرایہ دو یا مفت میں رہو مگر میرے کام میں تو دخل اندازی نہ کرو' میرے بچے کے پاس کھیلنے کے لیے ایک یہ گیلری ہے' تم یہاں بھی اسے تنگ کرتے ہو' مجھے اپنا کام چھوڑ کر بھاگ بھاگ کر یہاں آنا پڑتا ہے''۔

''آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ وہ بچہ ہے اس پر صرف [illegible] سکتا ہے' میں نے ہرگز اسے کبھی تنگ نہیں کیا''۔ وہ [illegible] کر [illegible] تھا۔

''[illegible] تو اپنے بچے [illegible] لے [illegible] دار جو میرے بچے کو اب ہاتھ لگایا اسے نظر بھر

کے بھی دیکھا''۔ خونخوار لہجے میں بولتی وہ سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

شہاب کی رگوں میں خون کھول اٹھا تھا مگر اپنی طرف بڑھتے گوشی کے آنسوؤں سے تر چہرے نے اسے کسی شدید ردعمل سے روک لیا تھا۔ گوشی کے پھول سے چہرے پر چھپے انگلیوں کے سرخ نشانوں کو چھوتے ہوئے اس کا دل چاہا للکار کر اس بے حس عورت سے پوچھے کہ وہ کیسی ماں ہے؟ اتنی بے دردی سے اپنے بچے کو مارتے ہوئے ذرا بھی اس کا دل نہیں تڑپتا۔

کچھ ہی دیر میں وہ گوشی کو بہلانے میں کامیاب ہو گیا تھا' تب ہی وہ عورت دوبارہ آ دھمکی تھی' اس بار شہاب نے اس کے بگڑے تیوروں کی پروا نہیں کی تھی۔

''ایک بات سمجھ نہیں آتی تمہیں؟'' وہ فیصلے انداز میں چیختی قریب آئی تھی اور ایک جھٹکے سے گوشی کو اٹھاتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چاکلیٹ چھین کر شہاب کی طرف اس طرح پھینکی کہ اگر جالیاں درمیان میں نہ ہوتیں تو وہ چاکلیٹ اس کے چہرے پر لگتی۔

''میرے بچے کو یہ خیرات دوبارہ مت دینا سمجھے''۔ وہ غرائی تھی۔

''تو پھر کھانے دو اسے مٹی' کیوں روکتی ہو؟'' سرخ چہرے کے ساتھ بول کر وہ وہاں رکا نہیں تھا۔ وہ دوبارہ اس بدتمیز عورت کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا' پہلے ہی بوڑھے مالک مکان کی تنبیہ وہ کس طرح برداشت کر سکا تھا وہ ہی جانتا تھا۔ اس عورت اور بوڑھے کو اگر اس نے برداشت کیا تو صرف اس لیے کہ وہ سکون سے یہاں بقیہ دن گزارنا چاہتا تھا۔

کمرے میں شدید قسم کا حبس محسوس ہو رہا تھا۔ ٹی وی آف کرتا وہ گیلری میں آ گیا تھا۔ سامنے ویران بیابان میدان چاند کی روشنی میں انتہائی پُراسرار لگ رہا تھا مگر اس کی ساری توجہ درمیانی گرلز پر مرکوز تھی' اس عورت کی چیختی حس کو سلام پیش کرتا وہ جالیوں کی طرف

ہ حاتھا جہاں دوسری طرف سے ایک بڑی سی چادر پردہ رکھنے کے لیے جالیوں سے باندھ دی گئی تھی مگر ہوا سے پھڑ پھڑاتی چادر اس کی آنکھوں پر بند نہیں باندھ سکتی تھی۔ اوندھا لیٹا گوشی بے خبر سو رہا تھا جبکہ اس کے قریب ہی موجود وہ دوسری طرف کروٹ لئے سو رہی تھی۔ شہاب کی نظریں اس کی پشت پر ہوا کے جھونکوں سے بکھرتے بالوں سے پھسلتی اس کے پیروں تک اور پھر دوبارہ سفر کرتیں اوپر پہنچی تھیں۔ آج پھر شہاب کے لئے ناممکن تھا یہ یقین کر لینا کہ وہ ایک بچے کی ماں ہے' وہ دنیا دیکھ پرکھ چکا تھا' تجربہ کار تھا' عورت اس کے لیے کوئی ایڈونچر نہیں رہی تھی اسی لیے اس عورت پر اس کا شک پختہ ہوتا جا رہا تھا۔

☆

جالیوں کے قریب ہی وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا دوسری جانب موجود گوشی کے ہاتھ پکڑ ے اسے پیروں پر چلنے میں مدد دے رہا تھا تب ہی کچھ چونک کر وہ بس ایک پل کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو دھلے کپڑوں سے بھری بالٹی اٹھائے گیلری میں آئی تھی اور ایک تیز نگاہ شہاب پر ڈالتی حیرت انگیز طور پر خاموشی سے دوسری طرف بڑھ گئی تھی۔ شہاب منتظر ہی رہا مگر وہ بس کپڑے جھٹک جھٹک کر رسی پر پھیلاتی رہی تھی' یہ ایک اچھا اشارہ تھا وہ بھی جان گیا تھا کہ گوشی سے جڑے رہنے کے لیے اسے ڈھٹائی کے ساتھ اس بدزبان عورت کو برداشت کرنا پڑے گا ورنہ جس طرح وہ اسے بے عزت کر چکی تھی اس کے بعد شہاب اسے تھپڑ جیسا تمغہ ضرور دینا چاہتا تھا۔

''مجھے آپ سے آپ کے بیٹے کی شکایت کرنی ہے' اس نے آج دو بار مجھے کاٹا ہے''۔ شہاب کی آواز نے اسے دنگ کیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ جس طرح بھاگی ہوئی آئی تھی شہاب کو دنگ ہونا پڑا تھا۔

''اس نے دانت نکال لیے ہیں ... او میرے خدا! اس نے چار دانت نکال لیے اور مجھے پتا ہی نہیں چلا''۔ خوشی اور بے یقینی کے حملوں کے درمیان وہ چیخ پڑی تھی جبکہ شہاب کی نظریں اس کے جگمگاتے مسکراتے چہرے پر ساکت ہو گئی تھیں جبکہ فرط مسرت سے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ وہ گوشی کو بانہوں میں بھرے اس کا چہرہ چومے جا رہی تھی جو اپنی ماں کی اس اچانک امڈتی محبت پر حیران پریشان تھا۔ ایک گہری سانس لے کر شہاب نے اس کی پشت کو دیکھا تھا جو والہانہ محبت اپنے بچے پر لٹاتی گیلری سے جا رہی تھی۔

☆

دور کہیں سے مغرب کی اذانیں بلند ہو رہی تھیں' اپنے کمرے کی دہلیز پر رکا وہ دوسری جانب سے ابھرتی آوازوں کو سن رہا تھا۔

''دیکھو...... میرے سامنے کوئی بہانہ مت کرو' یہ جالی زنگ لگ کر کمزور ہوئی یا کسی اور وجہ سے' میں نے تمہاری درخواست پر اپنی جیب سے اسے ٹھیک کروا دیا ہے مگر کل تک مجھے یہ پیسے واپس مل جائیں' میری بیوی نے ترس کھا کر تمہیں یہ کمرہ کرائے پر دے دیا تھا' یہاں کوئی نقصان ہوتا ہے تو اسے تم نے ہی پورا کرنا ہے' پہلے ہی تم وقت پر کرایہ نہیں دیتی ہو''۔ یہ آواز بوڑھے مالک مکان کی تھی جو یقیناً گوشی کی ماں پر گرم ہو رہا تھا۔ شہاب نے اپنا سر پکڑ لیا تھا آج صبح ہی گوشی نے اپنی ماں کی موجودگی میں جالیاں پار کرنے کی کوشش کی تھی۔

جالی کا وہ حصہ اس کے ننھے ہاتھوں کے دباؤ سے اپنی جگہ سے کچھ سرک گیا تھا اور اندر آنے کے چکر میں وہ ان جالیوں کے درمیان اپنا سر پھنسا چکا تھا۔ شہاب کو اس کے کارنامے کی خبر اس کی چیخوں پر ہوئی تھی' حقیقتاً اس کے ہوش اڑ گئے تھے' خفیہ راستہ منظر عام پر آ گیا تھا۔ شہاب سے پہلے ہی گوشی کی ماں اس تک پہنچ گئی تھی۔ پھنسے ہوئے گوشی کو واپس نکالتے ہوئے اس کے تابڑتوڑ دھموکے چیختے چنگھاڑتے بچے پر برسے تھے اور اب مالک مکان جالیوں کو نقصان پہنچانے کا سارا الزام اس عورت پر ڈالتا روپوں کا مطالبہ کرتا جا رہا تھا۔

شہاب کو حیرت نہیں ہوئی تھی جب بوڑھے کے جانے کے بعد کسی نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا' دروازہ کھولتے ہوئے وہ پریشان تھا مگر اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے ہوئے شہاب کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

''جالیاں ٹھیک ہونے میں پانچ سو روپے کا خرچ ہوا ہے''۔ اس کے چبھتے لہجے پر وہ ایک پل کو رکا تھا مگر پھر پلٹ کر کمرے تک پہنچا تھا اور والٹ سے روپے نکال کر واپس اس کی طرف آیا تھا۔

''میں جان گئی ہوں کہ جالیاں توڑنے کی کارستانی کس کی ہے''۔ نوٹ اس سے لیتے ہوئے وہ سرد لہجے میں بولی تھی۔

''اگر میں خاموش رہی تو صرف اس لئے کہ میں اپنے کردار کو مشکوک نہیں کرنا چاہتی تھی' تم تو یہاں سے چلے جاؤ گے مگر دوبارہ یہ حرکت نہ کرنا جو مجھے میرے بچے کے ساتھ کھلے آسمان تلے پہنچا دے''۔ اس کی سخت تنبیہ نے شہاب کو شرمندہ کیا تھا۔ ایک لفظ بھی وہ اس سے نہ کہہ سکا تھا جو ناگواری سے اسے دیکھتی اپنے گھر میں جا چکی تھی۔

☆

آج دوپہر سے ہی گوشی اپنی ماں کے ساتھ کہیں غائب تھا۔ ایک طرح سے اچھا ہی تھا' گوشی کو دیکھ کر وہ زیادہ دیر تک خود پر کنٹرول نہیں رکھ سکتا تھا' ہو سکتا تھا کہ وہ اپنا عہد توڑ کر ان جالیوں کو دوبارہ توڑنے پر مجبور ہو جاتا۔ خاموشی نے اسے کچھ بیزار کر دیا تھا لہٰذا اس کا ارادہ تھا کہ کچھ وقت باہر گزارا جائے' رات کا کھانا بھی باہر ہی کھانے کا ارادہ تھا۔ تیار ہونے کے بعد اس نے گیلری کی طرف کھلنے والا دروازہ لاک کیا تھا اور پھر والٹ اٹھاتا کمرے سے نکل گیا تھا۔ تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ زینے کے موڑ پر یکدم اپنے قدم نہیں روک سکا تھا' بری طرح لڑکھڑاتا وہ بگڑے توازن کے ساتھ اسے بھی ساتھ لیتا زمین بوس ہوتا چلا گیا تھا۔ وہ نازک اندام عورت تھی' اس مضبوط انسان کا بوجھ نہ سہار سکی تھی جبکہ اس کے بازو سے پھسلتا گوشی جو پشت کے بل گرا تھا فٹافٹ اٹھ کر بیٹھ بھی چکا تھا حالانکہ اس اچانک افتاد اور اپنی ماں کی گھٹی گھٹی چیخوں نے اسے ہراساں ضرور کر دیا تھا۔ دوسری جانب لمحہ ضائع کیے بغیر شہاب نے خود کو سنبھالا تھا اور بغیر کچھ سوچے سمجھے اس کا بازو پکڑ کے اٹھنے میں مدد دے دی تھی۔

''ایم سوری...... میں جلدی میں بالکل نہیں دیکھ سکا کہ آپ......'' شدید جارحانہ قسم کا تھپڑ اس کے چہرے سے ٹکرایا تھا جو وہ ساری معذرت بھول کر گنگ کھڑا رہ گیا تھا جبکہ وہ گوشی کو اٹھا کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھتی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

☆

صبح سے رات ہو گئی مگر وہ کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا حالانکہ گوشی کی پکاروں پر خود پر پہرے لگائے رکھنا بہت مشکل تھا' ویسے بھی اس کی ماں گھر میں تھی۔ وہ مزید اس کے ہاتھوں اپنی عزت اور انا کا جنازہ نہیں نکلوانا چاہتا تھا۔ باہر کی دنیا میں اسے لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے' اس سے ملاقات کے لیے گھنٹوں انتظار کرتے تھے جبکہ یہاں وہ دو کوڑی کی عورت کس طرح اس کے منہ پر تھپڑ مار گئی تھی۔ گوشی کا چہرہ اسے آپے سے باہر نہیں ہونے دے رہا تھا ورنہ اس کے ایک اشارے پر وہ عورت راتوں رات کہاں غائب ہوتی نہ زمین کو پتہ ہوتا نہ آسمان کو' اور پھر ایک عورت پر اپنی طاقت آزما کر وہ اپنی مردانگی پر کوئی حرف برداشت نہیں کر سکتا تھا' نہ اپنے مقام سے گرنا چاہتا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اب اس عورت کا سامنا ہونے پر وہ کوئی لحاظ نہیں رکھ سکے گا' فی الحال تو وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

☆

بیدار ہوتے ہی اس کے کانوں میں بادلوں کی بھیانک گڑگڑاہٹیں سنائی دی تھیں۔ بارش زور و شور سے برس رہی تھی۔ کسلمندی کے ساتھ وہ اٹھ بیٹھا تھا تب ہی ایک اور آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اس کے ہوش

اُڑ ائی تھی۔ بھاگتا ہوا وہ گیلری میں آیا تھا' اگلے ہی پل جیسے کوئی خنجر اس کے دل میں پیوست ہوا تھا' دھواں دھار بارش میں خوف وسردی سے نیلا پڑتا' روتا بلکتا گوشی اس کی پناہ میں آنے کے لیے جس طرح تڑپا تھا' شہاب کا دل اس کی چیخوں پر پھٹ گیا تھا' بجلی کی سی تیزی سے گوشی کو اس نے رسی سے آزاد کروایا تھا۔ نہ اسے جالیوں کے ٹوٹنے کی پرواہ تھی نہ اس عورت کی...... گوشی کے روتے مچلتے ننھے وجود کو اپنے سینے میں چھپائے وہ کمرے کی جانب دوڑا تھا۔

☆

دروازہ کھول کر باہر آتے ہوئے شہاب نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا تھا جو بارش میں مکمل بھیگی گرتی پڑتی سیڑھیاں چڑھتی آ رہی تھی۔

"یاد آ گیا تمہیں...... ایک جانور کو رسی سے باندھ کر گھر سے نکلی تھیں"۔ کاٹ دار آواز پر وہ تالا کھولتے ہوئے رُکی تھی۔

"جانور ہو گے تم! وہ اولاد ہے میری"۔ شدید مشتعل ہو کر وہ غرائی تھی۔

"اسے پالنے کے لیے گھر سے نکلتی ہوں' میرے سر پر کون ہے جس کی گود میں بٹھا کر اسے کمانے باہر جاؤں"۔

"اس طرح اسے پالنے سے بہتر ہے کہ اس کا گلا گھونٹ دو' یہ بھی نہیں کر سکتیں تو اسے اس کے باپ کے حوالے کر دو...... اگر اس کا کوئی باپ موجود ہے تو"۔ شہاب کے چبھتے لہجے پر اس کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ شہاب کے گریبان تک پہنچتا برق رفتاری سے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے روک گیا تھا اور لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اسے تقریباً کھینچتا اپنے کمرے میں لے گیا تھا' اس کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ شہاب نے اس طرح اس کا ہاتھ چھوڑا تھا کہ وہ لڑکھڑا کر گوشی کے قریب گرنے والے انداز میں پہنچی تھی مگر گرم کمبل میں وہ بے حد سویا ہوا تھا مگر اس کا چہرہ حد سے زیادہ سفید ہو کر اترا ہوا بھی تھا۔

"تم اسے اولاد کہتی ہو جسے مار دینے کی کوئی کسر تم نے آج نہیں چھوڑی' وہ بخار میں جلتا بارش میں بھیگ رہا ہے' تمہیں پکار رہا ہے مگر تم تک اس کی آواز نہیں پہنچی' وہ کیوں روتا ہے؟ اسے کیا تکلیف ہے؟ تمہیں کچھ پتہ نہیں چلتا' اس نے کب دانت نکالنے شروع کیے؟ کب اس نے چلنا سیکھا؟ تمہیں کچھ خبر نہیں...... جانتی ہو ایسا کیوں ہے؟ کیوں تمہیں اس کے ہنسنے' رونے' چیخنے کی وجہ پتہ نہیں چلتی ہے؟" اس کے کاٹ دار سوالیہ لہجے پر وہ بس ساکت بیٹھی اسے تک رہی تھی۔

"کیونکہ تم اس بچے کی ماں نہیں ہو...... میں سب کچھ جان چکا ہوں کہ حقیقت کیا ہے"۔ شہاب کے قطعی لہجے پر اس کی آنکھیں پھیلی تھیں اگلے ہی پل وہ چیل کی طرح اس کے گریبان پر جھپٹی تھی۔

"میں اس کی ماں ہوں' یہ میرا بچہ ہے"۔ وہ حلق کے بل چیخی تھی جب شہاب نے سرعت سے اسے پرے ہٹایا تھا۔

"تم دنیا کو دھوکا دے سکتی ہو مگر مجھے نہیں۔ میں تو تمہاری جڑوں تک پہنچ چکا ہوں"۔ ناگوار لہجے میں وہ اس سے مخاطب تھا جو خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اپنی ماں کے مرنے کے بعد اس لیڈی ڈاکٹر کے گھر میں تم نے کام کرنا شروع کیا جہاں پہلے تمہاری ماں کام کرتی تھی' اپنی ماں کے مرنے کے بعد تم تنہا بے آسرا ہو گئیں تو اسی لیڈی ڈاکٹر نے ایک ایسے بچے کو تمہاری خواہش پر تمہارے حوالے کیا جس کا کوئی والی وارث نہیں تھا۔ گوشی کتنے دن کا تھا جب تمہاری گود میں آیا' کہو تو یہ بھی بتا دوں؟"

"تو کیا گناہ کیا ہے میں نے؟ اس کے لیے وہ سب کرتی ہوں جو ایک ماں کرتی ہے' اس کی بھوک اس کی ضرورتوں کیلئے خود کو بھول جاتی ہوں' میں نے اس کیلئے راتیں جاگ کر گزاری ہیں"۔ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ چیخی تھی۔

"تم نے گناہ نہیں کیا مگر خودغرضی ضرور کی ہے۔ گوشی کی شکل میں تمہیں ایک سہارا چاہیے تھا' زندگی گزارنے کیلئے مصروفیت چاہیے تھی' تنہائی کم کرنے کیلئے ایک ہنستا بولتا کھلونا چاہیے تھا' اپنی آغوش میں رکھ کر تم اس معصوم سے بیگار لے رہی ہو اور ساری زندگی لیتی رہو گی' اگر ابھی تم اس کے لیے راتیں جاگ رہی ہو تو کوئی احساس نہیں کر رہی ہو"۔

"تم ہوتے کون ہو دخل اندازی کرنے والے؟ آخر تم چاہتے کیا ہو؟" وہ چیخی تھی۔

"میں جو کچھ دیکھ چکا ہوں اس کے بعد گوشی کو تمہارے ہاتھوں مرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا' تم ناتجربہ کار' کم عمر ہو' ایک شیر خوار بچے کا پہلا حق اس کی جان' اس کی زندگی کا تحفظ ہے' یہ تحفظ تم اس بچے کو نہیں دے سکتیں...... نہ تم اس کی پرورش کر سکتی ہو نہ اس کی ذمہ داری اٹھا سکتی ہو"۔

"اپنی بکواس بند کرو' میں یہاں اپنے بچے کو لینے آئی ہوں تمہارے لیکچر سننے کیلئے نہیں"۔ اس پر غراتی وہ سرعت سے سوئے ہوئے گوشی کی طرف گئی تھی۔

"تم گوشی کو یہاں سے نہیں لے جا سکتیں"۔

"تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے"۔ وہ بھڑک کر چلائی تھی۔

"یہ سوال مجھ سے کرنے سے پہلے تم یہ پیپرز دیکھ لو"۔ اطمینان کے ساتھ شہاب نے پیپرز اسے دیئے تھے اور اس کے خبردار ہونے سے پہلے ہی گوشی کو اس کی گود سے لے لیا تھا' دوسری جانب ان پیپرز کو دیکھتے ہوئے وہ ساکت ہو گئی تھی۔

"میں قانونی طور پر گوشی کو ایڈاپٹ کر چکا ہوں' اس کے نام کے ساتھ میرا نام منسلک ہو چکا ہے اور اب میری اجازت کے بغیر دنیا کی کوئی طاقت اس پر اپنا حق نہیں جتا سکتی"۔ پرسکون لہجے میں بولتا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ سے پیپرز گر گئے تھے۔

"خدا غارت کرے تمہیں' دفن ہونے کے لیے زمین کا ٹکڑا بھی نہ ملے تمہیں' دنیا بھری پڑی ہے یتیم خانوں سے' وہاں جا کر اپنا نام بانٹ دیتے' انہیں سہارا دے کر ثواب کماتے' مجھے کیوں ڈسا ہے؟ میں نے کیا بگاڑا تھا تمہارا' میرا آخری سہارا بھی چھین لیا تم نے"۔ حلق کے بل اس پر چیختی وہ سر پکڑے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ چند لمحوں تک وہ اسے دیکھتا رہا تھا جو زار و قطار رو رہی تھی۔ گوشی کو احتیاط سے گرم کمبل میں چھپا کر وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"تمہارا یہ ماتم حالات کو بدل نہیں سکتا' میں کسی صورت میں گوشی کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا"۔

"میں اس سے محبت کرتی ہوں' مر جاؤں گی اس کے بغیر"۔ وہ لرزتے لہجے میں بولی تھی۔

"اگر تم اس سے محبت کرتی ہو تو خود سے یہ سوال کرو کہ کیا تم اسے بہتر زندگی دے سکتی ہو؟ اسے بہتر غذا' بہتر تعلیم دے سکتی ہو؟ ابھی اس کی ضروریات محدود ہیں مگر جیسے جیسے وقت گزرے گا اس کی ضروریات بڑھیں گی' تمہیں زیادہ روپے حاصل کرنے ہوں گے اور تم جانتی ہو روپے کمانا آسان نہیں ہے' صرف اپنے بارے میں نہیں سوچو' اسے غربت و افلاس میں پروان چڑھا کر تم اسے خود سے متنفر کرو گی' اگر آج میں اسے تمہارے حوالے کر دیتا ہوں تو یقین کرو کچھ سال گزرنے کے بعد یہ بچہ خود تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائے گا' تمہاری بے پناہ محبت کے باوجود...... کیونکہ اسے صرف محبت کی ضرورت نہیں ہے"۔

"کیا تم اس سے مجھ سے بھی زیادہ محبت کرو گے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں اور وہی محبت مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں اسے تحفظ دوں' اسے وہ سب کچھ دوں جس کی اسے ضرورت ہے"۔ شہاب نے بغور اس کے چہرے پر لہراتے تاریک سائے دیکھے تھے جو اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"شاید تم نے سچ ہی کہا ہے' میں نے اس کی بے

قدری کی مجھے بھی سزا ملنی چاہیے تھی"۔ بھیگے لہجے میں بولتی وہ جانے کے لئے پلٹی تھی۔

"صفورہ! تمہیں یقین ہے کہ میں گوشی کی بہتر نگہداشت کرسکتا ہوں"۔ سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتا وہ چند قدم آگے بڑھا تھا۔

"وقت اور حالات نے اس حد تک چہرہ شناس تو بنا دیا ہے کہ میں تم پر یقین کرلوں"۔ اس کے مدھم لہجے پر وہ اس کی بھیگی سرخ آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا۔

"تم گوشی کے لیے مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہو تو اپنے لیے کیوں نہیں؟" اس کے مبہم لہجے پر وہ الجھی تھی۔

"میں گوشی کو اپنے قریب ضرور رکھنا چاہتا ہوں مگر اسے تم سے الگ نہیں کرنا چاہتا' تم اس کی ماں ہو' وہ تم سے دور نہیں رہ سکے گا' وہ اتنا چھوٹا ہے کہ مجھے اس کی ماں کو بھی اس کے ساتھ ایڈاپٹ کرنا ہوگا' کیا تم اس چیز کے لئے راضی ہو؟" اس کے سوالیہ لہجے پر وہ بس دنگ تھی۔

"تمہارے سامنے میں کوئی غلط بیانی نہیں کروں گا' مجھ میں بہت ساری برائیاں ہیں مگر میں ان برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کروں گا' تمہاری اور میری عمر میں شاید دس بارہ سال کا فرق ہوگا لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ فرق کوئی دشواری پیدا نہیں کرے گا"۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ مستحکم لہجے میں بولا تھا۔

"میں تمہیں مجبور نہیں کررہا مگر سوچنے کے لیے تمہیں زیادہ وقت بھی نہیں دے سکتا' یہاں آج میرا آخری دن تھا' کچھ ہی دیر میں مجھے یہاں سے نکل جانا ہے' تمہیں یہاں چھوڑ کر جاتے ہوئے گوشی سے زیادہ تکلیف مجھے ہوگی"۔ اس کے چہرے کے تیز چبھتے نقوش کو دیکھتے وہ بولا تھا۔

"تم تنہا زندگی نہیں گزار سکتیں' کسی نہ کسی انسان پر کبھی نہ کبھی تمہیں اعتبار کرنا ہی پڑے گا تو پھر وہ انسان میں کیوں نہیں ہوسکتا؟ تم سوچ لو تمہیں کیا کرنا ہے"۔ خاموشی کے ساتھ وہ اسے دیکھ رہی تھی جواب سوٹ

کیس میں سامان رکھ رہا تھا۔ دھیرے سے اس نے نیند میں کسمساتے گوشی کو ہاتھوں میں اٹھایا تھا۔ کبھی کبھی بس ایک لمحہ لگتا ہے بننے بگڑنے میں' عروج سے زوال اور زوال سے عروج تک پہنچنے میں' تاریکی کو چھٹنے میں' قسمت کو بدلنے میں' اس ایک لمحے کے فیصلے پر ساری زندگی کا دارومدار ہوتا ہے' سامنے موجود شخص سے اسے بہت اچھی توقعات ہرگز نہیں ہوسکتی تھیں نہ ہی وہ اس پر آنکھیں بند کرکے اعتبار کرنا چاہتی تھی مگر تنہا رہ کر بھی اس کے اردگرد کچھ اچھا نہیں ہونے والا تھا' گوشی کے بغیر زندگی موت جیسی تھی۔

☆

"اور پھر شہزادہ بڑی دلیری سے جادوگرنی کی قید سے شہزادی کو آزاد کروا کے اپنے ملک روانہ ہوگیا اور وہاں ان دونوں کی شادی ہوگئی' سب ہنسی خوشی رہنے لگے"۔ اسٹوری بک بند کرتے ہوئے اس نے گوشی کو دیکھا تھا۔

"اب ٹارزن والی کہانی"۔ نیند سے بند ہوتی آنکھوں کے باوجود اس نے فرمائش کی تھی۔

"وہ اب کل...... ابھی تمہیں نیند آرہی ہے مگر سونے سے پہلے آنکھوں میں ڈراپس ڈالو ورنہ انفیکشن بڑھ جائے گا"۔

"نہیں میں ڈراپس نہیں ڈالوں گا"۔ گوشی نے فوراً ہی پیچھے ہٹنا چاہا تھا جو اس نے سرعت سے گوشی کو روکا تھا۔

"اس کی طرف مت جاؤ' تم دیکھ رہے تھے میں نے کتنی مشکل سے اسے سلایا ہے"۔ صفورہ نے ڈپٹتے ہوئے اسے قریب کیا تھا اور کھلتے دروازے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"یہ ابھی تک جاگ رہا ہے"۔ شہاب نے حیرت سے گوشی کو دیکھا تھا۔

"سونے کے لیے اسے نیند سے زیادہ تمہاری ضرورت ہے"۔ صفورہ نے خشمگیں لہجے میں کہا تھا۔

"اب تم خود ہی یہ ڈراپس ڈالو میری نہیں سن رہا"۔

"کیوں نہیں سنے گا وہ تمہاری' میرا بیٹا ہے' میری بات مانے گا' ویسے بھی یہ تم سے زیادہ مجھ سے پیار کرتا ہے"۔ گوشی کو بہلاتے ہوئے وہ بالآخر اس کی آنکھوں میں ڈراپس ڈالنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

"اب آنکھیں بند ہی رکھے سوجاؤ"۔ گوشی کا سر اپنے بازو پر رکھے وہ خود بھی دراز ہوگیا تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں گوشی کو کل اسکول بھیج دوں' انفیکشن کافی حد تک ٹھیک ہوگیا ہے' تمہارا کیا خیال ہے؟" ان دونوں پر کمبل پھیلاتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔

"مگر بالکل ٹھیک تو نہیں ہوا' میرے لیے اس کی آنکھیں زیادہ اہم ہیں' دھوپ اور ڈسٹ کی وجہ سے انفیکشن بڑھ سکتا ہے' ابھی بھی اس کی آنکھیں ریڈ ہو رہی ہیں' اس لیے کل بھی اسے ہرگز باہر نہیں نکلنے دینا' کل میں دوبارہ ڈاکٹر سے اس کی آنکھیں چیک کرواؤں گا"۔ شہاب کے فکرمند لہجے پر وہ خاموش رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کیلئے کس قدر حساس ہے' گوشی کی تو ذرا سی تکلیف بھی اسے بے چین کردیا کرتی تھی۔ ابھی بھی گوشی کی آنکھوں میں ہلکا سا انفیکشن ہوا تھا مگر شہاب ہلکان ہوگیا تھا' آفس سے دس بار وہ گھر فون کرکے اس سے بات کرتا تھا' گوشی کیلئے اس کی نازبرداریاں کوئی نئی چیز نہیں تھی' یہی وجہ تھی کہ گوشی نازک مزاج ہوتا جارہا تھا' مگر صفورہ کے سامنے وہ سارے نخرے بھول جایا کرتا تھا' روک ٹوک اور ڈانٹ ڈپٹ اسے جہاں ٹھیک لگتا وہ کرتی تھی۔

باپ سے ملنے والی بہت ساری محبتوں اور نرمی کے ساتھ ماں سے ملنے والی یہ سختی توازن رکھنے کیلئے ضروری بھی تھی۔

"زونی تین سال کا ہونے والا ہے' اب اس کا اسکول میں ایڈمیشن کروا دینا چاہیے"۔ نیند میں کسمساتے بچے کو تھپکتے ہوئے اس نے سوالیہ نظروں سے شہاب کو دیکھا تھا جو بند آنکھوں کے ساتھ مسکرایا تھا۔

"پہلے اسے بولنا تو سکھادو"۔

"تمہارا بیٹا ہے' اسے کچھ سکھانے کی ضرورت نہیں ہے' اتنی باتیں تو کرتا ہے یہ......"

"یہی تو مسئلہ ہے' باتیں کرتا ہے مگر سمجھ میں کسی کے نہیں آتا"۔ شہاب کے فوراً ہی کہنے پر وہ دھیرے سے ہنسی تھی۔

"اگر تم چاہتی ہو تو ٹھیک ہے مگر میں سوچ رہا ہوں کہ میں آفس اور بچے اسکول میں ہوں گے تو تم گھر میں تنہا رہ جاؤ گی"۔ وہ بند آنکھوں کے ساتھ ہی بولا تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ ہمیں اسٹور روم سے وہ کاٹ نکال کر دوبارہ کمرے میں سجا لینا چاہیے؟" اس بار مسکراتی نظروں سے اس نے صفورہ کے حیران چہرے کو دیکھا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ تمہیں فوراً سو جانا چاہیے' نیند کے غلبے میں تم بھول رہے ہو کہ یہ دو اولادیں دس پر بھاری ہیں"۔ خشمگیں مسکراہٹ کے ساتھ وہ اسے گھورتی لائٹ آف کرنے کیلئے اٹھ گئی تھی۔ ٹیرس کا دروازہ بند کرتے ہوئے وہ یکدم رکی تھی' نظریں آسمان پر چمکتے بھرپور چاند پر ٹھہر گئی تھیں۔

ایک وقت تھا کہ اسی چاند کو تکتے ہوئے وہ ساری ساری رات گزار دیا کرتی تھی' اس کے لاتعداد شکوے شکایتوں اور مایوسی کا رازدار تھا یہ چاند' جو ماضی میں اگر اس کے آنسوؤں پر مسکراتا تھا تو آج اس کے نصیب پر۔ پتا نہیں یہ سب جو اسے ملا ہے وہ اس کا ہی نصیب تھا یا گوشی کا؟ بہرحال جو بھی تھا گوشی کو آغوش میں لے کر اس نے کہیں نہ کہیں خدا کی خوشنودی حاصل کی تھی' اس کے دل کو یہ یقین تھا۔

شہاب کی پکار نے اسے چونکایا تھا' گہری پرسکون سانس لے کر ایک آخری نگاہ اس نے آسمان پر ڈالی تھی اور دروازہ بند کرتی واپس اس جانب پلٹ آئی تھی جہاں اس کی پوری کائنات موجود منتظر تھی۔

☆

صالحہ محمود

افسانہ

بخت بھری

سنسان ویران قبرستان کے قریب وہ گاڑی پارک کر کے اندر آیا تھا' سامنے ہی اس کی ماں کی قبر تھی' تازہ تازہ زخم تھا لہٰذا وہ روز ہی اماں کی قبر پر چلا آتا' پھر ایک دن قریب میں رہتے ہوئے بوڑھے گورکن کو وہ بولا تھا۔

"بابا! آپ صبح ہی صبح میری ماں کی قبر پر پانی ڈال دیا کریں یاد سے' یہ رکھ لیں آپ اکٹھے پیسے' میں ہر ماہ آپ کو اتنے ہی پیسے دے دوں گا"۔ بابا کی مٹھی میں پانچ ہزار رکھ کر اجنبی مڑ گیا۔ بابا پانچ ہزار دیکھ کر حیران ہوئے تھے اتنے پیسے کبھی کسی نے نہیں دیئے تھے' ایکدم سے اس کے اندر خواہشیں جاگ پڑیں قبروں پر پانی ڈال کر وہ بھی تھک چکا تھا۔

"بخت بھری! دیکھ تو سہی اتنے سارے پیسے ایک بھلا آدمی مجھے دے کر گیا ہے"۔

"بابا! اتنے پیسے......؟" وہ تعجب سے بولی۔

"بہت دکھی دل انسان تھا' کہتا ہے یہ قبر اس کی ماں کی ہے بس روز صبح پانی ڈال دیا کرو' وہ شام کو دیر سے آتا ہے"۔

بخت بھری کبوتروں کو دانہ دے رہی تھی' ہاتھ روک کر اس





نے قبر کی جانب دیکھا پھولوں سے بھری ہوئی قبر تھی بخت بھری کو اتنے غور سے قبر کی جانب دیکھتے ہوئے بابا بولا تھا۔

"بخت بھری! اپنے حجرے سے کتنی قریب ہے یہ قبر ہم دیکھ بھال کریں گے کیا خبر ہمیں یونہی وہ ہر ماہ دیتا رہے"۔ بوڑھے بابا کو ابھی تک بے یقینی سی ہو رہی تھی۔

"کوئی نہیں بابا! سب بھول جاتے ہیں ہر روز پہلے آتے ہیں گھنٹوں پہروں ان قبروں پر روتے ہیں پھر پلٹ کر نہیں آتے"۔ اس نے دوبارہ دانے کبوتروں کو ڈالے تھے۔

"بخت بھری! دعا کر یہ ہر روز ایسے ہی آیا کرے کہتا تو ہے مہینے میں پانی کے پیسے دیا کروں گا"۔

"کوئی نہیں بابا...... پچھلے برس بھی ایسے ہی کوئی آیا تھا کیسے چٹ چٹ کر روتا تھا قبر سے پھر پلٹ کر نہ آیا"۔

"اس بار آئے گا یہ میرا دل کہتا ہے وہ کہتا ہے دنیا میں میری ماں کے سوا کوئی نہیں ہے ایسا کر بخت بھری......" بابا کی آنکھوں میں پانچ نوٹ پھر لہرا گئے تھے۔

"میں دس دن کے لئے گاؤں کا چکر لگا لوں کرایہ بھی ہے گھر کا کھانا پینا بھی رکھ جاؤں گا جلدی آ جاؤں گا تجھے نہیں لے جا سکتا ورنہ بابو ناراض ہو جائے گا میں جھوٹا پڑ جاؤں گا ایسا کر بخت بھری جیسے تو صبح اٹھ کر کبوتروں کو دانہ دیتی ہے فٹافٹ ایک دو ڈول تو قبر پر بھی ڈال دیا کرنا شام کو آئے گا بابو تو خوش ہو جائے گا"۔ بابا نے بیٹھے بیٹھے پلان بنایا تھا۔

"اور بابا! اس نے کسی دن پوچھ لیا تو......" بخت بھری ڈر کر بولی۔

"ارے کون پوچھتا ہے بیٹا! پانی دیکھے گا فاتحہ پڑھے گا پلٹ کر چلا جائے گا"۔

"بابا! میں کیسے اکیلی رہوں گی یہاں......؟" بابا کو بہت زور سے ہنسی آئی تھی۔

"آنکھ کھولی ہے تو نے اسی قبرستان کی جھگی میں اب کیا مُردوں سے ڈرتی ہے ارے یہاں بڑے بڑے بزرگ سوئے ہوئے ہیں سب حفاظت کرتے ہیں اندر سے کنڈی لگا کر سو جایا کر بیٹا کون پوچھے گا کہ بابا کہاں ہے باقی قبروں پر پانی بھی ڈال جائے گا تو دو چار سو روپے اسے"۔ بابا نے اسے اطمینان دلایا تھا۔

"بابا! چار پیسے کیا آئے بس شروع پچھلے برس بھی بابا تو گیا تھا دس دن بول کر پورے بیس دن بعد آیا تھا وہ تو برابر سے چاچی آ جاتی تھیں اب تو وہ بھی نہیں رہیں"۔

"تو پھر میں کیا کروں بول دل بھی چاہ رہا ہے پورا برس بیت گیا میں نہیں گیا"۔

"نہیں بابا مجھے بھی لے کر چلو"۔

"نہیں...... میرا وعدہ جھوٹا پڑ جائے گا"۔

☆

صبح صبح بخت بھری نے جھاڑو دے کر کچرا باہر نکالا کبوتروں کا کابک کھول کر اس نے دانہ ڈالا تھا نظر قبر پر پڑی تو وہ پلٹ کر اندر آئی تھی ڈول اٹھا کر دور نلکے سے بھر کر پانی لائی اور قبر پر ڈالا دیکھا تو دوسری قبر پھولوں سے بھری ہوئی تھی دو چار پھول دوسری قبر سے اٹھا کر اس نے اس قبر پر بھی ڈالے تھے مڑ کر دیکھا اس نے دور دور تک سناٹا تھا بس کوئی گورکن قبروں پر پانی ڈال رہا تھا۔

بابا تو تھا نہیں کٹیا کے اندر سب کچھ تھا بیڈ ٹی وی ریڈیو چھوٹی سی دنیا اس کی کٹیا کے اندر آباد تھی۔

دس دن تک وہ پانی ڈالتی رہی ہر روز بابا کا وہ انتظار کرتی لیکن بابا نہیں آیا تھا۔

ٹھیک پانچ بجے بابو قبر پر آتا تھا وہ دبے قدموں لکڑی کے جھروکے سے روز اسے دیکھتی۔

بہت ہینڈسم بلیو جینز ڈارک براؤن شرٹ پر وہ سر پر سفید ٹوپی رکھے ماں کے قدموں پر رو رہا تھا جتنی دیر وہ رہا وہ اسے جھانک کر دیکھتی رہی اس کے دکھ پر پہلی بار وہ بھی اداس ہوئی تھی۔

"کتنا پیار ہوگا اسے اپنی ماں سے تبھی تو سب کچھ چھوڑ کر وقت کی پابندی سے ملنے آتا ہے"۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی چھ بج رہے تھے اندھیرا ہوتے ہی بابو دبے قدموں سے مڑ کر چلا تو وہ دبے قدموں باہر نکل کر آئی تھی دور کھڑی گاڑی میں وہ بیٹھ گیا اور دبے قدموں وہ اندر کمرے میں آئی اور لائٹ کا بٹن آن کیا تھا کتنی دیر تک وہ سر جھکائے اسی کے خیالوں میں گم رہی۔

"بابا کیوں نہیں آیا"۔ آج بھی وہ ٹہل ٹہل کر سوچ رہی تھی اب اسے اکیلے رہتے ہوئے خوف آنے لگا تھا۔

☆

صبح ہوئی اس نے پھر قبر پر پانی ڈالا تھا پھول ڈالے تھے شام پھر وہی اجنبی آیا اس نے بڑی تشکر بھری نظروں سے کٹیا کی جانب دیکھا تھا۔

"یقیناً یہی بوڑھا گورکن پانی کے ساتھ ماں کی قبر پر پھول بھی ڈالتا ہے"۔ جتنی دیر وہ ماں کی قبر پر رکا رہا بخت بھری اسے چھپ چھپ کر دیکھتی رہی۔

"اللہ کرے یہ روز آیا کرے اور اس کی محبت قائم رہے کچھ تو دل کو ڈھارس ہوتی ہے بابا تو جا کر پنجاب مجھے بھول گیا"۔

☆

آج صبح جب وہ سو کر اٹھی سب سے پہلے اس نے قبر کو صاف کیا تھا پھر پانی ڈال کر وہ ڈھونڈ کر دوسری قبروں سے پھول لائی تھی احتیاط ضرور کرتی تھی دوپٹے سے اس کا آدھا چہرہ چھپا رہتا تھا سبھی جانتے تھے کہ یہ بوڑھے گورکن کی بیٹی ہے۔ آج کچھ دیر ہو گئی تھی اجنبی قبر پر نہیں آیا تھا وہ بار بار ٹہلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی وہ باؤنڈری سے جھانک جھانک کر ہر رکنے والی گاڑی کو دیکھ رہی تھی پھر اچانک آہٹ ہوئی وہ اجنبی کی جھلک دیکھ کر اندر چلی گئی تھی پھر کتنی دیر تک وہ اپنی کٹیا سے اجنبی کو دیکھتی رہی۔ اجنبی نے تشکر بھری نظروں سے کٹیا کی طرف دیکھا تھا پھر وہ چلتا ہوا نزدیک آیا دستک دی تو وہ اندر سے بولی تھی۔

"بابا کہیں گئے ہوئے ہیں"۔ اجنبی پلٹ کر واپس چلا گیا۔ نا جانے کیوں اس کا دل آج چاہ رہا تھا کہ یہ اجنبی یونہی اس کے سامنے بیٹھا رہے اور وہ اسے دیکھتی رہے کتنی دیر تک وہ بے قراری ہو کر اٹھی آج اندھیرے سے اسے بہت خوف آ رہا تھا۔

☆

صبح روز کی طرح وہ قبر پر پھول اور پانی ڈالتی۔ اجنبی روٹین کی طرح آتا۔ آج شام فاتحہ پڑھنے کے بعد کٹیا کے پاس آیا۔

"بابا ہیں گھر پر......؟" اجنبی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"نہیں بابا ابھی تک نہیں آئے"۔ وہ بے قراری ہو کر دروازے کی آڑ میں کھڑی تھی۔

"یہ لے لیجئے پیسے......" اس نے ہاتھ بڑھا کر پیسے تھما دیئے تھے۔ اس کی سفید مخروطی انگلیوں پر اجنبی کی نظر پڑی تو اس نے نظریں جھکا لیں دکھ سے اس نے دیکھا تو اس کے اطراف میں قبروں پر سناٹا تھا دور دور تک کوئی نہیں تھا اس نے گھبرا کر کٹیا کے دروازے پر دیکھا اور پھر وہ مڑ گیا۔

☆

آج پھر وہ آیا تھا لیکن کئی دن کے بعد لیکن بخت بھری تو روزانہ ہی قبر پر پانی اور پھول ڈالتی تھی دعا پڑھنے کے بعد وہ مرقد سے اٹھ کر سامنے کٹیا میں آیا تھا۔ دروازے پر دستک دی۔

"بابا آ گئے......؟"

"نہیں...... ابھی تک بابا نہیں آئے"۔ آواز اندر سے آئی تھی۔

"پھر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو آپ کیا کرتی ہیں......؟" وہ رک کر ہمدردی سے پوچھ رہا تھا۔

"آنے جانے والے بچوں سے ضروریات کی چیزیں منگوا لیتی ہوں اب آپ روزانہ نہیں آتے......؟" بخت بھری نے اندر سے ہی شکوہ کیا تھا۔

"آفس میں کام زیادہ ہوتا ہے گھر لوٹتے لوٹتے کچھ زیادہ دیر ہو جاتی ہے اب میں ہر سنڈے کو آیا کروں گا"۔ وہ سر جھکائے ہوئے بولا تھا۔

"ظاہر ہے ماں کی محبت آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی ہے"۔ اس کی آواز اس کے کانوں کی سماعت میں یوں اتری کہ وہ گھبرا کر بولا۔

"نہیں نہیں...... یہ بات نہیں ہے ماں کی محبت کبھی کم نہیں ہوتی"۔ تو اندر سے ایک کھنکتی ہوئی ہنسی کی آواز سنائی دی تھی۔ اجنبی کے اندر کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا کہ بخت بھری اکیلی رہتی ہے اور بابا نہیں ہے۔

"بابا ابھی تک نہیں آئے مجھے آپ کی فکر رہتی ہے کہ آپ اکیلی کیسے رہتی ہوں گی' ڈر لگتا ہوگا آپ کو......؟"

"مردوں سے ڈر کیسا' مجھے تو انسانوں سے ڈر لگتا ہے اس لئے باہر کم نکلتی ہوں"۔

"میری امی کی قبر کا تو آپ زیادہ خیال رکھتی ہیں میں کیسے شکریہ ادا کروں' جب آتا ہوں صاف ستھری قبر ہوتی ہے پھول بھی ڈالتی ہیں آپ"۔ اجنبی بہت تشکر بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"بابا کہہ کر گئے تھے کہ میں خیال کیا کروں اور آپ باقاعدگی سے پیسے بھی تو دیتے ہیں' آپ تھوڑی سی دیر کے لئے روز آجایا کریں مجھے یوں لگتا ہے آپ کی امی آپ کا انتظار کرتی ہوں گی شام کو"۔ تو وہ بہت آبدیدہ سا ہو کر بولا۔

"بس...... مصروف بہت زیادہ ہو گیا ہوں"۔ پھر وہ پلٹ کر چلا گیا تھا۔

☆

اجنبی پورے دس دن بعد آیا تھا۔

ہوائیں تیز تیز چل رہی تھیں' سنسان قبرستان میں کوئی نہیں تھا' ڈھائی تین کا پہر تھا' اجنبی آج اچانک ہی آ گیا' آج بھی قبر پر پھول اور ہلکا ہلکا پانی کا چھڑکاؤ ہوا تھا ابھی وہ فاتحہ پڑھ کر مڑا ہی تھا کہ وہ گھبرا کر باہر نکل آئی۔ اجنبی بالکل اس کے سامنے تھا۔

"آپ بہت دن کے بعد آئے ہیں"۔ وہ گھبرا کر بولی۔ گھبراہٹ کی وجہ سے سر سے چادر اتر کر کندھوں پر گر گئی تھی' اس کا پورا سراپا اجنبی کے سامنے تھا' وہ حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا' وہ بے حد خوبصورت نازک سی اکیس سال کی لڑکی تھی' بے حد خوبصورت کہ اجنبی اسے دیکھتا ہی حیرانگی سے کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے......؟" وہ بے حد حیران ہو کر بامشکل پوچھ سکا تھا۔

"بخت بھری......" وہ سہمی ہوئی شرمندہ سی کھڑی تھی اور وہ بالکل اس کے سامنے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"بخت بھری! بابا ابھی تک نہیں آئے اب تو دو ماہ ہو گئے"۔

"ہاں...... بابا پلٹ کر نہیں آیا اور شاید اب نہ آئے وہ تو کبھی مجھے ایک پل نہ چھوڑتا تھا"۔

"مجھے ابرار کہتے ہیں"۔ بخت بھری نے ایک نظر اٹھا کر ابرار کو دیکھا تھا۔ وہ حیرت سے ابھی تک اسے ہی تکے جا رہا تھا۔ پھر مڑ کر دبے دبے قدموں چلتا ہوا گیٹ تک پہنچا مڑ کر اس نے دیکھا تو بخت بھری اسی کی جانب دیکھ رہی تھی وہ تھکے تھکے قدموں سے کار کی جانب بڑھا' بخت بھری مڑ کر اندر آ گئی تھی آج وہ بے حد اداس اور پریشان سی سامنے پڑی چوکی پر وہ بیٹھ تو گئی لیکن بار بار ابرار کا چہرہ سامنے آ رہا تھا۔

☆

اب باقاعدگی سے ہر روز ابرار ماں کی قبر پر آنے لگا تھا' روز کا معمول تھا کہ بخت بھری نکل کر اس کے سامنے آ جاتی اور وہ بے قرار سا اس کو دیکھتا رہتا' بخت بھری اس کی ماں کی قبر کی بہت محبت سے دیکھ بھال کرتی جب وہ فاتحہ پڑھ رہا ہوتا تو وہ اگربتی لا کر جلا دیتی' بار بار اس کے سامنے دیئے کو جلا کر رکھتی' دونوں بیٹھ کر وہیں باتیں کرتے۔

"بخت بھری! کاش میری ماں زندہ ہوتی اور تم مجھے مل جاتیں' تم میری ماں کی کتنی خدمت کرتیں......" وہ بہت شوخ نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"ابرار! مجھے تو اب بھی ایسا لگتا ہے کہ ماں ابھی بھی زندہ ہے اور میں اس کے سامنے بیٹھی ہوں' ہر روز جب میں کھانا کھاتی ہوں تو میں ایک روٹی روز کسی غریب کو دے کر آتی ہوں"۔

"بخت بھری! ایک بات تم سے پوچھوں سچ سچ بتاؤ گی!" بخت بھری اندر سے کانپ سی گئی۔

"بخت بھری! کبھی تم نے کسی مُردے کو رات میں نکلتے چلتے ہوئے دیکھا ہے......؟" تو بخت بھری نے جواب میں سر ہلا دیا تھا۔

"بخت بھری! تمہیں ڈر بھی نہیں لگتا یہاں......؟"

"جب سے بابا گئے ہیں اب ڈر لگنے لگا ہے' اکثر نشہ کرنے والے دیوار کود کر آ جاتے ہیں تب ڈر لگتا ہے"۔ اس کا لہجہ بہت دکھی دکھی سا تھا۔ کالی شال کو اس نے اور لپیٹ لیا تھا پھر بھی اس کا معصوم چہرہ ابرار کو اور بے قرار کر رہا تھا۔

"بخت بھری! تمہارا کوئی تو ہوگا' تم یہاں سے واپس چلی جاؤ' اب بابا نہیں آئیں گے"۔ ابرار کچھ پریشان سا ہو کر بولا تھا۔

"نہیں مجھے نہیں لگتا کہ میرا کوئی اور بھی ہوگا دنیا میں' اماں تھیں وہ مر گئیں' بابا گاؤں میں کھیتی باڑی کرتے تھے پھر مجھے لے کر شہر آ گئے رہنے کو جگہ نہیں ملی تو مسجد میں گئے تو لوگوں نے نکال دیا پھر بابا مجھے لے کر اسی قبرستان میں آ گیا روز ہم لوگ قبروں پر پانی ڈالتے بابا کھانا لے کر آتا پھر یہ جو سامنے کمرہ بنا ہوا ہے اس کے اندر دو قبریں ہیں ہم رات وہیں بسر کرتے تھے پھر ہم لوگ اس چھوٹی سی کوٹھری میں آ گئے' اس میں بھی کسی کی ایک قبر بنی ہوئی ہے' لائٹ پانی وہی ہمیں دیتا ہے عید کے عید صاحب بھی پوچھنے آتے ہیں تو دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے ان کی ماں کی قبر کو صاف ستھرہ رکھا ہوا ہے' آپ کی ماں کی خدمت کرتی ہوں تو آپ ہمیں پیسے دیتے ہیں اب کہاں جانا......؟"

"کیوں نہیں بخت بھری تمہارے سامنے اتنی بڑی زندگی پڑی ہے تم چاہو تو تمہیں میں لے کر چلتا ہوں"۔ تو وہ ہنس پڑی۔

"سوچنا بخت بھری...... اس بات پر جو میں نے تم سے کہی ہے میرا بہت بڑا گھر ہے ایک پورشن میں میرا بھائی رہتا ہے دوسرے پورشن میں میں رہتا ہوں"۔ بخت بھری اس وقت ہنسے جا رہی تھی ابرار کو اس کی ہنسی بے حد پسند تھی۔

"بخت بھری! تم ہنستی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو"۔ اس نے اپنی محبت کا اظہار کر دیا تھا۔

"آپ خود بہت اچھے ہیں"۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"بخت بھری! میں ہر روز اب تمہارے لئے آتا ہوں ... انگلوں میں ہوتی ہے پچھلوں میں نہیں یقین جانو بخت ... دن ادھر نہ آؤں دل میں بہت بے قرار رہتا ہوں"۔

"میں بھی آپ کا انتظار کرتی ہوں' ورنہ ساری رات جاگ کر بسر کرتی ہوں"۔

"بخت بھری! کل جب میں آؤں تو تم تھوڑی دیر کے لئے ہمارے ساتھ چلو"۔ اس نے بخت بھری کو بہت غور سے دیکھا تھا بخت بھری شرما کر سر جھکا گئی تھی۔

☆

بخت بھری صبح سے بڑا سا صندوق کھول کر بیٹھی تھی' لوگوں کے دیئے ہوئے خیرات کے جوڑے جو لوگ اسے کبھی کبھار دے دیا کرتے تھے وہ نکال کر بیٹھی تھی۔ بخت بھری نے آج پنک کلر کا سوٹ پہن کر بالوں میں کنگا کر کے بال کھلے چھوڑے اور چھوٹے سے آئینے میں چہرہ دیکھا تو اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی خوبصورت لگ رہی ہے' آج اس نے قبر پر پانی بھی نہیں ڈالا تھا شاید بھول گئی تھی یا پھر مصروف تھی' ابرار اسے لینے آیا تھا وہ جلدی سے چادر اوڑھ کر باہر نکل آئی تھی۔ ابرار کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی وہ گاڑی کے نزدیک آئی اور جھجکتی ہوئی وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی' ابرار نے اسے دنیا جہاں کی سیر کروائی۔

"بخت بھری! تم روز اس طرح سے آجایا کرو' میں بہت تنہا ہوں اور تم بھی بہت تنہا ہو میں واپسی پر تمہیں قبرستان ڈراپ کر دوں گا"۔ پھر ابرار اسے ڈراپ کرنے آیا تھا۔

"تم جاؤ تم جب تک اندر نہیں چلی جاتیں میں یہاں ہوں کہو تو میں اندر تک آ جاؤں"۔

"نہیں نہیں ابرار! تم واپس چلے جاؤ مجھے ڈر نہیں لگتا میں اندر چلی جاؤں گی"۔ پھر وہ اتر کر اندر چلی گئی۔

☆

پھر دوسرے دن ابرار نے ہارن دیا تو وہ تیار ہو کر بیٹھی تھی جلدی سے اس نے ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا تھا اور ابرار کی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"بخت بھری! آؤ چلتے ہیں ہم تم سمندر کے کنارے تم نے قبرستان کی خاموشی دیکھی ہے اب رات میں تم سمندر کی خاموشی کو غور سے دیکھو' جب میں اداس ہوتا ہوں تو اسی سمندر کے کنارے آ کر بیٹھ جاتا ہوں"۔ ابرار نے ایک پتھر اٹھا کر گہرے سمندر میں پھینکا تھا۔

"جب میں شہر کراچی میں بابا کے ساتھ پہلی بار آئی تھی اماں بھی ساتھ تھیں تو میں نے یہ سمندر دیکھا تھا' ابرار! میرا ابھی دل چاہتا ہے کہ میں روز سمندر کے کنارے آ جایا کروں' مجھے سڑکوں کی بھیڑ اچھی نہیں لگتی"۔

"تمہیں خاموش قبروں کے درمیان رہتے ہوئے عادت جو ہو گئی ہے"۔ ابرار ہنسا تھا۔

"یہ سچ ہے ابرار! مجھے بولتے ہوئے لوگ اچھے نہیں لگتے مگر تم مجھے اچھے لگتے ہو"۔

"سچ بخت بھری! جب میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تو میں دیکھتا ہی رہ گیا تھا"۔ ابرار نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے تھے۔

"ابرار! میں تو آپ کو روزانہ ہی دیکھا کرتی تھی آپ مجھے اچھے لگتے تھے"۔

"لیکن تم میرے سامنے کیوں نہیں آئیں......؟"

"بابا مجھے چھپا کر رکھتے تھے کہ کوئی نہ دیکھ لے"۔

"اور اب بخت بھری! جب میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے تو جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بخت بھری! جب تم سے نہیں ملا تھا تو یوں لگتا تھا کہ میں بکھر گیا ہوں' ٹوٹ گیا ہوں' میری ماں میری زندگی کی ساتھی تھی بہت تنہا ہو گیا ہوں"۔

"ابرار! میں بھی بابا کے بغیر بہت تنہا ہوں"۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔ تو ابرار نے بہت پیار سے اس کا بازو تھام لیا تھا' بخت بھری کی آنکھوں میں ہلکے ہلکے آنسو اتر آئے تھے۔ بخت بھری کو وہ ڈراپ کر کے وہ سیدھا گھر گیا تھا' جہاں اس کے بھائی اور بھابی رہتے تھے۔

☆

"بھابی! میں بخت بھری سے شادی کرنا چاہتا ہوں' بخت بھری میری ماں کی قبر کی دیکھ بھال جس طرح کرتی ہے شاید زندگی میں میں نے اپنی ماں کی ایسی خدمت نہیں کی"۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو"۔ ابرار کی آواز پر بھائی اندر سے نکل کر آ گیا تھا۔

"ابرار! میرے گھر میں دو بیٹیاں ہیں لوگ کیا کہیں گے' میں تمہاری شادی بہت اچھے گھرانے میں کرا دیتی ہوں"۔ بھابی بولی تھیں۔

"تماشا مت بناؤ"۔ بھائی گرج دار آواز میں چلائے تھے۔

"بھائی! یہ کوئی تماشہ نہیں ہے میں اس لڑکی سے شادی کرنے جا رہا ہوں عین شریعت کے مطابق میرا اس سے نکاح ہو سکتا ہے' بھائی میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے میں اپنے پورشن میں اسے لے کر آؤں گا آپ بیچ سے دروازہ بند کر لیجئے گا"۔

☆

"بخت بھری! میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں تمہیں یہاں اکیلا نہیں چھوڑوں گا"۔ تو بخت بھری نے ایک نظر اس کی ماں کی قبر پر ڈالی۔

"بخت بھری! ہم لوگ ابھی زندہ ہیں ہمارا شمار زندوں میں ہوتا ہے' تم کل تیار رہنا' یہ لو کپڑے اور جیولری میں تمہیں لینے آؤں گا' ہمارا نکاح مسجد میں ہے' تمہیں بتانا ضروری تھا"۔

"سچ ابرار"۔ بخت بھری خوشی سے مسکرا پڑی۔

"کیوں...... تمہیں کوئی شک ہے"۔

"نہیں ابرار! مجھے بالکل شک نہیں ہے"۔

"تو پھر ٹھیک ہے کل تم تیار رہنا' میں لینے آؤں گا"۔

☆

صبح ہی بخت بھری نے قبر کو صاف ستھرا کیا تھا' پانی کا چھڑکاؤ اور ڈھیروں پھول ڈال دیئے تھے اور اگر بتی بھی جلائی تھی کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی اور پھر بولی تھی۔

"ماں جی! آپ کی وجہ سے مجھے ابرار کا ساتھ ملا ہے' آپ دعا کریئے گا ہمارے لئے"۔ اس نے دونوں ہاتھ قبر پر رکھ دیئے تھے۔

"ماں جی! میں آتی جاتی رہوں گی' آپ کو بھولوں گی نہیں' آپ کی وجہ سے مجھے ابرار ملا ہے' میں دوبارہ آؤں گی' آج وہ مجھے لینے آ رہے ہیں' کاش آپ مجھے دیکھ سکتیں کہ میں آج کیسی لگ رہی ہوں"۔ وہ دوسری قبروں سے چن کر ڈھیروں پھول لائی تھی۔

"سب کچھ تو ابرار لایا ہے' بس پھول بھول گیا' چلو میں ان کو خود بنا لوں گی"۔ وہ دھاگوں سے پھولوں کے گجرے بناتی ہوئی بول رہی تھی' ہارن کی آواز پر وہ چونک گئی۔

"لو اتنی جلدی ابرار بھی آ گیا"۔ جلدی سے اس نے آئینے میں دیکھ کر بندیا لگائی' آنکھوں کا ہلکا ہلکا کاجل پھیلنے لگا تھا' ہاتھوں میں سرخ چوڑیاں اور ریڈ رنگ کے ڈریس میں بخت بھری خود کو بار بار دیکھے جا رہی تھی ہاتھوں میں پھولوں کے گجرے کو باندھ کر اس نے جلدی سے دوپٹہ سر پر ڈالا تھا' بڑی سی چادر سر پر ڈالتے ہوئے شاپر میں اپنی ضرورت کی چیزیں ڈال کر ہاتھ میں تھامے ہوئے اس نے ویرانے پر ایک نظر ڈالی۔

"سب کتنے خاموش سو رہے ہیں ماں جی! میں آیا کروں گی' آپ کی بدولت میں نے ابرار کو پایا ہے آخری دم تک محبت نبھاؤں گی"۔ اس نے ایک نظر ماں کی قبر پر ڈالی اور باہر کی سمت بڑھ گئی۔ ابرار گاڑی سے اتر کر جلدی سے آیا اور اس نے اس کے ہاتھ سے شاپر تھام لیا تھا' ایک نظر بخت بھری کے وجود پر ڈالتے ہوئے وہ ہنس پڑا تھا۔

"بخت بھری! تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو"۔ تو اس کے ماتھے کی بندیا اس کے مسکرانے پر مل پڑی' ہونٹوں کی لالی اور آنکھوں کا کاجل بھی مسکرانے لگا۔ جلدی سے وہ اپنا ڈریس سنبھالتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی ابرار گاڑی چلانا ہی بھول گیا تھا' وہ مسلسل بخت بھری کو ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا بخت بھری شرما کر اپنی چوڑیوں سے کھیل رہی تھی۔

"بخت بھری! گھر والے راضی نہیں تھے اس لئے ہمارا نکاح مسجد میں ہو گا پھر ہم گھر جائیں گے وہ گھر ہمارا ہے' ایک پورشن میں میرا بھائی رہتا ہے"۔ بخت بھری نے شرما کر اپنا سر جھکا لیا تھا ایک جھٹکے سے گاڑی مسجد کے سامنے جا رکی تھی۔

☆

نکاح ہو چکا تھا' ابرار اس کو بڑی حفاظت سے تھامتا ہوا گاڑی تک لایا تھا وہ بے یقینی میں بار بار ابرار کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ابرار! یہ سچ ہے کہ میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں"۔ تو اس نے جواب میں چلتے چلتے ایک چھوٹی سی شرارت کی تو وہ ہنس کر رخ پھیر گئی۔

"بخت بھری! ہم تھوڑی دیر کے لئے سمندر کے کنارے چلتے ہیں جہاں تم اور ہم اور خاموش سمندر ہو' کوئی دیوار کوئی دوسری چیز ہم بیچ میں نہیں چاہتے' آؤ بخت بھری"۔ اس نے بخت بھری کا بازو تھام لیا تھا۔ بخت بھری اس کے ساتھ چلتی ہوئی سمندر کے ایک ٹیلے تک آ گئی تھی۔

"ابرار! محبت کیا ہوتی ہے' میں تو سمجھتی تھی محبت کچھ بھی نہیں ہے"۔

"تم نے ایسا کیسے سمجھ لیا کہ محبت کچھ بھی نہیں ہے"۔ ابرار بولا۔

"لوگ اتنی بے قرار شدت سے تڑپتے ہیں اور اپنے چاہنے والوں کو قبر پر اتار کر چلے جاتے ہیں اسی دن محبت دفن ہو جاتی ہے' وہ دن آتے ہیں پھول ڈالتے ہیں پھر پلٹ کر نہیں آتے' کچھ لوگ ایسے بھی آتے ہیں جو بڑے بڑے صاحبان بنواتے ہیں چھتیں بنواتے ہیں لائٹ اور پانی کا انتظام بھی کرتے ہیں' پتہ ہے بابا ایسے لوگوں کے لئے کیا کہتا تھا"۔ ابرار نے گھبرا کر اس کی سمت دیکھا اور بولا۔

"کیا کہتے تھے بابا......؟"

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے زندگی میں ان کے لئے کچھ نہیں کیا اور اب دکھاوا کرتے ہیں"۔

"چھوڑو تم اس بات کو"۔ ابرار نے اس کو خود سے قریب کر لیا۔

"میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ تم نے میری ماں کی قبر کی جس طرح رکھوالی کی ہے میں بھی شاید نہ کر سکتا"۔

"ابرار......" تو اس نے پھر چونک کر دیکھا۔

"کیا واقعی تم مجھ سے محبت کرتے ہو......؟"

"بخت بھری! یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے"۔ اس نے اپنے ہونٹ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیئے بخت بھری کو یوں لگا کہ وہ شرم سے پورے جسم سے کانپ گئی ہو اور ہر طرف شوخ ہواؤں میں پھول اڑ رہے ہوں۔

"بخت بھری! قبروں کے حوالے سے اب کوئی بات نہیں کرنا' جو بات بھی کرنی ہے نارمل زندگی کے حوالے سے کرنا"۔

"ابرار! مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ میں وہ ویرانہ چھوڑ کر آئی ہوں"۔

"تو یقین کرلو"۔ تو ابرار نے اسے اپنے سے بے حد قریب کرلیا تھا۔

"بخت بھری! میں تم کو اتنا پیار دوں گا کہ تم اس ویرانے کو بھول جاؤ گی اور اتنی خوشیاں دونگا کہ تمہارا گھر بھر جائے گا قہقہوں سے"۔ ابرار نے جھک کر اس کے کان میں کچھ کہا تھا وہ ہنستے ہنستے اس کے کاندھے سے جا لگی اور ابرار بھی ہنسے جا رہا تھا۔

"سوری بخت بھری! گھر میں تمہارا کوئی استقبال کرنے والا نہیں ہے ایک رسم ہے کہ دلہن کو کھیر کھلائی جاتی ہے میں نے بڑے بھائی کی شادی پر دیکھا تھا' چلو آؤ ہم تم کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں آج شادی کا ڈنر کرتے ہیں پھر آئس کریم کھاتے ہیں ڈرو مت تم اب میری ہو"۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

☆

گھر بہت دیر سے وہ لوٹے تھے ان کا کوئی استقبال کرنے والا بھی نہیں تھا۔

"ابرار......" اس نے مڑ کر زینے کی طرف دیکھا۔

"ڈرو نہیں ہم نے کوئی چوری نہیں کی میرے بھائی بہن شامل نہیں ہے لیکن میں تمہیں نکاح کر کے لایا ہوں' میں مطمئن ہوں"۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے آگے بڑھا۔

"آؤ بخت بھری آؤ......اب یہ تمہارا گھر ہے"۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے جگہ دی تھی۔

"یہ میرا کچن ہے یہاں میری ماں کھانا پکاتی تھی' یہاں بیٹھ کر میرا انتظار کرتی تھی کہ میں پلٹ کر آفس سے آؤں گا' اور ہم دونوں بیٹھ کر کھانا کھائیں گے' اب کل سے ہم دونوں یہاں بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اور تم میرا انتظار کرو گی اور یہ میری ماں کا کمرہ فی الحال خالی ہے کل جب ہمارے بچے ہوں گے تو ہم اسے آباد کریں گے"۔ بخت بھری کچھ شرما سی گئی تھی۔

"آؤ بخت بھری! یہ ہمارا بیڈ روم ہے"۔ کہتے ہوئے بیڈروم میں ابرار نے لا کر بخت بھری کو بٹھایا تھا۔

"پریشان مت ہو بخت بھری! یہ سب تمہارا ہے' تم خوف زدہ کیوں ہو؟"

"سچ ابرار! اتنا سب کچھ اور تمہاری محبت مل جانے پر میں حیران ہوں اور پریشان ہوں کہ یہ میں کیسے سنبھالوں گی"۔

"او تو بخت بھری! سب کچھ بھول جاؤ آج کی رات صرف تم اور ہم اور بخت بھری یہ گٹار میرا شوق ہے"۔ اس نے دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

"آج میں تمہیں تمہارے استقبال پر اپنی خوشی کے دن پر کچھ سناتا ہوں"۔ اس نے اپنی گٹار اٹھائی تھی اور بخت بھری کے بالکل قریب آ کر بیٹھ گیا تھا۔

ایسی چپ اور پاگل آنکھیں دہک رہی تھیں شدت سے میں تو سچ مچ ڈرنے لگا اس خاموش محبت سے تو بخت بھری نے شرما کر اپنا سر گھٹنوں پر ٹیک دیا تھا' وہ بخت بھری کے سر کو اٹھاتا ہوا اسے دیکھتا ہوا بولا تھا۔

"آج کھولیں گے لب اپنے
تم بہت سال رہ لئے اپنے
اب میرے صرف میرے ہو کے رہو
اب مجھے اپنے درد بہنے دو
دل کی اور بات دل سے کہنے دو
میری بانہوں میں خود کو بہنے دو"

پھر اس نے اس کی تھوڑی کو اوپر اٹھایا وہ شرما گئی۔

"مدتوں زخم خود سیئے اپنے
تم بہت سال رہ لئے اپنے
اب میرے صرف میرے ہو کے رہو"

اس نے پھول کی ایک ٹہنی سے اس کے ہونٹوں کو چھوا تو وہ نظریں جھکا کر شرما کر سمٹ گئی۔ اس نے چوڑیوں بھرا ہاتھ تھام لیا تو بخت بھری نے بڑی شوخ نظروں سے ابرار کو دیکھا تھا۔

"ارے یہ مہندی کس نے لگائی......؟ مجھے مہندی کی خوشبو بہت اچھی لگتی ہے"۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام کر بڑا گہرا سانس لیا۔

"میں نے خود لا کر لگائی ہے"۔ وہ شرما کر بولی۔

"تم بہت سال رہ لئے اپنے
اب میرے صرف میرے ہو کے رہو"

بخت بھری نے شرما کر اپنا سر اس کے کندھے پر جھکا دیا تھا۔

☆

وہ تھکا ہارا روز آفس سے آتا' بخت بھری جلدی جلدی کام کر کے اس کے انتظار میں ونڈو سے دیکھ رہی ہوتی تھی۔

"ماں کے بعد آج مجھے گھر اپنا آباد سا لگتا ہے"۔ وہ آمنے سامنے ٹیبل پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

"ماں کی خالی کرسی مجھے ان کی یاد دلاتی ہے"۔

"میں ہمیشہ ان کی پلیٹ ان کی چیئر کے سامنے رکھ دیتی ہوں اور یہ کھانا ماں جی کے نام کا روز چوکیدار کو دیتی ہوں' جو کچھ بھی ہوں میں ماں کی بدولت ہوں اس گھر میں"۔ وہ بے حد خوش تھی۔

☆

ہر روز ان کی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔

"ابرار! میں کتنی خوش ہوں' اپنے آپ کو میں خوش نصیب ہی سمجھتی ہوں کوشش کریں کہ آپ کے بھائی اور آپ کی بہن آپ سے ملنے لگیں"۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ابرار سے بات کی تھی۔

"بخت بھری! اس دروازے کے پیچھے میرے بھائی رہتے ہیں جس دن سے میری شادی ہوئی ہے یہ دروازہ بند ہو گیا ہے چلو بخت بھری چھوڑو تم......بہت مختلف ذہن کی ہیں میری بھابی"۔

"پھر بھی ابرار! تم اپنی طرف سے کوشش تو کر کے دیکھو"۔ تو ابرار نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھٹکھٹایا تھا' دروازہ بھابی نے ہی کھولا تھا۔

"کیا ہے ابرار! کیوں تم نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے' ہم لوگ تو خود یہ گھر چھوڑنے والے ہیں ہمیں خوف آتا ہے کہ تم یہاں گورکن کی بیٹی کو لے کر آئے ہو"۔

"بھابی......" ابرار بہت زور سے چیخا تھا' وہ دیوار سے جا لگی تھی۔

"نا جانے تم کس گندی بلا کو اٹھا کر لے آئے ہو' ہماری بچیاں بڑی ہو رہی ہیں ہم کیا خاندان میں منہ دکھائیں گے کہ چچا نے گورکن کی بیٹی سے شادی کی ہے' تمہیں تو کوئی خاندان اور ہماری عزت کا بھی خیال نہیں رہا ابرار! بند کرو یہ دروازہ"۔ وہ بہت غصے سے کمرے سے چلی گئی تھیں ابرار سکتے میں بیٹھا تھا۔

"بخت بھری! یہ تم نے اچھا نہیں کیا"۔ بخت بھری خاموش ہو گئی تھی۔

☆

آج صبح وہ بہت بجھے بجھے آفس گیا تھا' بخت بھری سارا دن کمرے میں لیٹی ہوئی روتی رہی تھی شام ابرار لوٹ کر گھر آیا تھا۔

"کیا ہے بخت بھری! اتنی خاموشی ہے کیوں چپ چپ ہو' ہوا کیا ہے......؟" اس نے تولیے سے منہ پونچھتے ہوئے گولہ بنا کر بخت بھری کے چہرے پر پھینکا تھا۔

"ابرار......" وہ بہت زور سے ہنسی تھی' ابرار نے ہنسانے کے لئے گلاس سے اٹھا کر اس کے چہرے پر پانی پھینکا تھا' اسے معلوم تھا بخت بھری کو بہت ہنسی آتی ہے تو وہ بہت زور زور سے ہنس رہی تھی' برابر والا دروازہ دھڑ سے کھلا تھا۔

"یہ قبرستان نہیں ہے یہاں انسان رہتے ہیں مُردے نہیں اور نہ ہی ہم کفن چور ہیں ہمارے گھر میں جوان بیٹیاں ہیں کچھ لحاظ کرو' اور ابرار! تمہارا بھائی کہہ رہا ہے تم یہ گھر بیچ کر مجھے چلے جاؤ یا ہم بیچ کر تمہیں چلے جاتے ہیں"۔ بخت بھری نے بھاگ کر ابرار کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے تھے۔

"پلیز ابرار! کچھ مت بولنا"۔ بھابی جا چکی تھیں ابرار غصے سے بیٹھا تھا۔

☆

''ابرار! چائے تو لے لو''۔ وہ چائے کا کپ لئے ابرار کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''نہیں بخت بھری! دیر ہو رہی ہے پلیز بخت بھری''۔ ابرار نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''ساری آوازیں ہمارے کمرے تک آتی ہیں بے شرمی کی حد ہوتی ہے ابرار میں کہتی ہوں تم یہاں سے چلے جاؤ اور اس عورت کو چھوڑ دو''۔ بھابی نکل کر آئی تھیں۔

''بھابی......'' اس نے بہت چیخ کر چائے کا کپ فرش پر پھینکا تھا۔

''ابرار...... ابرار...... میری بات سنو''۔ بخت بھری اس کے پیچھے بھاگی تھی مگر ابرار بہت غصے سے آگے بڑھتا باہر چلا گیا تھا۔

''مجھے کیا اس طرح سے دیکھ رہی ہو تم گورکن کی اولاد تھیں اور رہو گی' ایک شریف گھر کا تم نے سکون تباہ کیا ہے اور ابرار کو تمہاری معصوم شکل پر رحم آ گیا ہے تم اس کی ماں کی قبر پر روزانہ جھاڑو دیتی تھیں اور پانی ڈالتی تھیں وہ ہر روز تمہاری باتیں کرتا اور ایک روز تمہاری معصوم شکل دیکھ کر رحم کر کے تم پر عاشق ہو گیا''۔ وہ دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی تھیں وہ سکتے کی عالم میں بیٹھی روتی رہی تھی۔

☆

''اٹھو ابرار! چھٹی کا دن ہے تم باہر نکل کر دیکھو باہر کتنا خوبصورت موسم ہے تم چھٹی کے دن بھی سو رہے ہو''۔

''ایک دن ملتا ہے بخت بھری! مجھے سونے دو میرا دل نہیں چاہ رہا مجھے سونے دو''۔

''نہیں ابرار! اٹھو' باہر دیکھو کتنا اچھا موسم ہے''۔ باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی دیکھتے ہی دیکھتے تیز ہو گئی وہ باہر ابرار کا ہاتھ تھامے ہوئے بڑھی تھی۔

''چھوڑو مجھے...... مجھے پانی بالکل پسند نہیں''۔

''لیکن مجھے تو پسند ہے ابرار!'' وہ چھم چھم کرتی ہوئی پانی میں آگے بڑھ گئی تھی۔

ہم تم ہوں گے بادل ہوگا
رقص میں سارا جنگل ہوگا

ابرار گٹار بجا رہا تھا۔

وہ گنگنا رہی تھی' ابرار اسے دیکھ دیکھ کر ہنسے جا رہا تھا پھر وہ بڑھ کر ابرار کا ہاتھ تھام کر گھسیٹ لائی تھی تبھی بھائی اور بھابی اندر سے نمودار ہوئے تھے۔

''ابرار! اس نے بے شرمی کی حد کر دی ہے ہمارے گھر میں جوان بیٹیاں ہیں کچھ تو شرم کرو' یہ قبرستان نہیں گھر ہے''۔ بھائی بہت زور سے چیخے تھے وہ دونوں جہاں تھے وہیں کے وہیں کھڑے رہ گئے' پھر جھجکتی ہوئی وہ اندر آ گئی تھی' ابرار بے حد شرمندہ سا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

☆

''ابرار چائے تو لے لو''۔ وہ صبح ابرار کو اٹھا رہی تھی۔

''بخت بھری! آج میں آفس نہیں کسی گھر کی تلاش میں جا رہا ہوں جہاں میں سکون سے رہ سکوں' میں کر لوں گا گزارہ چھوڑ دوں گا یہ گھر' میں ساری رات سو نہیں سکا بخت بھری! نیند نہیں آئی میرا سر بھاری ہو رہا ہے آنکھ بند کرتا ہوں تو بھابی کا چیختا ہوا چہرہ نظر آ رہا ہوتا ہے' میں دور تمہیں بہت دور لے کر چلا جاؤں گا مڑ کر بھی نہیں دیکھوں گا''۔ اس کا لہجہ بہت افسردہ تھا۔

''ابرار! میں اسی قبرستان میں واپس چلی جاتی ہوں' تمہاری ماں کے قدموں میں ساری زندگی گزار دوں گی' یہ دنیا والے مجھے جینے نہیں دیں گے' ابرار! جب تمہیں تمہاری ماں کی یاد آئے تو آ جایا کرنا''۔

''نہیں بخت بھری نہیں...... اگر میں مر جاؤں نا بخت بھری یہ مجھے کہیں بھی دفنا دیں تو تم میری ماں کو نہیں چھوڑنا' ان کے خدمت کی وجہ سے تم مجھے ملی ہو''۔

''اللہ نہ کرے ابرار! ایسا مت کہو' مرنے سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے لوگ مٹی میں ڈال کر بھول جاتے ہیں''۔ وہ بہت آہستہ سے بولی تھی اور آنسو بہہ نکلے تھے۔

☆

صبح اٹھ کر وہ گھر کی تلاش میں باہر گیا تھا' وہ بے قرار سی ہو کر گھڑی کو دیکھتی رہی۔

''یا اللہ! میرا کوئی نہیں ہے ابرار کو واپس بھیج دے''۔ جب رات ہو گئی تو وہ بے تحاشہ برابر والا دروازہ پیٹ رہی تھی۔

''اسرار بھائی! دروازہ کھولیں ابرار گھر نہیں آیا صبح سے''۔ تو اسرار گھبرا کر باہر نکلے تھے۔

''اچھا اچھا میں دیکھتا ہوں کیوں نہیں آیا ابھی تک''۔ انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی 12 بج رہے تھے۔

''تم نے آفس فون کیا......؟''

''اسرار بھائی! وہ آفس نہیں گئے تھے' وہ لوگ کہتے ہیں کہ آج ابرار آفس نہیں آیا''۔ اسرار بھاگ کر باہر نکلے تھے تھوڑی دیر بعد واپس آئے۔

''آج صبح گلی کی نکڑ پر ایکسیڈنٹ ابرار کا تھا' ٹرک نے اس کی گاڑی کو کچل کر رکھ دیا لوگ پہچان نہیں سکے کہ وہ ابرار ہے' پان کی شاپ والا بتا رہا تھا کہ وہ جو کوئی بھی تھا آن اسپوٹ مر گیا' ایدھی کی ایمبولینس لے کر گئی ہے میں جا رہا ہوں''۔ اسرار پسینے پسینے ہو گئے تھے' بخت بھری کرسی پر دھڑ سے گری تھی۔ تو بھابی بھی کمرے میں چلی آئیں۔

''تو ہونا ہی یہی تھا گورکن کو اٹھا کر گھر پر لاؤ گے تو روحیں تو ساتھ آئیں گی ہی' کھا گئیں تم ابرار کو''۔ بھابی اور بھائی چلے گئے تھے۔ وہ ساری رات اکیلے بیٹھی ہوئی روتی رہی تھی۔

''اللہ کرے یہ ایکسیڈنٹ کسی اور کا ہو''۔ وہ دعا مانگ رہی تھی۔

☆

ابرار کو گئے ہوئے دس دن ہو گئے تھے ساری امیدیں ختم ہو گئی تھیں اس نے اپنے ہاتھوں کی چوڑیاں اتار کر بیڈ پر ڈال دی تھی وہ ہر وقت روتی رہتی تھی۔

ایک دن بھابی آئی تھیں اور بولیں۔

''اب تمہارے لئے یہاں کیا رکھا ہے ابرار تو ہے نہیں پھر کس کا انتظار ہے جاؤ' ماں کے برابر میں ابرار کو دفنا دیا گیا ہے جاؤ تم یہاں سے' کل تم یہ گھر خالی کر دو' تمہارا ہم سے کوئی رشتہ نہیں ہے اور ہم نہ ہی گورکن کی بیٹی کو گھر میں رکھ سکتے ہیں سمجھیں تم' اور جو سامان ہے نا تمہارے کپڑے وغیرہ وہ ساتھ لے کر جانا' میں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتی خوف کے مارے' تمہارے ساتھ تو روحیں لپٹی ہوئی ہیں تم نے ہمارے ابرار کو بھی مار دیا''۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی تھیں۔

☆

دوسرے دن کپڑے سمیٹے وہ جانے کے لئے سڑک کے پاس کھڑی تھی۔ رکشہ رکوایا۔

''کہاں جانا ہے بی بی؟''

''کہاں جاؤں......؟ کوئی گھر کوئی ٹھکانا نہیں ہے' ابرار سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی ماں کو میں اکیلے نہیں چھوڑوں گی''۔ وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''قبرستان''۔

دور تک خاموشی اور سناٹا تھا' نہ درختوں پر پرندے اور نہ ہی کتے بلیاں تھیں۔ اتنے گہرے سناٹے میں اس نے اپنی کٹیا پھر ابرار کی ماں کی قبر پر نظر ڈالی تو برابر میں ابرار کی خشک قبر پر نظر پڑی تھی وہ ماں کے قدموں پر سر رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''ماں جی! میں واپس آ گئی ابرار کو لے کر''۔ روتے روتے اس نے آنسو پونچھے پھر ابرار کی قبر کی طرف دیکھا اور پانی لا کر ڈالنے لگی تھی۔

''ابرار! میں آ گئی ہوں تم تنہا نہیں ہو......'' اسے یوں لگا بارش ہو رہی ہے۔

وہ کھلے آسمان تلے کھڑی تھی۔

ہم تم ہوں گے بادل ہوگا
رقص میں سارا جنگل ہوگا

''بخت بھری تو واپس آ گئی''۔ بابا حیران ہوا تھا۔

☆

شازیہ مصطفیٰ عمران

قسط نمبر 10

سلسلے وار ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے



پورا ٹائم ذیشان سے چھپتی رہی تھی کیونکہ اس میں سامنا کرنے کی ذرا ہمت نہیں تھی مگر دل اندر سے بے چین بھی تھا۔ آپی کی خیر خیریت پوچھ لیتی' لائبہ بھی تو نہیں گئی تھی ان کے گھر جو اس سے ہی پوچھتی۔ اب تو ذیشان کی کلاسز بھی آف ہونے والی تھیں کیونکہ ان کے ایگزام ہونے والے تھے۔

''لیل ماہ! کھانا کھالو''۔ امی بھی تھکی تھکی ہوگئی تھیں گھر سے حرما کیا گئی تھی لگتا تھا ساری رونقیں ختم ہوگئی ہوں۔

''امی! بھوک نہیں ہے''۔ دل بہت بوجھل ہو رہا تھا وہ لیٹ گئی تھی۔ امی اس کے قریب ہی بیڈ کے کونے پر بیٹھی تھیں۔

''ذیشان تو آیا ہوگا یونیورسٹی؟'' قدرے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

''جی آئے تھے''۔

''تم نے پوچھا حرما کی کوئی خیریت؟'' وہ ماں تھیں ان کا دل تو تڑپ رہا تھا' ان کی سب سے زیادہ صابر اور شاکر بیٹی تھی اور اس کے ساتھ اتنا برا ہوا تھا' دل کٹ رہا تھا۔

''میرا ان کا سامنا نہیں ہوا''۔ وہ کروٹ لے کر لیٹ گئی۔

''پوچھتی تو...... میرا دل گھبرا رہا ہے وہ ضرور وہاں رو رہی ہوگی' کیسے رہے گی''۔ وہ رونے لگیں۔

''آپ بھی بس...... اب ان کی شادی ہوگئی ہے وہ روئے یا ہنسے' رہنا وہیں ہے''۔ سخت لہجے میں آ گئی۔

''تمہارے باپ سے مجھے یہی ڈر لگا ہوا تھا پتہ نہیں کیا الٹی سیدھی حماد کے دوست نے بکواس کی ہے''۔

''امی پلیز! حماد کا ذکر مت کریں''۔ وہ غصہ میں آ گئی۔

''پھر کیا کروں؟ تمہارے باپ کے سامنے تو میں اپنی بچی کو یاد کر کے رو بھی نہیں سکتی' ارے کچھ خیر خبر ہی لے آتی''۔

''اچھا کل پوچھوں گی''۔ وہ بھی افسردہ ہوگئی' امی جو اتنا رو رہی تھیں۔

''امی! ابو نے کسی کو ان کے گھر جانے کی پابندی تو نہیں لگائی ہے''۔

''نہیں ایسا غضب بھی نہیں کرنا کبھی' وہ میرے پیچھے پڑ جائیں''۔ وہ اتنا ڈر گئی تھیں' لیل ماہ کو ہر وقت ہی ہدایتیں دیتی رہتی تھیں۔ یونیورسٹی میں کسی بھی لڑکے سے کوئی بات چیت نہیں کرے' ابو تو یونیورسٹی جانے نہیں دے رہے تھے' وہ تو لائبہ نے کہا چند دن بعد تو پڑھائی ختم ہی ہو جانی ہے' اس کی بات کے آگے وہ چپ ہو گئے تھے۔

''پھر ان کی خبر ایسے تو ملنے سے رہی''۔ وہ زچ ہوگئی۔

''کل ذیشان سے پوچھ لینا''۔

''ٹھیک ہے پوچھ لوں گی''۔ اس نے تسلی دی۔ مگر ذہن الجھ گیا' اس نے سوچ لیا تھا کسی طرح بھی ذیشان احمد کے گھر جا کر ہی حرما کی خیریت لے آئے گی' جب تک خود سے آنکھوں سے نہیں دیکھ لے گی سکون نہیں آئے گا۔ مگر شہران کا سوچ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا' وہ آرام خاک کرتی اوپر کے پورشن میں چلی گئی۔

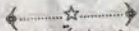
سامنے ہی اس کی چھت تھی اب تو وہ خود بھی چھت پر ہفتوں ہو گئے تھے نہیں آئی تھی مگر اس کی نگاہ دیوار سے ٹیک لگائے ہاف سلیو وائٹ بنیان اور بلیو ٹراؤزر میں ملبوس شہران پر پڑی' اس کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی وہ پڑھنے میں مصروف تھا۔

''یہ بدتمیز اجڈ آدمی چھت پر بیٹھ کے پڑھتا کیا رہتا ہے؟'' لیل ماہ کو تجسس ہوا۔ وہ ایک ٹانگ کرسی کے دوسری لمبی کیے بے ترتیب سا بیٹھا تھا' کتاب سائیڈ پر رکھ کر وہ کچھ لکھنے لگا۔

''یہ انسان مجھے زہر سے بھی برا لگتا ہے' اگر شہران احمد یہ گڑبڑ تمہاری کی ہوئی ہے تو میں بھی بخشوں گی نہیں''۔ دانت پیس کے اندر کے انتشار کو روکا۔

حرما کی یاد اسے آ رہی تھی تین دن سے نہیں دیکھا تھا' شاید کبھی چھت پر نظر آ جائے مگر کیسے۔ وہ رنجور اور ملول سی چیئر پر بیٹھ گئی' کتنی رات تک دونوں دیر تک باتیں کرتی رہتی تھیں اور اب اس کا کمرے میں دل ہی نہیں لگتا تھا۔

''کاش ابو آپی کی بھی سن لیتے' جلد بازی میں کتنا غلط فیصلہ کیا ہے''۔ آنسو رخسار کو بھگونے لگے تھے۔ بھابی سے وہ کوئی بات شیئر نہیں کرتی تھی' ہمیشہ حرما سے ہی اپنے سارے مسئلے ڈسکس کرتی تھی اور اب کس سے کہے گی؟ کون سنے گا' زور زور سے رونے لگی تھی۔



آتے ہی آفس کی ساری ذمہ داری اس نے سنبھال لی تھی' روحیل سکندر اس کے رابطے میں تھے' تیمور کے تو آگ لگی ہوئی تھی کیسے حمدان کو روحیل سکندر اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔

''کیا بات ہے آج لنچ بریک کیوں نہیں کیا؟'' تیمور کڑے تیوروں سے اس سے مخاطب تھا۔ حمدان اپنے کام میں مگن تھا اچٹتی نگاہ ڈال کر ناگواری سے منہ بنانے لگا۔

''بریک کچھ دیر میں ہوگی کیونکہ کام زیادہ ہے''۔ وہ اسے جواب دینا تک پسند نہیں کرتا تھا۔

''تایا ابو کی غیر موجودگی کا تم فائدہ اٹھا رہے ہو''۔ وہ تو تن فن کر رہا تھا۔ حمدان کی اتنی آفس میں اہمیت اسے طیش دلا رہی تھی۔

''میں سر سے پوچھ کے یہاں کے سب کام کر رہا ہوں' میں بالکل بھی ان کی غیر موجودگی کا فائدہ نہیں اٹھا رہا کیونکہ جب فائدہ اٹھانے والے موجود ہیں تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے''۔ طنز میں ڈوبا ہوا تیر اچھالا۔ تیمور زچ ہو کر آنکھوں میں نفرت اور رقابت کی چنگاریاں لیے اسے گھورنے لگا۔

''تم آخر اتنا اکڑتے کیوں ہو؟''

''دیکھیے مسٹر تیمور! میں سر کی غیر موجودگی میں آپ سے الجھنا نہیں چاہتا''۔

''میں تمہیں خوب سمجھتا اور جانتا ہوں' تایا ابو کو اپنی وفاداری کے ڈرامے رچا کے انہیں شیشے میں اتارنا چاہتے ہو کیونکہ تمہارا مقصد اریشماہ کو حاصل کرنا ہے''۔

''شٹ اپ''۔ اس کی کنپٹیاں پھڑک اٹھیں' غصہ کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو گیا' اس کے کردار پر کوئی انگلی اٹھائے یہ تو وہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔

''سچ سن کے بھڑک اٹھے''۔ وہ تمسخر اڑانے لگا۔

''میں تمہاری فضول بات کا کوئی جواب نہیں دوں گا''۔ کمپیوٹر آف کیا' چیئر کھسکا کے وہ اٹھا۔ بری طرح غصہ آ رہا تھا اور تیمور کے منہ لگ کر کوئی ہنگامہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو''۔ تیمور اس کے اتنے کول انداز پر بھڑک اٹھا۔ حمدان کی تنقیدی فہمائشی نگاہوں نے اسے گھورا' وہ تیمور کو جتنا اہمیت نہیں دینا چاہ رہا تھا وہ اتنا ہی اس سے الجھنا چاہ رہا تھا۔

''تیمور! آپ خوامخواہ بات کو بڑھا رہے ہیں''۔

''تم بات ہی نہیں کر رہے ہو' بات تو بڑھے گی' مجھے یہ بتا دو ادھر اس آفس میں کیوں آئے ہو' تمہیں اور کوئی کمپنی نہیں ملی جاب کے لیے''۔ آج تو اسے موقع ملا تھا حمدان سے اپنے دل کی جلن نکال سکے۔

''سنا نہیں اریشماء اور میں یونیورسٹی میں ساتھ ہوتے تھے''۔ حمدان سمجھ گیا اسے اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے وہ اریشماء پر جو نگاہ لگائے ہوئے تھا۔

''میں نے تایا ابو سے پوچھا تھا وہ تو کہہ رہے تھے ایسا کچھ نہیں ہے''۔ وہ حیران تھا۔

''اریشماء نے انہیں یہی کہا تھا آپ کو نہیں بتایا جائے کیونکہ آپ کو اعتراض ہوگا''۔ وہ بھی حساب برابر کرنے میں ماہر تھا پھر جب تیمور کو بھی غلط فہمی ہے تو وہ ایسا ہی کرے گا۔

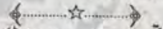
''اونہہ اعتراض''۔ وہ ہنکار کے رہ گیا۔

حمدان تیزی سے ڈور کھول کے روم سے نکل گیا' لمبا سانس لیا پتہ نہیں کیوں اس نے ایسا بولا تھا اور اریشماء کو پتہ چلے گا تو کتنا حیران ہوگی اور خوش بھی ہوگی کہ اس نے آخر اہمیت دے ہی دی۔

لنچ بریک تک وہ کینٹین میں بیٹھا رہا ورنہ وہ جلدی اپنے روم میں آ جاتا تھا۔ تیمور نے اس کا ذہن الجھا دیا تھا مگر اسے بھی ضد ہوگئی تھی کہ وہ تیمور کو زچ کرتا رہے گا۔

آفس آف ہونے کے بعد وہ تمام اسٹاف کو ہدایتیں دیتا ہوا روحیل سکندر کو آج کی ساری رپورٹس دیں مگر تیمور کا ذکر بالکل نہیں کیا۔

اریشماء کی بھی اس دوران ایک بھی کال نہیں آئی تھی' وہ حیران بھی تھا مگر جب سے وہ نئے پروجیکٹ پر کام کرنے لگا تھا اریشماء کی دلچسپی آفس میں کچھ کم ہوگئی تھی ورنہ وہ ہر چیز پر ڈسکس ضرور کرتی تھی یا پھر یہ وجہ بھی تھی وہ میٹنگز میں ساتھ نہیں تھی اس لئے بھی وہ زیادہ کچھ نہیں بول رہی تھی۔



وہ گیٹ کی سمت تیزی سے بڑھ رہی تھی ذیشان نے اسے پکار لیا' وہ ٹھٹک کے رک گئی۔

''لیل ماہ! بات سنو''۔ اس کے قدم رک گئے۔ ذیشان نے آج اسے ڈھونڈ ہی لیا تھا' وہ سپاٹ سے چہرے کے ساتھ تھی۔

''کیسی ہو' سب کیسے ہیں گھر میں؟'' وہ بڑے فریش انداز میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔

''سب جی رہے ہیں بس''۔ لہجے میں تلخی اور طنز در آیا۔

''مجھے اندازہ ہے تمہارے گھر قیامت ہی گزر گئی ہے مگر یہ بھی دیکھو حرما بھی وہاں بالکل خوش نہیں ہے' تم سب کے لئے روتی رہتی ہے''۔ لیل ماہ کا دل تڑپ گیا' اس کی سادہ معصوم سی بہن کے ساتھ کیسا ظلم ہوا تھا اسے صفائی تک میں بھی کہنے کی اجازت نہیں تھی اور چپکے سے اس کا نکاح کر کے گھر سے رخصت کر دیا' اگر ذیشان احمد بھی نکاح سے انکار کر دیتا تو پھر اس کی بہن تو کہیں کی نہیں رہتی۔

''کیوں آپ نے انہیں خوش نہیں رکھا؟'' وہ سرد مہر اور روکھی سی ہو رہی تھی۔

''میں تو اسے ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں' میری امی' بہنیں اس کا بہت خیال رکھ رہی ہیں مگر وہ آپ سب لوگوں کے لئے رو رہی ہے' وہ کبھی بھی ایسے خوش نہیں رہ سکتی''۔ وہ پہلو بدل کر کھڑا ہوا۔

''آپ نے سنا نہیں ہمارے ابو نے آپ لوگوں سے ہر قسم کا رشتہ ختم کیا ہوا ہے''۔

''لیل ماہ! کم از کم آپ تو ایسا نہیں کہیں حرما مر جائے گی آپ تو اس سے ملنے آ جائیے تاکہ اسے کچھ تو آپ سے ڈھارس ملے''۔

''میں کیسے آ سکتی ہوں؟'' وہ چونک کر گویا ہوئی۔

''وہ آپ کی بہن ہے اس کے گھر تو آ سکتی ہیں''۔ وہ جھٹ گویا ہوا۔

''پلیز ذیشان احمد! مجھے آپ مجبور نہیں کریں''۔

''لیل ماہ! میں آپ کا بھائی ہوں' آپ کی بہن کا شوہر ہوں' بہن کے گھر آنے کیلئے اتنا سوچنا کیوں؟'' ذیشان نے اس کے کہنے پر گویا جتایا۔

''آپ کو نہیں پتہ ہمارے گھر کا ماحول کیسا ہو گیا ہے' میری بہن میرے لئے کیا تھی''۔ لیل ماہ ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی مگر اس کا دل ایکدم ہی بھر آیا' گھٹی گھٹی آواز میں رونے لگی۔ یونیورسٹی آف ہو چکی تھی سب ہی اپنے اپنے پوائنٹس کی طرف رواں تھے۔

''مجھے اندازہ ہے مگر مجھے یقین ہے حرما سے ملنے کے بعد آپ بھی ریلیکس ہو جائیں گی اور حرما بھی مطمئن ہو جائے گی کہ کوئی تو اس کیلئے فکر مند ہے''۔ ذیشان کو تسلی ہوئی لیل ماہ کچھ تو راضی ہوئی۔

''آپ آج کسی ٹائم آ جائیں''۔

''آج...... مگر مشکل ہے آپ کو پتہ ہے ابو کو خبر ہوگئی تو؟'' وہ ڈری۔

''آپ لائبہ کے گھر آ جائیں''۔

''آپ ایسا کریں آپی کو لائبہ کے گھر بھیج دیں میں مل لوں گی''۔ حرما کے ملنے کے خیال سے اس کے چہرے پر رونق سی آ گئی تھی۔

''آپ گھر آئیں گی تو مجھے بھی زیادہ خوشی ہوگی اور حرما بھی خوش ہو جائے گی''۔

''بہت مشکل ہے''۔ وہ تذبذب کا شکار تھی۔

''کوئی مشکل نہیں ہے آپ کوشش تو کیجئے پھر میں بھی یہ چاہتا ہوں' آپ حرما کو سمجھایئے اس طرح رونے دھونے سے کچھ حاصل نہیں ہے' یہ میرا وعدہ ہے میں اس کا وقار آپ کے والد کے سامنے اونچا کر کے رہوں گا''۔ وہ بڑے پرجوش لہجے میں گویا ہوا' اس کی آنکھوں میں بھی سچائی تھی۔ لیل ماہ نے سر ہلایا' وہ اپنی بہن کو خوش دیکھنا چاہتی تھی جو ہوا وہ ٹھیک تو نہیں ہو سکتا' مگر کیپر دبائز تو کرنا ہی تھا۔ ذیشان احمد کی سچائی دیتی آنکھوں میں عزم بھی تھا۔

ذیشان احمد برا تو نہیں ہے کتنی عزت سے وہ بات کر رہا ہے اسے خبر ہے کس کی کس طرح عزت کی جائے گی۔ اس کی بہن کو عزت سے رخصت کرا کے لے گیا تھا' وہ الٹا شرمندہ ہی ہو رہا تھا ورنہ تو وہ حرما کے ساتھ ناروا سلوک بھی رکھ سکتا تھا۔ اس کی ماں اور بہنیں بہت ہی حرما کا خیال رکھ رہے تھے اس کے دل کو سکون ملا تھا۔ امی کو بھی آج یہ خبر دے گی کہ حرما کا وہاں سب بہت خیال کر رہے ہیں۔ ذیشان احمد سے بات کر کے وہ بھی مطمئن تھی مگر جب شہران کو سوچتی اس کا حلق تک کڑوا ہو جاتا تھا' اس کے متعلق ذیشان احمد نے کچھ نہیں بتایا تھا۔



مصباح کو جو لوگ دیکھنے آئے تھے انہیں مصباح پسند آ گئی تھی اب وہ لوگ جواب مانگ رہے تھے مگر حمدان جب سے اسلام آباد سے واپس آیا تھا اسے ذرا بھی ٹائم نہیں ملا تھا لڑکے کے متعلق کچھ معلومات کر سکے جہاں وہ جاب کرتا تھا۔ حمدان پر پورے آفس کی ذمہ داری تھی۔ جب سے روحیل سکندر واپس آئے تھے اسے سکھ کا سانس ملا تھا۔

آفس سے وہ لنچ ٹائم میں ہی نکل آیا تھا۔ لڑکے سے آفس جا کر اسے ملنا تھا' لوگوں سے پوچھ گچھ بھی کرنی تھی۔ اریشماء سے اس کا ابھی تک بھی سامنا نہیں ہوا تھا۔ لڑکا ٹھیک ٹھاک لگا تھا اس کی جاب بھی ٹھیک تھی۔ حمدان مطمئن ہو

گیا تھا۔ شام میں 6 بجے وہ گھر پہنچا تھا۔ وہ اس سے پہلے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی' پنک کاٹن کے ایمبر ائیڈری کے کپڑوں میں ملبوس بڑے بے تکلف انداز میں صوفے پر اپنے دودھیا نرم و نازک سے پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھی' اُسے دیکھ کر جھینپ کر سیدھی ہوگئی' نگاہوں میں ہنوز خفگی بھی تھی۔

''آفس آئی نہیں یہاں آنے کا اسے خوب ٹائم ملتا ہے''۔ ہاف وائٹ شرٹ کی آستین فولڈ کیے بے رخی سے روم سے نکل کے اندر آ گیا۔

''اریشماء باجی! یہ دیکھیے''۔ عدین نے البم پیچھے کر لی' جھجک کے وہ کوریڈور میں ہی رک گیا' حمدان کی تنقیدی نگاہ اٹھی۔

''عدین!'' اریشماء کی آواز پر وہ چونکا۔ حمدان اپنے روم میں چلا گیا تھا۔ مصباح چائے کے ساتھ سموسے اور نمکو لے آئی تھی۔

''دکھاؤ البم''۔ اس نے جھپٹی۔

''بھائی جان آ گئے ہیں''۔ وہ البم بھی حمدان کی وارڈروب سے نکال کے لایا تھا جس میں اس کے خاصے خوبصورت پوز تھے جب وہ امریکا میں تھا۔

''دکھاؤ تو''۔ وہ حمدان کی البم دیکھنے کے لئے بے قرار تھی۔

''آپ کو نہیں پتہ بوتل کے جن کی طرح اٹھ کر آ جائیں گے''۔ عدین سموسے اٹھا کر کھانے لگا۔

''عدین! دکھادو' ابھی بھائی جان چینج کریں گے''۔ مصباح' اریشماء کی بے قراری اور دلچسپی دیکھ رہی تھی' اس نے بھی یہ بہت پہلے ہی نوٹ کر لیا تھا وہ حمدان کو پسند کرنے لگی ہے۔ اریشماء البم دیکھنے لگی' حمدان کا پوز خاصا منفرد اور خوبصورت تھا وہ تو بغور دیکھ رہی تھی۔

''امی' امی''۔ یک بیک دو آوازیں دیں۔ وہ تینوں الرٹ ہو گئے۔ اریشماء نے البم اپنے بیگ میں رکھ لی' ان تینوں کو یوں ساکت دیکھ کر چونک گیا۔ حمدان کی کڑی نگاہ اریشماء پر اٹھی۔

''بھائی جان! امی نیچے فائزہ باجی کے گھر گئی ہیں''۔ عدین نے ہی بتایا۔ مصباح کے سلسلے میں ہی بات کرنے گئی تھیں۔

''ہوں''۔ اس نے ''ہوں'' کو لمبا کھینچا۔ وہ امی کو لڑکے کے متعلق ہی بتانا چاہ رہا تھا۔ ایزی سے پستئی کلر کے قمیض شلوار میں ملبوس اونچا لمبا حمدان' اریشماء کی نگاہوں میں بس گیا۔

''آپ کو پتہ ہے آپی کو لڑکے والے پسند کر گئے ہیں''۔

''کیا..... اتنی بڑی خوشی کی خبر مجھ سے ابھی تک چھپائی ہوئی تھی''۔ وہ اچھل گئی' خوشی بھی ہوئی' مصباح کا چہرہ شرم سے گلنار ہو گیا۔

''مصباح! بڑی گھنی ہو بتایا بھی نہیں''۔ اس نے مصباح کے بازو پر چپت لگائی۔

''ابھی تو انہوں نے رضامندی دی ہے' بات طے ہو جاتی تو آپ کو ضرور بتاتے''۔

''کیا مطلب طے ہو جاتی جب بتاتے' میں کچھ نہیں لگتی تم لوگوں کی''۔ وہ خفگی بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

''میرا مطلب ہے ضرور سب کچھ آپ کو بتاتے' آپ تو ناراض ہونے لگیں''۔ مصباح کو فکر ہو گئی اریشماء کا چہرہ خفگی سے پھول گیا تھا۔

''میں ناراض نہیں ہوں گی مجھے پل پل میسج کرتا ہے یہ اور اتنی اہم بات بتانا بھول گیا''۔ اریشماء نے عدین سے

غصہ کا اظہار کیا۔

''اچھا سوری میری ماں''۔ اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

''خبردار مجھے یہ کہا میری ماں''۔ وہ تو برا مان گئی۔

''اچھا بہن! معاف کر دو اتنی بڑی بات نہیں ہے جو تم پکڑ کے بیٹھ گئی ہو''۔ عدین کی اس سے خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی' اکثر وہ آپ کے بجائے مذاق میں تم کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

''مصباح! چائے ملے گی''۔ حمدان کی گمبھیر آواز پر وہ تینوں پھر چپ ہو گئے۔

''حمدان کب سے چائے پینے لگا''۔ اس نے سرگوشی میں پوچھا۔ حمدان چوکھٹ میں ہی کھڑا تھا اس کی بات بھی سن لی۔

''اچھی چائے ضرور پیتا ہوں''۔ طنز کیا۔ اریشماء جز بز سی ہو گئی اور اس کا واضح طنز کا اشارہ بھی خوب سمجھتی تھی' حمدان کو گھورنے لگی۔ عدین نیچے چلا گیا۔ مصباح نے اشارے سے امی کو بلانے کو کہا اور وہ چائے بنانے چلی گئی۔

''اتنی بھی کسی کی تذلیل نہیں کرنی چاہیے''۔ برا مان گئی۔

حمدان اس کے سامنے بڑے صوفے پر بیٹھ گیا' ایک تو وہ آفس نہیں آ رہی تھی اور اسے یہاں دیکھ کر الٹا غصہ ہی آیا تھا۔

پنک کلر اریشماء پر بہت خوبصورت لگ رہا تھا' وہ سر سے پیر تک حسن و رعنائی کا جیتا جاگتا مجسمہ تھی' وہ اکثر اس کے حسن میں کھونے لگتا تھا' مرد ہی تھا نفس پر قابو پانا مشکل ہو جاتا تھا۔

''سوری...... میں نے تذلیل نہیں کی ہے''۔ جھٹ صفائی پیش کی۔

''مگر چائے کا طعنہ تو مارتے رہتے ہیں''۔ وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ آف وہائٹ پرنٹڈ دوپٹہ کو شانے پر برابر کیا' چہرہ خفگی کی عکاسی کر رہا تھا' نگاہ ملانے سے وہ گریز ہی کرتی تھی۔

''آپ آفس کیوں نہیں آ رہی ہیں؟'' حمدان پوچھے بغیر نہیں رہ سکا' فوراً ہی موضوع بھی بدل دیا ورنہ اسے پتہ تھا اریشماء کی بحث چھڑ گئی تو سوائے موڈ خراب ہونے کے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

''آج موڈ نہیں ہو رہا تھا کل سے جوائن کروں گی''۔ بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ امی' عدین کے ساتھ چلی آئیں تو اسے رکنا پڑا۔

''حمدان! وہ لوگ تو جلدی رسم کرنا چاہ رہے ہیں اور اس عید پر ہی شادی کرنے کو کہہ رہے ہیں''۔ امی بہت خوش تھیں' انہیں مصباح کی رات دن فکر جو تھی۔

''ارے اریشماء بیٹا! کیسی ہو؟ مجھے تو عدین نے ابھی بتایا تم آئی ہو' اگر خبر ہوتی تو پہلے ہی آ جاتی''۔

''ارے نہیں آنٹی! ایسی کوئی بات نہیں' مجھے بہت خوشی ہوئی مصباح کی بات لگ گئی ہے''۔ اس نے بھرپور خوشی کا اظہار کیا۔ حمدان اس کے اتنے اپنائیت بھرے انداز پر متحیر رہ جاتا تھا۔ سب سے ہی اس کی خاصی دوستی ہو گئی تھی' جب ہی تو جب دل کرتا تھا وہ آ جاتی تھی' مگر حمدان اس سے فاصلے پر رہ کر بات کرتا تھا۔

☆

جب سے ذیشان نے بتایا تھا کہ لیل ماہ ملی تھی وہ بہت خوش تھی۔ اس کی لیل ماہ کو اور امی کو فکر تو ہے یہی اس کیلئے بہت تھا۔ ذیشان کو دیکھنے دو تین دفعہ آ چکی تھی جو پڑھائی میں اس قدر منہمک تھا حرما کی آمد پر بھی سر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا وہ دل مسوس کے چلی جاتی تھی۔ شیبا کچن میں تھی' بسمہ ٹیوشن گئی ہوئی تھی' محمد احمد حسب معمول ٹی وی دیکھنے میں

منہمک تھے' شہران چھت پر تھا۔
جانے کیا کرتا رہتا تھا کئی دفعہ اس نے سوچا اوپر جا کر تو دیکھے پھر اپنے گھر کی بالکونی سے چھت تو نظر آتی تھی' شہران بیٹھا ہوا نظر آتا تھا۔
''ارے شیبا! شہران کو بلا کب سے بجلی اور گیس کے بل آئے ہوئے ہیں جمع کروانے ہیں' ابھی وہ رکھ لے گا تو صبح جمع تو کرادے گا''۔ حمیرا بیگم کو یاد آیا۔
''امی! آپ خود جا کر بلائیے' دروازہ تو کھولتے ہی نہیں ہیں''۔ حرما سمجھ گئی تھی سب ہی شہران سے نالاں ہیں' جب تک اوپر چھت پر ہوتا سکون رہتا ہے ورنہ نیچے رہ کر محمد احمد سے اس کی تکرار چلتی رہتی تھی۔
''میرے گھٹنوں کا درد مجھے چلنے پھرنے نہیں دیتا اور یہ اولاد مجھے سکون نہیں لینے دیتی ہے''۔ حمیرا بیگم دکھ و تاسف سے گویا ہوئیں۔
''آپ بیٹھئے میں بلاتی ہوں''۔ حرما نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ تو متحیر زدہ سی اسے دیکھتی رہ گئیں' آج پہلی دفعہ وہ گھر کے کسی معاملے میں بولی تھی۔
اورنج پرنٹڈ لان کے کپڑوں میں ملبوس سادہ سی حرما بہت پروقار لگتی تھی' دروازہ اس نے زور زور سے بجایا۔
''کیا ہے میں سو رہا ہوں''۔ اس کی جھنجھلائی ہوئی آواز آئی۔
''دروازہ کھولو''۔ اس نے تیز لہجے میں حکمیہ انداز میں کہا۔ چہرہ اس کا سپاٹ تھا مگر آج سوچا تھا تھوڑی بہت شہران کی طبیعت صاف کر ہی دے' پورے گھر کو تنگ کر کے رکھا ہوا تھا۔ دروازہ کھٹ سے کھلا' شہران نے نگاہ ڈالی اور جھکالی۔
''یہ کیا طریقہ ہے اور تم اوپر کا دروازہ لاک کر کے بیٹھ جاتے ہو' امی نیچے پکارتی رہتی ہیں''۔ وہ برہم ہو رہی تھی۔ شہران کو تو یقین نہیں آ رہا تھا وہ اتنے پراعتماد لب و لہجے میں اسے ڈانٹ بھی سکتی ہے۔
''آپ کو مجھ سے کوئی تکلیف ہے؟'' نا چاہتے ہوئے بھی لہجے میں تیزی لے آیا۔
''تکلیف مجھے نہیں گھر والوں کو ہے''۔ وہ تو لاجواب ہو گئی' مگر اس کے سامنے پھر بھی پراعتماد بنی رہی کیونکہ اگر آج اس سے ڈر گئی تو یہ اسے بھی سب کی طرح دبا لے گا اور حرما نے سوچ لیا تھا کچھ تو وہ شہران کو سکھا کے رہے گی جس میں بڑے چھوٹے کی ذرا تمیز اور لحاظ نہیں تھا۔
''میں کام کر رہا تھا''۔ ناگواری سے منہ دوسری طرف گھما لیا۔
''تمہیں پتہ ہے کتنی لائٹ جاتی ہے' ہمیں بھی چھت پر جا کر بیٹھنا ہوتا ہے' روز تم شام میں آ کر دروازہ لاک کر کے بیٹھ جاتے ہو''۔
''ہمارے گھر کی چھت پر کوئی بہن نہیں چڑھتی ہے نہ بیٹھتی ہے اس لئے کبھی کسی نے لائٹ کا رونا نہیں رویا ہے' کیوں آپ کے گھر آپ کے والد صاحب چھت پر جانے دیتے ہیں''۔
''حد ہوتی ہے بدتمیزی کی' یہاں بات میں اس گھر کی کر رہی ہوں میرے باپ کو کیوں تم بیچ میں لاتے ہو''۔ حرما کا تو غصے سے چہرہ لال ہو گیا۔
''سچ میں دو آئے ہیں میں نہیں آیا ہوں' پلیز آپ نیچے جائیے''۔
''یہ مت بھولو میں تمہاری بھابی ہوں''۔ اس نے جتایا۔
''بھابی ہو تو کیا سر پر بٹھالوں''۔ ہاتھ اٹھا کر گویا ہوا۔

''بڑوں کی کچھ عزت بھی ہوتی ہے''۔
''دیکھئے میں آپ سے بالکل بھی کوئی بحث میں پڑ کے ایسی کوئی بات نہیں کہنا چاہتا کہ آپ کو دکھ ہو' کیونکہ میں جو کہہ دیتا ہوں اس کا ملال کبھی نہیں کرتا''۔ وہ مڑ گیا۔
''جب ہی تو تم ایسے ہو''۔ حرما یہ کہہ کر رکی نہیں۔ شہران حیرت زدہ سا رہ گیا' کیسے اس کے منہ پر کہہ گئی تھی۔
''اور ہاں صبح جاتے ہوئے سارے بل جمع کروا دینا''۔ حرما کو یاد آیا تو پلٹ کے گویا ہوئی۔
''اور کوئی حکم؟'' وہ سرتاپا سلگ گیا۔
''آج کے لئے اتنا ہی کافی ہے''۔ وہ سیڑھیاں اتر گئی۔ شہران بھنا کے رہ گیا' پہلی دفعہ کسی نے اس کی غلطی پر اس طرح ٹوکا اور ڈانٹا تھا ورنہ کسی کی ہمت نہیں تھی۔

☆

روحیل سکندر نے اسے گھر بلایا تھا اسلام آباد کے پروجیکٹ پر ڈسکس کرنے کیلئے۔ حمدان اپنی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھا رہا تھا اور روحیل سکندر اس کی قابلیت اور ذہانت کے معترف ہو گئے تھے' تیمور اکثر جلتا اور کڑھتا رہتا تھا۔
''یار! ڈنر تو کر کے ہی جاؤ گے''۔
''سر! کافی ٹائم ہو گیا ہے''۔ ہاف وائٹ پینٹ پر لائٹ اسکائی بلیو شرٹ میں ڈیسنٹ اور چارمنگ لگ رہا تھا۔
''ڈیڈی! ڈنر لگ چکا ہے' ممی نے بہت جلدی سب کچھ تیار کروایا ہے''۔ سی گرین پلین کاٹن کے ایمبرائیڈری کے لانگ شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس اریشماء نے اطلاع دی۔ حمدان کی اچٹتی نگاہ پڑی مگر وہ اس لمحے اتنی منفرد اور پیاری لگ رہی تھی نا چاہتے ہوئے بھی نگاہ نہیں بچا سکا۔
''سب ممی ہی تیار کرتی ہیں یہ خود کچھ نہیں کرتی''۔ وہ سوچنے لگا۔
روحیل سکندر نے اسے زبردستی ڈنر کر کے ہی جانے دیا' چکن پلاؤ اور کباب اور آلو قیمہ بھی تھا' چکن پلاؤ مزے کا بنا تھا' حمدان کو پسند آیا تھا۔ اریشماء سامنے والی چیئر پر بیٹھی کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔
''آخاہ...... یہاں تو بھئی ڈنر چل رہا ہے''۔ کامران اور مسز کامران پرجوش انداز میں اندر آئے تھے۔
''آ جائیں آپ لوگ بھی''۔ فوزیہ نے ان دونوں کو ہی بلایا۔ تیمور بھی بلیک پینٹ پر لیمن کلر کی شرٹ میں تیزی میں اندر آیا تھا' حمدان کو دیکھ کر رک گیا۔
''اچھا سر! میں چلوں''۔ تیمور کو دیکھ کر وہ فوراً ہی اٹھ گیا۔ فوزیہ نے بہت روکا چائے کیلئے مگر وہ نہیں رکا۔ حمدان اس لمحے تیمور کو کسی طرح سلگانا چاہتا تھا' اریشماء کوریڈور میں تھی دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا۔ تیمور ان دونوں کو ہی بغور جانچ رہا تھا۔ حمدان نے اریشماء کو اشارے سے بلایا' اس پر تو شادی مرگ طاری ہو گیا۔
''باہر آئیے آپ سے کچھ بات کرنی ہے''۔ تیمور پر نگاہ ڈالتا ہوا اریشماء سے سرگوشی میں بول رہا تھا۔
وہ دونوں باہر نکلے۔ بائیک اس کی پورچ میں ہی کھڑی تھی۔ حمدان کو اندازہ تھا تیمور ضرور اٹھ کر باہر آئے گا۔
''آپ آفس کیوں نہیں آ رہی ہیں؟'' وہ اس کے قریب ہوا۔ تیمور کے قدم اس نے دیکھ لئے تھے وہ رک گیا تھا۔ حمدان جان بوجھ کر اب اسے غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہتا تھا' اس کی وہ بدتمیزی بھولا کب تھا۔
''آفس آنے کا فائدہ؟ آپ کو تو کچھ فرق بھی نہیں پڑ رہا ہوگا''۔ اریشماء نے نگاہ جھکائے رکھی۔
''خیر اب ایسی تو بات نہیں کریں' بہت فرق پڑ رہا ہے جب ہی پوچھ رہا ہوں''۔ وہ مبہم سا مسکرایا۔ اریشماء کو یقین

نہیں آیا' اس کی گمبھیرتا پر چونک گئی۔

"دل سے کہہ رہے ہیں؟"

"دل کے چکر میں پڑ کے کام خراب ہو جاتے ہیں' نیو پروجیکٹ اسٹارٹ ہوا ہے مجھے ڈسکس کرنا ہوتا ہے' بار بار تو آپ کے گھر آنے سے رہا"۔ جھٹ بات کو واضح کر دیا۔

"میرا بھی تو کام خراب ہوا ہے اس کی فکر نہیں ہے"۔ ذو معنی لہجے میں حسرت تھی۔

"آپ خود کر رہی ہیں' آپ آفس آ جیئے کیا پتہ کام آپ کا ہو جائے"۔

"اریشماء! کب تک یہاں کھڑی باتیں کرتی رہو گی"۔ تیمور کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا' رقابت کی آگ اندر ہی اندر اسے سلگاتی رہتی تھی۔

"میں کسی ضروری بات کو ڈسکس کر رہی ہوں' تمہیں تکلیف"۔ اچھی خاصی حمدان کے سامنے اس کی توہین کر دی۔

"اچھا اریشماء! میں چلتا ہوں' کل آپ کو آفس ضرور آنا ہے' سمجھیں"۔ انداز رعونت اور دھونس سے بھرا تھا۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ حمدان کے انداز اتنے الگ تھے اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا' خاصی لگاوٹ سے بھی بات کر رہا تھا' وہ خوشی سے سرشار تھی مگر تیمور کی آمد نے سب ختم کر دیا' وہ دانت پیس رہی تھی۔

"تم اتنا اسے کیوں سر چڑھا رہی ہو؟"

"تیمور پلیز! تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا مجھ سے یہ سب کہنے کا"۔ وہ تیمور سے کوئی مروت نہیں برتتی تھی۔

☆

جب سے لیل ماہ نے حرما کی خیریت کی خبر دی تھی امی پرسکون ہو گئی تھیں ورنہ تو چپکے چپکے روتی رہتی تھیں۔ اسد مرزا کے سامنے تو رونے تک کی اجازت نہیں تھی۔ کوئی حرما کا ذکر تک نہیں کرتا تھا۔ لیل ماہ نے امی سے چپکے سے کہہ دیا تھا وہ حرما کے گھر واپسی میں ہوتی آئے گی' اس وقت اسد مرزا بھی گھر میں نہیں ہوتے تھے۔

صبح وہ بڑے فریش موڈ میں اٹھی تھی۔ پنک پرنٹڈ لان کے کپڑوں میں ملبوس وہ یونیورسٹی آف ہونے کے بعد لائبہ کے ساتھ ہی نکل گئی۔

"لائبہ! مجھے یہ خوشی ہے ذیشان بھائی آپی کا بہت خیال رکھ رہے ہیں"۔

"چل تیری فکر بھی ختم ہوئی' میں تو تجھے کہتی ہوں حرما باجی کو تسلی دے کر آنا کیونکہ مجھے پتہ ہے وہ ابھی بھی وہاں ایڈجسٹ نہیں ہوئی ہیں"۔ لائبہ ایک دفعہ ہی گئی تھی اس کے بعد اسے جانے کا ٹائم نہیں ملا تھا مگر ہمہ سے ساری خبریں ملتی رہتی تھیں۔

"سن وہ بدتمیز گھر میں ہوگا"۔

"تجھے اس سے کیا لینا' حرما باجی کے پاس بیٹھ کے آ جانا"۔ دونوں بس سے اتر گئی تھیں۔ لیل ماہ کا دل دھڑک رہا تھا' اپنے گھر کے آگے سے گزر کے وہ لائبہ کے گھر میں پہلے گئی' بیگ وغیرہ رکھا اور خود کو نارمل کر کے باہر آئی۔ پہلی بیل پر ہی گیٹ کھلا تھا۔ سامنے محمد احمد کی آنکھیں حیرانی سے پھٹ گئی تھیں' لیل ماہ جز بز سی ہو کر رہ گئی۔

"ارے سنتی ہو' تمہاری بہو کی بہن آئی ہے"۔ محمد احمد کی ہانک اتنی زوردار تھی یقیناً آس پاس کے گھروں میں بھی آواز گئی ہوگی' لیل ماہ نے ناگواری سے منہ بنایا۔

"السلام وعلیکم!" یاد آنے پر سلام کیا۔

"ارے بیٹی اندر آؤ"۔ حمیرا بیگم کی تو خوشی سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

لیل ماہ پورے گھر کا جائزہ لیتی ہوئی ان کی ہمراہی میں لاؤنج میں آ گئی۔

"تم بیٹھو میں حرما سے کہتی ہوں' نہا رہی تھی وہ"۔ اسے بٹھا کر حرما کے روم میں آ گئیں۔

نہا کر اسکائی بلیو لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں اس کا سراپا دلکش لگ رہا تھا۔

"جلدی آ جاؤ لیل ماہ آئی ہے"۔

"کیا لیل ماہ....." اس کے ہاتھ سے برش چھوٹ کر نیچے گرا۔ گیلے بالوں کو سمیٹتی ہوئی سر پر دوپٹہ جمائے باہر آئی۔ لیل ماہ کو دیکھ کر وہ تو لپٹ گئی اور روتی رہی۔

"آپی! کیا کر رہی ہو' کیوں رو رہی ہو"۔ لیل ماہ نے سرگوشی میں اس کے کان میں کہا۔

"تم اندر آ جاؤ"۔ اس کا ہاتھ تھام کے اپنے روم میں لے آئی۔ محمد احمد کی تنقیدی نگاہوں نے تو جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔

درمیانے سائز کا بیڈ ایک وارڈ روب چھوٹا سا ڈریسنگ ٹیبل جو لگتا تھا ابھی لیا تھا' بیڈ روم صاف ستھرا نک سک سے ترتیب دیا ہوا تھا۔

"آپی! تمہارا بیڈ روم تو بہت اچھا ہے"۔ لیل ماہ نے ستائشی لہجے میں اسے داد دی۔

"مگر میرا دل نہیں لگتا' تم بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟" اس نے آنسو آنچل کے کونے سے خشک کیے۔

"سب ٹھیک ہیں' ایک امی اور میں ہی تمہیں یاد کرتے رہتے ہیں' ابو کو جانتی ہو سمجھ نہیں آتی وہ غمزدہ ہیں یا مطمئن اور رہی بھابی' وہ تو اپنے بچوں اور میاں میں مگن ہیں اور ارباز بھائی وہ تو صبح کے گئے رات کو گھر آتے ہیں' چند گھڑی نیچے بیٹھتے ہیں پھر سیدھے اوپر' چاہے کچھ بھی ہو صبح ہی اترتے ہیں"۔ اس نے ساری تفصیل دی۔

"اور تم؟" حرما کے چہرے پر رونق سی آ گئی تھی۔

"پہلے بہت فکر مند تھی مگر جب سے ذیشان احمد سے ملی ہوں تمہاری فکر کم ہو گئی ہے"۔ وہ مسکرائی تاکہ حرما بھی مطمئن ہو جائے۔

"عزت سے نام لو' ذیشان احمد کیوں بولتی ہو' بھائی بولو"۔ حرما نے ٹوکا' چوکھٹ میں کھڑا ذیشان سن کے مسکرانے لگا۔

"آپی! تم تو روایتی بیوی بن گئی ہو' ذیشان بھائی کی شان میں گستاخی بھی پسند نہیں"۔ وہ چھیڑنے لگی۔

"وہ بہت اچھے ہیں"۔ حرما ویسے بھی ذیشان سے محبت کرتی تھی' اس کی دل سے عزت بھی کرتی تھی کیونکہ وہ لمحہ لمحہ اس کا خیال رکھتا تھا۔

"شادی ہو گئی چاہے کیسے بھی ہوئی"۔

"آہم....." ذیشان کھنکار کے اندر آیا۔ دونوں جھینپ گئیں۔ لیل ماہ سنبھل کے بیٹھ گئی۔ حرما نے بغور ذیشان کو دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔

"معذرت آپ دونوں بہنوں کے درمیان مخل ہوا"۔

"اب خیر ایسی بھی بات نہیں"۔ لیل ماہ جھینپ کے بولی۔ حرما بیڈ سے اٹھ گئی۔ لیل ماہ نے بھی تقلید کی۔

"ارے لیل ماہ! بیٹھیے تو"۔ ذیشان نے اسے روکا۔

"چلتی ہوں کافی دیر ہو گئی ہے"۔ اسے وقت گزرنے کا احساس ہوا' یونیورسٹی سے سیدھی ادھر ہی تو آ گئی تھی۔ شیبا

ٹرے میں لوازمات وغیرہ لئے آ گئی۔

''ارے خوامخواہ آپ نے تکلف کیا' مجھے ویسے بھی جلدی ہے''۔ وہ ان سب کے اتنے اہمیت دیئے جانے پر حیران بھی تھی۔

''چپ کر کے بیٹھ جاؤ''۔ حرما نے ٹرے بیڈ پر ہی رکھ لی۔

''آپ کولڈ ڈرنک لیں گی یا چائے؟''

''شیبا کولڈ ڈرنک لے آؤ''۔ حرما نے ہی ہدایت کی۔ لیل ماہ' حرما کو بغور حیرت سے دیکھنے لگی' وہ کتنی جلدی ان سب سے اتنی بے تکلف ہو گئی تھی۔ ذیشان کے کپڑے اس نے واش روم میں لٹکائے' وہ اپنی چیزیں سائیڈ ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔

''ذیشان بھائی! آپ بھی لیجیے نا''۔ لیل ماہ نے گھوم کر اسے دیکھا۔

''میں ذرا رک کر کھاؤں گا' آج کس قیامت کی گرمی تھی''۔ حرما پر نگاہ ڈالی وہ چپ بیٹھی تھی۔

''جی''۔ وہ بس اتنا ہی بولی۔ ذیشان روم سے نکل گیا' وہ کچھ دیر ان دونوں بہنوں کو باتیں کرنے کا موقع دے کر چلا گیا۔

''آپی! تم تو سب سے ہی اتنی جلدی فری ہو گئی ہو''۔ اسے خوشی بھی ہوئی۔

''جب رہنا ہی اس گھر میں ہے تو لوگوں سے مل کر ہی رہا جائے''۔ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کے رہ گئی۔

''اور وہ تمہارا دیور جسے مختلف تجربات کرنے کا شوق ہے' وہ تو ٹھیک سے بات کرتا ہے''۔ لیل ماہ نمکو منہ میں ڈالنے لگی۔

''ہوں...... بس ٹھیک ہے مگر حد سے زیادہ بد دماغ ہے' اپنے ابو سے روز کا لڑائی جھگڑا اور طنز چلتا ہے''۔ اس نے بتایا۔

''میں نے تو کل اچھی طرح خبر لے لی''۔

''تمہیں ڈر نہیں لگا؟''

''اری او سنتی ہو' تمہارا لاڈلا آج جلدی گھر آ گیا ہے''۔ محمد احمد کی ہانک بھری آواز سنائی دی۔ وہ چونک کر رہ گئی' حرما نے اشارہ باہر کی طرف کیا۔

''شہران آیا ہے' پہلے دونوں لڑیں گے اور مجھے شہران کی ابو سے بدتمیزی بہت بری لگتی ہے' دیکھنا سدھار کے رکھ دوں گی''۔ حرما نے تو ارادہ باندھ لیا تھا۔ لیل ماہ کو گھبراہٹ ہونے لگی کیونکہ وہ گھر میں آ گیا تھا اور وہ کسی طرح کی بھی بکواس کر سکتا تھا۔

''بھابی! شہران بھائی پھر''۔ شیبا کولڈ ڈرنک لے آئی تھی۔

''تمہارے بھائی ہیں ناں' سنبھال لیں گے''۔ اس نے تسلی دی۔ لیل ماہ ایکدم ہی کھڑی ہو گئی۔ حرما نے بہت روکا مگر اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔

دوپٹہ سر پر اچھی طرح اوڑھا۔ صحن میں وہ کھڑا تھا' اس پر نگاہ پڑی تو سکتہ ہو گیا۔

''اچھا آپی! اپنا خیال رکھنا''۔ اس نے شہران پر ذرا بھی نگاہ نہیں ڈالی۔

''ارے بھئی اتنی جلدی کیا ہے' رک کر جاتیں''۔

''آ جاؤں گی! پھر آؤں گی''۔ سلام کر کے وہ تیزی سے نکل گئی۔

شہران تو جیسے خواب کی دنیا میں چلا گیا۔ اسد مرزا کی دوسری بیٹی بھی اس گھر میں۔

''گھر میں کوئی آیا گیا ہوتا ہے' آواز کو نیچا رکھا کرو''۔ حرما نے ناگواری سے کہا۔ شہران خفیف سا ہو گیا۔ اس کے سامنے اس کی بولتی بند ہو جاتی تھی۔ وہ حیران تھا کیوں اس سے ڈر جاتا ہے' لحاظ کر جاتا ہے' شاید رشتے کی وجہ سے' وہ اس کے بھائی کی بیوی تھی اور رشتے میں بھابی تھی۔

''بھائی! آپ کی تو بھابی نے بولتی بند کر دی''۔ بسمہ نے اس کے کان میں کہا۔ وہ غصہ سے گھورنے لگا۔

☆

مصباح کا رشتہ پکا ہو گیا تھا۔ سادگی سے لڑکے کی بہن اور ماں نے مصباح کو مٹھائی وغیرہ کھلا دی اور ہاتھ پر پیسے رکھ دیئے تھے۔ عید کے بعد شادی کرنے کو کہا تھا۔ امی کی بھی فکر کم ہو گئی تھی۔ ان کی رات دن کی یہی فکر تھی مصباح جلدی اپنے گھر کی ہو جائے۔ اریشماء نے اسے ڈھیروں ڈھیر مبارکباد دی تھی' اسے بھی خوشی ہوئی تھی۔ عدین نے اسے چھیڑنا شروع کر دیا تھا۔ مصباح شرمائی ہوئی رہتی تھی۔ لڑکا نیٹ ورک کمپنی میں جاب کرتا تھا' تنخواہ بھی خاصی معقول تھی' اس لحاظ سے سب کو ہی لڑکا بھی پسند آ گیا تھا۔

''مصباح کے بعد میں تمہاری شادی کروں گی''۔ امی نے حمدان کو دیکھا وہ ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھا۔

''مجھے اتنی جلدی شادی نہیں کرنی ہے''۔ وہ ویسے ہی شادی سے بچتا تھا پھر اس پر ابھی روحیل سکندر کا قرضہ بھی تھا' وہ پہلے اتارنا تھا۔

''مصباح کے بعد میں اکیلی کیسے رہوں گی' میرا کوئی تو ہاتھ بٹانے والا ہو''۔ امی کو اس کی یہ ضد پسند نہیں آئی۔

''آپ جانتی ہیں ابھی مجھے روحیل سکندر کا قرضہ اتارنا ہے اور پھر مصباح کی شادی اچھی طریقے سے ہو جائے وہ زیادہ ضروری ہے''۔ اس نے ٹی وی کی آواز دھیمی کی۔

''وہ بھی انشاء اللہ ہو جائے گی مگر میں یہ چاہ رہی ہوں تمہارے لئے لڑکی دیکھ لوں کیونکہ ابھی مصباح ہے تو مجھے مشکل نہیں ہو گی''۔ انہوں نے توجیہہ پیش کی۔ حمدان کے ذہن میں اریشماء آ گئی۔ وہ بھی تو اس کی منتظر بیٹھی ہے اور وہ اسے اگنور کر رہا تھا' پھر ایسا موقع اسے کہیں نہیں ملے گا اریشماء سے پیچھا چھڑانے کا۔

''پھر ٹھیک ہے جو آپ مناسب سمجھیں وہ کریں''۔ یکدم ہی اس نے اپنی رضامندی دے دی۔ امی سے تو خوشی کے مارے بولا بھی نہیں گیا۔

''مگر شادی مصباح کی شادی کے ساتھ بالکل نہیں''۔ اس نے انہیں باور کرایا۔

''ہاں ٹھیک ہے جب تک تم روحیل سکندر کا قرضہ بھی اتار دو گے''۔ وہ تو خوش ہو گئی تھیں۔

''حمدان! یہ اریشماء کیسی لگتی ہے؟'' ایسا غیر متوقع سوال' وہ تو گڑبڑا گیا۔

''امی! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''کیوں ایسا کیا غلط کہہ دیا''۔ وہ بھی الٹا حیرت کا اظہار کرنے لگیں۔

''اریشماء کے بارے میں ایسا سوچئے گا بھی نہیں' کیونکہ میں ایسا کچھ نہیں سوچتا' وہ کہاں اور ہم کہاں''۔

''کیوں کیا ہوا؟ اریشماء کا جھکاؤ ویسے بھی تمہاری طرف لگتا ہے''۔

''میں اس جھکاؤ کو کوئی نام نہیں دینا چاہتا اور اسی لئے میں نے شادی کی رضامندی بھی دی ہے تاکہ اریشماء خود کو روک لے''۔ حمدان نے نگاہ چرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ دل کے ایوانوں میں تو وہ بستی تھی' دل کی دھڑکن اس کا ہی راگ الاپنے لگی تھی۔

"مجھے وہ بچی بہت اچھی لگتی ہے' اس کے والدین سے بات کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

"امی! آپ بات کو سمجھئے' وہ کہاں اتنی امیر کبیر اور ہم ان کی برابری نہیں کر سکتے اور پھر روحیل صاحب اپنی بیٹی کو جان سے لگائے رکھتے ہیں' کچھ تو انہوں نے سوچا ہوگا ان کی بیٹی کی شادی کہاں ہوگی اور میں نہیں چاہتا آپ بات کریں اور مایوسی ہو"۔ حمدان سنجیدہ لہجے میں انہیں سمجھا رہا تھا۔ امی بھی گہری سوچ میں مستغرق ہوگئیں' یہ سب تو انہوں نے بھی نہیں سوچا کہ وہ ان کی برابری نہیں کر سکتے۔

"آپ اریشماء کا خیال دل سے نکال دیں' جہاں کہیں بھی آپ میری شادی کریں گی میں خوشی خوشی راضی ہوں"۔ اس نے امی کے افسردہ چہرے پر نگاہ ڈالی۔

"ہوں فائزہ سے ہی کہوں گی وہ کوئی لڑکی بتائے"۔

"امی! ایک بات اور......" قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

"آپ اریشماء کے سامنے یہ ظاہر کرتی رہئے گا کہ میرے لئے بھی لڑکی دیکھی ہوئی ہے اور جلدی شادی کروں گی کیونکہ اسی طرح ہی وہ پیچھے ہٹ سکتی ہے"۔ حمدان رک رک کے گویا ہوا۔ اپنی شادی کی بات کرنے میں جھجک بھی آرہی تھی۔

"ہوں ٹھیک ہے"۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

حمدان خود جس مرحلے سے گزر رہا تھا وہی جانتا تھا۔ محبت و عشق کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتا تھا مگر اریشماء کی خود اعتمادی اور سادہ دلی اس کا دل لے گئی تھی۔

☆

زویا سے اس کی اچھی خاصی جھڑپ ہوگئی تھی کیونکہ وہ جب بھی فون کرتی تھی اریشماء کہیں نہ کہیں بزی ہوتی تھی' کب سے کال کر رہی تھی وہ پک نہیں کر رہی تھی' دھڑ سے ریسیور پٹخا تھا۔

آج وہ کافی دن بعد آفس آئی تھی' سب کچھ بہت عجیب لگ رہا تھا۔ جب سے ذہن و دل حمدان کی طرف ہوا تھا اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا' جھنجلائی ہوئی رہتی۔

دروازہ ناک کر کے وہ اندر آیا تھا۔ اریشماء نے بغور نگاہ ڈالی۔ ہاف وائٹ پینٹ پر گرے شرٹ میں ڈیشنگ اور چارمنگ ہمیشہ کی طرح لگ رہا تھا۔

"ای میلز آپ چیک کریں گی یا میں کر لوں؟" اس نے پوچھا۔

"آں ہاں"۔ سر ہلایا۔

"میں چیک کروں گی' آتی ہوں"۔ وہ پنک کپڑوں میں پریشان سی لگ رہی تھی۔ حمدان کو تشویش ہوئی' ضرور کوئی پریشانی ہے جب ہی وہ اتنی خاموش سی تھی۔

اریشماء چیئر سے اٹھی جبکہ وہ روم سے جا چکا تھا۔ زویا اس کی بیسٹ فرینڈ تھی اس سے اپنے دل کی تمام باتیں شیئر کرتی تھی وہ ناراض ہوگئی تھی۔ وہ واپس آیا۔

غائب دماغی سے ای میلز چیک کر رہی تھی۔ حمدان تشویش بھری نگاہوں سے جانچ رہا تھا۔

"مس اریشماء! آپ لگتا ہے کچھ ڈسٹرب ہیں کل چیک کر لیجیے گا"۔ اریشماء نے چونک کر اسے دیکھا جو اس کی رائٹ سائیڈ پر ہی کھڑا تھا۔

"ہوں...... بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"دراصل میں مجھے آج جلدی جانا ہے اگر میں ای میلز آج چیک نہیں کروں تو آپ کو اعتراض تو نہیں"۔

"کیوں آپ کو جلدی کیوں جانا ہے؟" اریشماء کو اچنبھا ہوا۔

"کچھ لوگ مجھے دیکھنے آرہے ہیں"۔ حمدان نے جان بوجھ کر جتایا۔

"کس لیے"۔

"شاید رشتے کے لیے"۔ وہ عام سے لہجے میں اسے بتانے لگا۔ اریشماء کے چتون تن گئے' یہ دوسری ٹینشن' وہ گڑبڑا گئی۔

"ابھی تو مصباح کی شادی ہوئی ہے"۔

"امی کو میری بھی جلدی کرنی ہے کیونکہ گھر میں ہاتھ بٹانے والا کوئی تو ہوگا"۔ وہ کمپیوٹر آف کر کے اپنا کی رنگ ڈھونڈنے لگا۔

"میں تھوڑی دیر میں نکلنے والا ہوں' سر کو میں نے بتا دیا تھا"۔ وہ اریشماء کے پھیکے پڑتے چہرے کو اگنور کرنے لگا۔ اریشماء کا دل ایسا لگا مٹھی میں آ گیا ہو۔ وہ کتنا سنگدل ہے اس کے بارے میں سوچنا تک نہیں چاہتا جبکہ وہ رات دن اس کے ہی سپنے دیکھتی ہے۔ وہ روم سے نکلا' اریشماء نے بھی تقلید کی۔

"آپ ایک منٹ میری بات تو سنئے"۔

"میں ... جلدی میں ہوں چھ بجے تک ان لوگوں نے آنا ہے"۔ ریسٹ واچ پر عجلت بھری نگاہ ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔ اریشماء پیر پٹخ کے رہ گئی۔ اتنی جلدی وہ پرایا ہو جائے گا وہ کیسے رہے گی؟ ابھی تو محبت کا پودا بڑھا بھی نہیں تھا' اکھاڑنے کے درپے تھا۔

"حمدان احمد! تمہاری شادی میرے علاوہ کسی سے بھی نہ ہو"۔ وہ بڑبڑائی۔

سیل نکالا' عدین کو دو تین میسج کیے مگر اس کا بھی کوئی ریپلائی نہیں آرہا تھا' وہ جھنجلاہٹ کا شکار ہوگئی۔

"اوہ...... تم ادھر ہو"۔ تیمور اسے دیکھ کر چہکنے لگا۔

"ظاہر ہے میں ادھر ہی ہوتی ہوں"۔ ناگواری سے طنز کیا۔

"اریشماء! کم آن ہم اچھے دوست بن کے بھی تو بات کر سکتے ہیں"۔ وہ کھسیا گیا۔

"دوست صرف میری ایک ہی ہے' مجھے کسی اور دوست کی ضرورت بھی نہیں ہے"۔

"حمدان سے تو بڑی دوستی ہے تمہاری"۔

"شٹ اپ"۔ وہ دانت پیسنے لگی۔

"حمدان میں اور تم میں زمین آسمان کا فرق ہے"۔

"ہاہا...... بالکل ٹھیک کہا' میں آسمان وہ زمین ہوا"۔ تمسخر اڑایا۔

"آسمان خود کو سمجھتے ہو' ویری فنی"۔

"تم ہمیشہ میری انسلٹ کرتی ہو"۔ اس نے سرد لہجے میں دہائی دی۔

"اونہہ"۔ غصہ میں تو پہلے ہی تھی' آگے سے اس کی کسی بات کا جواب دیئے بغیر چلی گئی' مگر تیمور بھی اپنے نام کا ایک تھا۔

"اریشماء! میں آج تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں' ہمیشہ ہماری لڑائی ہی ہوتی ہے مگر اب دوستی ہوگی"۔

''پلیز تیمور! میرا پیچھا چھوڑ دو اور میری تم سے کوئی لڑائی نہیں ہے' تم یہ وہم اپنے دل سے نکال دو''۔ چہرے پر اتنی بےزاری تھی۔ تیمور تشویش میں پڑ گیا' اتنی جھنجلائی ہوئی کیوں ہے؟

''آر یو او کے؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں' پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دو''۔ وہ ٹھک ٹھک کرتی ہوئی لفٹ کی سمت دوڑی تھی۔

حمدان نے یہ کیا کہہ دیا؟ آنکھوں میں آنسو کانچ کی طرح چبھنے لگے' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

گھر آ کر کمرے میں بند ہو گئی۔ فوزیہ روحیل تو پریشان ہو گئیں۔ اریشماء سیدھی اپنے کمرے میں کیوں گئی؟

''اریشماء! بیٹا کیا ہوا؟'' فوزیہ روحیل اس کے بالوں کو سنوارنے لگیں۔

''کچھ نہیں ممی! وہ زویا مجھ سے ناراض ہو گئی ہے''۔ اس نے اصل بات مخفی رکھی۔

''تم دونوں کی ایسی ہی ناراضی چلتی رہتی ہے' تم اتنی پریشان تو کبھی نہیں ہوئیں''۔ انہیں حیرانی بھی ہوئی۔

''ممی! وہ میری کال ریسیو نہیں کر رہی ہے''۔

''ارے بیٹا! تو تم اس کے گھر چلی جاؤ''۔ وہ اسے بہلانے لگیں۔ اریشماء نے سر ہلا کر ان کی گود میں سر رکھ دیا۔ فوزیہ روحیل اس کے بالوں میں نرم نرم سی انگلیاں چلانے لگیں۔

''ممی! میں کیا بہت بری ہوں''۔

''ہشت...... یہ کیسی بات کر رہی ہو؟ میری بیٹی دنیا کی سب سے حسین اور پیاری بیٹی ہے''۔

اریشماء کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حمدان کو کبھی بھی چھوڑنا نہیں چاہتی تھی' اسے پتہ تھا شادی وغیرہ وہ اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے کر رہا ہے' مگر اریشماء نے بھی تہیہ کیا ہوا تھا حمدان کو اپنی طرف مائل کر کے رہے گی' وہ اس کا ہے کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔

☆

صبح سے اسے ہلکا ہلکا بخار تھا جو اَب تیز ہو گیا تھا۔ چادر اوڑھے ہوئے وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی' چہرے پر نقاہت اور زردی گھلی ہوئی تھی۔ وہ پریشان بھی ہو گیا۔ ایگزام کی وجہ سے وہ کچھ توجہ بھی نہیں دے سکا تھا مگر اسے یوں دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''حرما! اٹھو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں''۔ وہ اسے اٹھانے لگا۔ حرما نے کسمسا کے آنکھیں کھولیں' عجیب چکر سے محسوس ہو رہے تھے۔

''اٹھو شاباش''۔ فکرمند سا ہو رہا تھا۔

''ذیشان! میں نے شہران کو کہہ دیا ہے ٹیکسی میں لے جائے گا''۔ حمیرا بیگم اندر داخل ہوئیں۔

حرما بمشکل اٹھی' اسکائی بلیو کاٹن کے کپڑوں میں مرجھائی ہوئی ہو رہی تھی' دوپٹہ شانوں پر برابر کیا۔

''میں بھی ساتھ چلوں''۔

''نہیں امی! میں لے جاؤں گا آپ شہران کو بلا لیں''۔ اس نے حرما کے سلیپر پاؤں سے آگے کیے' وہ پاؤں میں اڑستی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔

ذیشان نے والٹ وغیرہ لیا' اتنے میں وہ بھی نکل آئی' وارڈروب سے چادر نکالی اور اوڑھنے لگی' ذیشان کی نگاہیں اس کے سراپے پر تھیں۔ قریب آ کے اس کو تھام لیا' چکر آنے کی وجہ سے وہ لڑکھڑا رہی تھی۔ حرما کی سانسیں بہت تیز

چل رہی تھیں۔ ذیشان اس کے اتنے قریب تھا وہ گھبرا گئی۔

''تم بہت گرم ہو رہی ہو''۔

''مجھ سے چلا نہیں جا رہا''۔ وہ اس کے حصار سے نکلی۔

''گود میں اٹھا لوں''۔ لہجہ معنی خیزی اور شرارتی تھا۔

''ذیشان! آ جاؤ''۔ حمیرا بیگم کی آواز پر دونوں چونک گئے۔

اس نے حرما کا ہاتھ تھاما اور باہر لے آیا۔ محمد احمد کو دیکھ کر حرما نے سلام کیا۔ صبح سے کمرے سے نکلی کب تھی' روزانہ صبح اٹھ کر حمیرا بیگم اور محمد احمد کو سلام کرتی تھی۔

کتنے دنوں بعد وہ گھر سے باہر نکلی تھی۔ اپنے گھر پر حسرت بھری نگاہ ڈالی۔ اسد مرزا اس ٹائم مغرب کی نماز پڑھ کے گھر آتے تھے۔

شہران نے پیچھے کا ڈور کھولا' وہ اندر بیٹھ گئی جبکہ ذیشان فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حرما کی آنکھوں میں آنسوؤں کی روانی تیز ہو گئی تھی۔

''آپ پیچھے بیٹھ جائیے' بھابی رو رہی ہیں''۔ شہران مرر سے دیکھ چکا تھا۔

''چپ کر کے گاڑی چلاؤ''۔ حرما نے اسے ڈانٹ دیا۔ وہ خفیف سا ہو گیا۔ حرما ذرا اس کا لحاظ نہیں کرتی تھی جھاڑ کے رکھ دیتی تھی اور وہ بھی حیران تھا کیوں اتنا دب جاتا ہے۔

ڈاکٹر سے دوائی وغیرہ لے کے وہ گھر آ گئی تھی' دیکھا تو لیل ماہ آئی بیٹھی تھی اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''میں نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھا تھا' سمجھ گئی تھی ضرور بیمار ہیں' پھر لائبہ کو کال کی اس نے بھی بتایا''۔

شہران کی تیکھی نگاہوں نے اس مغرور لڑکی کا جائزہ لینا شروع کر دیا' لان کے اورنج پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس سادے سے سراپے کے ساتھ حرما سے مخاطب تھی۔

''صبح تو ہلکا بخار تھا دوپہر سے تیز ہو گیا تھا''۔ اس نے تھکی تھکی آواز میں بتایا۔

''حرما! ایسا کرو تم اندر اپنے کمرے میں چلی جاؤ''۔ حمیرا بیگم اس کے بخار میں تمتمائے ہوئے چہرے کو فکرمندی سے دیکھنے لگیں۔

''نہیں امی! میں ادھر ہی بیٹھوں گی طبیعت گھبرانے لگی ہے کمرے میں لیٹے لیٹے''۔ وہ لاؤنج میں ہی لیل ماہ کو بھی لے آئی تھی۔

شہران اپنے کمرے میں چلا گیا تھا' ذیشان بھی سامنے ہی بیٹھ گیا۔

''آپ کی آپی کو زبردستی ڈاکٹر کے پاس لے گیا ہوں ورنہ یہ تو بہت ضدی ہیں''۔ ذیشان مسکراتے ہوئے حرما کی شکایت کرنے لگا۔ حرما نے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔

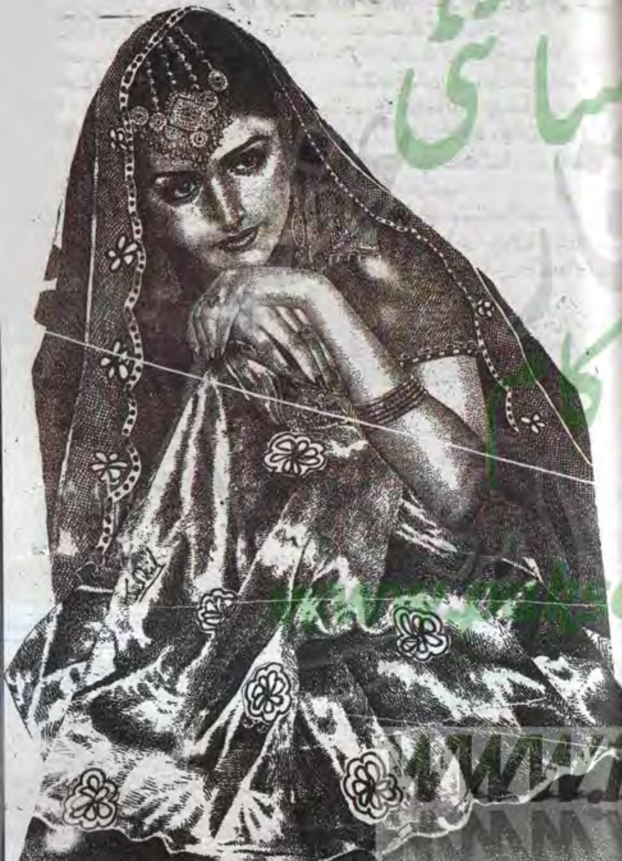
''ویسے میری آپی ضدی نہیں ہیں' ہاں البتہ میں ہوں''۔ لیل ماہ نے اس کی نفی کی۔

شہران کو اپنے کمرے میں اس کی آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔

''محترمہ! مجھ سے زیادہ ضدی تو تم بھی نہیں ہو گی اور دیکھنا عنقریب تمہیں بھی یہاں لے آؤں گا' پھر پتہ چلے گا تمہیں بھی اور تمہارے شریف النفس باپ کو بھی''۔ وہ تو ہر وقت بدلہ لینے کے پلان ہی بناتا رہتا تھا۔

(جاری ہے)

☆



کشش خان

افسانہ

جاناں تیری الفت کی قسم

''آ...... ہائے اللہ بچاؤ...... اف اللہ......'' کہتی دوڑتی جا رہی تھی ساتھ ساتھ اس کی صدائیں بلند ہوتی جا رہی تھیں۔

''ممی! اف خدا! کوئی ہے بچاؤ مجھے اس سے''۔

''ریلیکس''۔ بھاگتے بھاگتے کب وہ کسی کے آہنی حصار میں مقید ہوئی اسے پتہ نہیں لگا۔

''ٹمی...... لیٹس گو''۔ اس شخص کی مضبوط آواز سن کر وہ ٹمی صاحب دم ہلاتے ہوئے کھلے ہوئے گیٹ میں چلے گئے لیکن جاتے جاتے اسے گھور کر دیکھا تھا اس نے دوبارہ ایک چیخ مار کر اس کے سینے میں سر دے لیا مقابل کے چہرے پر اک دل آویز مسکان پھیل گئی۔

''آہ...... ہم......'' اس کے زور سے کھنکھارنے پر وہ ایکدم ہوش میں آئی' ذرا سی آنکھیں کھول کر دیکھا روڈ کے بیچوں بیچ وہ اس شخص کے گلے کا ہار بنی کھڑی تھی' اور کچھ آگے بچوں کا ایک ٹولہ قل قل کر رہا تھا' وہ ایک جھٹکے سے دور ہٹی' کچھ دھوپ کی تمازت کچھ شرمندگی کے مارے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا' پھر بھی آہستہ سے نگاہیں اٹھا کر مقابل کو دیکھا سامنے اس کی آنکھوں میں ایک شوق کا جہاں آباد تھا' وہ ہیزل گرین آنکھوں میں کئی رنگ لیے اسے تک رہا تھا' وہ سرعت سے آنکھوں پر پلکوں کی باڑھ گرا گئی۔

''اف خدا......'' دھڑکن کی تیز تیز آوازیں یوں لگ رہا تھا مقابل نے بھی سنی ہیں' شرمندگی کے حصار میں جانے کب تک کھڑی رہتی۔

''مس نیہا......'' اپنے نام کی پکار پر چونک کر سر اٹھایا۔ اس کے نوٹس اور بیگ ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔

''آپ کو میرا نام کیسے پتہ چلا......؟'' شدید حیرانگی میں اس کی ساحر آنکھیں مزید کھل گئیں تو مقابل کی نگاہوں سے چھلکتی ستائش پلکیں جھکانے پر مجبور کر گئی۔

''آپ کے بیگ سے آپ کا آئی ڈی کارڈ گرا تھا یہ لیں......'' اس شخص کی آواز بھی اس کی پرسنیلٹی کی طرح تھی سحر انگیز۔

''شکریہ''۔ اس نے تیزی سے چیزیں لیں اور بغیر اِدھر اُدھر دیکھے سیدھے چل دی۔

موڑ پر مڑنے سے پہلے بے اختیار اس کی نظر پیچھے پڑی' وہ ہنوز سینے پر ہاتھ لپیٹے اسے دیکھ رہا تھا اُس کے دیکھنے پر بڑی جاندار مسکراہٹ لبوں پر سجی تھی' وہ سٹپٹا کر بھاگنے کے انداز میں مڑ گئی' پورا راستہ الٹی سیدھی سوچوں میں طے ہوا' بڑی مشکل سے گھر پہنچی۔

''اف......'' آتے ہی صوفے پر گر گئی۔

''شکیلہ! پانی' جوس لاؤ جلدی......'' دوپٹہ ایک طرف پھینکا بیگ ایک طرف۔

''کیا ہوا...... کیوں شور مچا رہی ہو' خود بھی تو لے سکتی ہو شکیلہ کھانا پکا رہی ہے''۔ ممی اس کی چیخ و پکار پر باہر آ گئیں۔

''ممی! آپ کو نہیں پتہ میں کتنی مشکل سے گھر

پہنچی ہوں وین والا آیا نہیں' بس میں مجھے بیٹھنا نہیں آتا' رکشہ ٹیکسی میں اکیلے بیٹھنے سے کتنا ڈر لگتا ہے' پھر پیدل آنا پڑا گلشن اقبال سے سمن آباد کوئی آسان بات ہے......" وہ انتہائی افسردہ انداز میں روداد سنانے لگی۔

"اس پر کتا بھی پیچھے لگ گیا"۔ اس کے انداز پر ممی کو ہنسی آ گئی۔

"حد ہو گئی نیہا! اتنی بڑی ہو گئی' بی ایس سی کے صرف فائنل ایگزام ہی تو رہ گئے ہیں پھر کالج ختم مگر بچپنا ختم نہیں ہو گا' کتا اور لوگوں کے پیچھے کیوں نہیں لگتا؟ کیونکہ دور سے دیکھتے ہی بھاگنے نہیں لگتے' تم یقیناً اسے دیکھتے ہی بھاگنا شروع ہو گئی ہو گی"۔ وہ اس کی عادات جانتی تھیں اس کا سراثبات میں ہی ہلا' اتنے میں شکیلہ مینگو جوس کا بھرا جگ...... پانی کی بوتل لے آئی۔

"یہ لیں بی بی جی......" شکیلہ ان کے جہاں کی کل وقتی ملازمہ تھی نیہا کی ہم عمر بھی تھی تقریباً۔

"اور مینگو جوس"۔ نیہا نے لپک کر جوس اٹھایا اس میں تو اس کی جان تھی۔ ممی اس کی جلد بازی پر تاسف سے سر ہلا کر چلی گئیں۔

"پتہ نہیں کب سدھرے گی یہ لڑکی"۔

☆

وہ ٹی وی فل والیوم میں کھولے بیٹھا تھا' مگر اس کی نگاہوں میں کوئی اور منظر بار بار سما رہا تھا' سماعتیں ان بولوں میں ضرور الجھ رہی تھیں مگر نگاہوں میں ایک دل ربا آ کر بار بار تنگ کر رہی تھی وہ مسکرا اٹھا۔

کھٹاک کر کے کسی نے ٹی وی کا پلگ نکال دیا وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا سامنے ہی خونخوار تیوروں سے اسے گھور رہی تھیں۔

"ہفتے میں ایک دن تمہاری چھٹی ہوتی ہے جس میں بھی کمرے میں [illegible] ٹی وی دیکھتے رہنا' ماں کی تنہائی کا خیال [illegible]"۔ وہ ان کے ناراض لہجے پر ایکدم سیدھا ہو گیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں ممی! آپ کا خیال نہیں ہو گا تو کس کا ہو گا ایک ہی تو میری ممی ہیں"۔ اس نے لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

"اسامہ! بیٹا کتنی بار کہوں تم باپ بیٹا آفس چلے جاتے ہو پیچھے میں اکیلی رہ جاتی ہوں میرا دل گھبراتا ہے۔ بیٹا مجھے بہو لا دو تاکہ اپنی زندگی میں اپنے پوتا پوتی آنگن میں چلتے کھیلتے دیکھ لوں' زندگی کا کیا بھروسہ"۔ وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

"ایموشنل بلیک میلنگ"۔ وہ مسکرایا۔

"اب آپ اتنا فورس کر رہی ہیں تو آپ کی بات میں بھلا ٹال سکتا ہوں' لے آئیں بہو"۔ وہ اطمینان سے بول کر اٹھ بیٹھا۔

"اسامہ! دیکھ بیٹا مذاق نہ کر سچ بتا کوئی پسند ہے تجھے......؟ ہمیں تمہاری پسند پر کوئی اعتراض نہ ہو گا زندگی تمہیں گزارنی ہے ہمیں نہیں' تمہیں پورا اختیار ہے ہمیں بس گھر بتا دو"۔ وہ اس کے چہرے کو کھوجتے ہوئے بولیں۔

"وہ بات یہ ہے ممی کے......" وہ سر کھجانے لگا۔

"ہاں شاباش بولو......" وہ مسکرانے لگیں۔

"وہ چند دن پہلے ایک لڑکی یہاں سے گزری تھی میں نے اس کا آئی ڈی کارڈ گر گیا تھا وہ اسے دیا تھا اس پر نام ایڈریس پڑھ لیا تھا میں اس کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتا کہ کہیں وہ انگیج تو نہیں' کالج یونیفارم میں تھی نیہا نام ہے"۔ وہ تھوڑی جھینپی مسکراہٹ سے بتانے لگا۔

"اوہ...... تو ماشاء اللہ صرف ایک نظر دیکھا ہے میرے چاند نے اور......" وہ ہنس دیں۔

"اب تو ملنا پڑے گا اس لڑکی سے جو ایک نظر میں دیوانہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے"۔

☆

"نیہا!" وہ کوچنگ سے واپس شام [illegible] ہی تھی کہ ممی نے آواز دے کر روک لیا۔

"بیٹا! یہ ٹرالی ڈرائنگ روم میں لے جاؤ اور سرو کرو میں تمہارے ماموں کو بلا کر آ رہی ہوں اور کوئی بونگی حرکت مت کرنا اچھے سے ملنا سب سے"۔ وہ اسے تنبیہ کر کے برابر والے گھر کی طرف چل دیں جہاں ان کے دونوں بھائی رہتے تھے' نیہا نے لاؤنج میں لگے مرر میں ہی اپنا سرسری جائزہ لیا' شولڈر سے تھوڑے نیچے تک کٹے لیئر کٹنگ کے بال کھلے ہی رکھتی تھی وہ کالج جاتے وقت پونی بنا لیتی تھی میرون کلر کی لانگ شرٹ' ٹراؤزر اور میچنگ کا دوپٹہ سلیقے سے کاندھوں پر برابر کیا' منہ ہمیشہ کی طرح میک اپ سے مبرا ہی رہتا تھا۔ ممی کو ان لڑکیوں کے میک اپ پر سخت اعتراض ہوتا تھا' وہ ہاتھ سے بال درست کر کے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

"السلام وعلیکم"۔ اجتماعی زوردار سلام جھاڑا۔

"وعلیکم السلام"۔ وہاں اس کی توقع سے زیادہ پرجوش جواب آیا' بہت ڈیسنٹ سے انکل نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی اور آنٹی نے باقاعدہ گلے لگا کر پیار کیا' وہ ٹھٹک سی گئی۔

اس نے تیزی سے چیزیں سرو کرنا شروع کیں' ہر چیز اس کی پسند کی' ان دونوں کو سرو کر کے خود پلیٹ بنا کر آنٹی کے ساتھ بیٹھ گئی اور مزے سے کھانے لگی۔

"اور لیں ناں آپ لوگ"۔ اچانک مہمان نوازی یاد آئی۔

"ہاں بیٹا ضرور...... ویسے پیزا بہت ٹیسٹی ہے آپ نے بنایا ہے......؟" آنٹی نے مسکرا کر پیزا لے کر کہا۔

"میں نے......؟ نہیں آنٹی! میں تو کوچنگ سے آئی ہوں ابھی' ممی نے آتے ہی ٹرالی تھما دی' میں نے تو خود یہیں پر دیکھا ہے کہ اس میں ہے کیا' ویسے ہماری خانساماں شکیلہ بہت اچھے کھانے بناتی ہے یہ اس نے ہی بنایا ہو گا"۔ وہ مزے سے برگر مزید اٹھا کر بولی' آنٹی انکل حیرت سے منہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگے۔

"کونسی کلاس میں پڑھتی ہیں آپ"۔ انکل کو یہ سادہ سی لڑکی بہت اچھی لگی بالکل بناوٹ سے مبرا۔

"بی ایس سی فائنل سمجھیں بس کر ہی لیا ہے پرسوں سے ایگزامز ہیں کیونکہ"۔

"ماشاء اللہ! اور کیا ایکٹیوٹیز ہیں بیٹا"۔ آنٹی انکل نے آنکھوں آنکھوں میں اوکے کر لیا۔

"کچھ خاص نہیں...... دراصل پڑھائی بہت ٹف ہے صبح کالج پھر آ کر آرام' شام کو کوچنگ پھر اسائنمنٹ وغیرہ' کچھ وقت ملے تو کمپیوٹر یوز کر لیتی ہوں"۔ اور ابھی مزید کیا کیا گوہر افشانیاں کرتی کہ ممی' ماموں اور ممانی کے ساتھ آ گئیں' وہ شکر کا کلمہ بجا لاتی چل دی۔

☆

"ممی! جان چھوٹ گئی کالج سے......" نیہا زور سے ممی کے کان پر چیخی۔

"نیہا"۔ انہوں نے تادیبی انداز میں گھورا مگر یہاں کون نگاہوں کی زبان سمجھے۔

"ارے ممی! آج آخری پیپر تھا ناں' سچ اتنا سکون مل رہا ہے جیسے اتنے دنوں سے سر پر منوں ٹنوں بوجھ لادے پھر رہی تھی' اف...... میں تو لمبی تان کے سوؤں گی تین دن...... پھر کمپیوٹر کورس کا بتایا تھا ناں آپ کو وہاں ایڈمیشن لوں گی"۔ وہ مزے سے صوفے پر گر کر اپنی پلاننگ بتانے لگی۔

"نیہا! سیدھی ہو اور میری بات سنو"۔ اب کے وہ سختی سے بولیں تو اسے سیدھا ہونا پڑا۔

"تمہیں یاد ہے کچھ ارے پیپرز سے پہلے ایک انکل آنٹی آئے تھے"۔ وہ تمہید باندھنے لگیں۔

"ارے ہاں...... وہ جو مزے مزے کی چیزوں کو سمجھ رہی تھیں میں نے بنایا ہے"۔ وہ زور سے ہنسی۔

"ہاں وہی! وہ تمہارے لئے رشتہ لائی تھیں ان کا ایک ہی بیٹا ہے اسامہ' ان کے شوہر حسن علی حسن اینڈ کو انٹرپرائز کے اونر ہیں' مال و دولت' حسب نسب' اخلاق ہر لحاظ سے بہت اچھے لوگ ہیں' تمہارے بڑے ماموں چھوٹے ماموں دونوں نے اچھی طرح تحقیق کر لی ہے لڑکا بھی دیکھنے میں اچھا ہے۔ میری طرف سے تو ہاں

ہے مگر پھر بھی سوچا ایک بار تم سے پوچھ لوں"۔ وہ غور سے اس کے چہرے کو دیکھ کر بولیں۔

"مگر ممی! آپ کو پتہ ہے مجھے ابھی ان جھمیلوں میں نہیں پڑنا' آپ نے تو کہا تھا جتنا پڑھنا ہوگا پڑھائیں گی' ابھی تو مجھے ایم ایس سی کرنا ہے پھر کمپیوٹر انجینئر بھی"۔ وہ روہانسی ہوگئی۔

"بیٹا! تمہیں جتنا پڑھنا ہوگا تمہارے سسرال والے پڑھائیں گے چاند! زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں' تمہارے پاپا ہوتے تو میں اتنی جلدی یہ سب نہیں کرتی مگر میری آنکھ جانے کب بند ہوجائے' ماموں ممانی جتنے اچھے بھی ہوں مگر ماں جیسے خلوص سے تو نہیں کریں گے ناں"۔ وہ اسے پیار سے خود سے لگا کر بولیں۔

"ممی! ایسے نہ کہیں پلیز...... میں چلی جاؤں گی تو آپ کس کے ساتھ رہیں گی"۔ وہ رونے لگی۔

"ارے بیٹا! اس میں پریشانی کی کیا بات ہے تمہارے ماموں کا گھر ساتھ ہی تو ہے' میں ان کے ساتھ ہی رہنے لگوں گی تم پریشان نہ ہو' بس ہاں کہہ دو گڑیا! اسی میں میری خوشی ہے"۔

"جو آپ کی مرضی"۔ وہ رونے لگی۔

"بس کل ہی انہیں بلا لیتی ہوں تمہارے پیپرز کی وجہ سے روکا ہوا تھا میں نے"۔ وہ خوشی سے اٹھ کر فون ملانے لگیں۔

⟡.........☆.........⟡

گاڑی میں موجود شخص کا موڈ بہت خوشگوار تھا' ممی نے جیولر کے یہاں سے سیٹ منگوائے تھے' پسند کر کے اسامہ سے فائنل سیٹ بھیج رہی تھیں پیمنٹ کے ساتھ۔ وہ خوش کن خیالوں میں مارکیٹ والا موڑ مڑا کہ اچانک وہ سراپا خیالوں سے نکل کر سامنے آگیا' وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا مگر اسی چکر میں بیچ روڈ پر ایک بریک لگا بیٹھا اور روڈ کراس کرتی خاتون اس کی کار سے ٹکرا گئیں۔

"ممی!" نیہا تیزی سے انہیں سیدھا کرنے لگیں۔

"کیا ہوا...... یو آر آل رائٹ"۔ وہ نیہا کے پاس آگیا اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ نیہا کی ممی ہیں۔

"مار کر پوچھ رہے ہیں خیریت ہے......؟" وہ خونخوار انداز سے اس کی طرف مڑی۔

"واٹ......؟" وہ اس کے انداز پر ہکا بکا رہ گیا بالکل بھی آشنائی نہ تھی نگاہوں میں۔

"دیکھیں یہ غلطی سے ایکسیڈنٹ ہوا ہے' آپ ہاسپٹل چلیں انہیں لے کر آئیں میرے ساتھ"۔ وہ اس کے بدتمیزانہ انداز کو فراموش کر کے بولا کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ آنٹی کے سر سے بلیڈنگ ہو رہی تھی وہ انہیں اٹھانے کے لئے جھکا مگر نیہا نے تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ گاڑی چلانا سیکھیں پھر چلائیں اور آنکھوں میں ایک نمبر کا چشمہ پہلی فرصت میں لگوائیں کیونکہ روڈ پر چلتے انسان آپ کو نظر نہیں آتے' ایسے بے حس لوگوں سے مجھے سخت نفرت ہے اور جب اپنی بے حسی کی نظر کسی کو کر ہی چکے ہیں تو ساتھ میں خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر ہیرو بننے پہنچ گئے' یہ گھٹیا حربے کہیں اور آزمایئے گا...... ٹیکسی......" وہ شعلے برساتے لہجے میں اسے سلگتی آگ میں دھکیل کر ٹیکسی میں چلی گئی' وہ بری طرح کھول کر رہ گیا' انتہائی ریش انداز میں ڈرائیونگ کرتا وہ گھر پہنچا۔

"ممی! آپ نے میری تصویر پہنچا دی تھی کیا نیہا کے گھر......؟" وہ انتہائی سنجیدگی سے ان کے روبرو تھا۔

"نہیں بیٹا! آج جانے کا ارادہ ہے تو دوں گی کیوں......؟" وہ حیرت سے دیکھنے لگیں۔

"آپ میری تصویر مت دیجئے گا وہاں...... اور شادی میں ایک ہفتہ تو رہ گیا ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے' ویسے بھی وہاں سے تو تقاضہ نہیں ہوا ناں......" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے میں چلا گیا۔

"یہ گھٹیا حربے کہیں اور آزمایئے گا' خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ کر ہیرو بننے پہنچ گئے' ایسے بے حس لوگوں سے مجھے سخت نفرت ہے"

وہ فل کولنگ میں اے سی چلا کر بیڈ پر گر گیا مگر سینے میں لگی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی۔

⟡.........☆.........⟡

گلابوں کی بھینی بھینی مہک' خوبصورت انداز میں سجا کمرہ اور پھولوں سے بھری سیج سجا کر بیٹھی تھی ایسے شخص کے لیے جس کو کبھی دیکھا نہ تھا مگر دو بولوں سے جس سے تمام عمر کا ناطہ جڑ گیا تھا' گلابی رنگ کے خوبصورت شرارے میں وہ حسن کا شاہکار لگ رہی تھی' اسے بیٹھے بہت دیر گزر گئی مگر ابھی تک دولہا صاحب کا نزول نہیں ہوا تھا' وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر سیدھی ہو بیٹھی' آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں' دھڑ سے دروازہ بند ہونے کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی وہ ہڑبڑا کر سیدھی بیٹھی' دل تیز تیز دھڑکنا شروع ہوگیا' اسامہ نے ایک جھٹکے سے شیروانی اتار پھینکی کرتے کے اوپری بٹن کھول کر اس کے سامنے آ بیٹھا' بہت دیر ہوگئی نیہا کو اینچو بنے بیٹھے مگر جب وہ کچھ بولا نہیں تو وہ کسمسائی۔

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ تم خوبصورت ہو......؟ کہ تمہیں دیکھ کر کوئی ہیرو بننے کی کوشش کرے"۔ وہ سلگتے لہجے میں بولا' نیہا نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"آپ......؟" اس کے آگے زمین و آسمان گھوم گئے۔

"جی میں...... وہی ہیرو بننے کی خواہش کرنے والا' آخر ہیرو بن گیا کیوں......؟" وہ طنزیہ مسکرایا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"یا اللہ...... کبھی اس شخص کی امانت میں خیانت نہ کی جس کے لئے آپ نے مجھے بنایا پھر میری قسمت میں یہ شخص کیوں......؟ جو لڑکیوں کے سامنے امیج بنانے کا شوقین بے حس ہے"۔ وہ دل ہی دل میں شکوہ کرنے لگی۔

"خیریت......؟ اس دن زبان بہت شعلے برسا رہی تھی آج کوئی گولہ بارود نہیں برسائیں گی......؟" وہ طنزیہ انداز میں بول کر دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما' اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"میں خاموش اس لئے تھی کہ میں اچانک صدمہ سے سنبھل نہیں پائی تھی' مگر اب خاموش نہیں رہ سکتی' میں قطعاً برداشت نہیں کر سکتی کہ میرا شوہر ایسا شخص ہو جس کا کیریکٹر ہی مشکوک ہو"۔ وہ انتہائی دوٹوک لہجے میں بولی۔

"اوہ یو شٹ اپ ...... میں مزید بکواس نہیں سنوں گا' جیسا بھی ہوں اب تو تمہارا شوہر ہوں کیا کر لو گی تم......؟ ہاں بتاؤ......؟" انتہائی درشتگی سے اس کا بازو جکڑا۔

"چھوڑیں میرا ہاتھ......" وہ تیزی سے چیخی۔ مگر اس نے ایک جھٹکا دے کر اسے بیڈ پر گرا دیا اس کے دائیں بائیں ہاتھ رکھ کر اسے محصور کر لیا۔

"ہمت ہے تو چھڑا لو خود کو"۔ وہ چیلنجنگ انداز میں بولا۔ وہ زور سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھکا دینے لگی مگر اس چٹان کو ہلا بھی نہ پائی' اسی دھکم پیل میں اس کی نتھ کھل گئی ناک نئی چھدی تھی وہ چیخ پڑی مگر اس نے بے دردی سے نتھ نکال پھینکی اور اسی طرح کھینچ کر دوپٹہ اور جیولری بھی اتار پھینکی' وہ اس کے وحشیانہ انداز پر کانپ کر رہ گئی۔ وہ دھیرے دھیرے بیڈ پر پیچھے کھسکنے لگی مگر اس نے ایک جھٹکے میں ہی اسے گرفت میں لے لیا۔

"ابھی تو آغاز ہے جانم! ابھی تو اپنے الزاموں کی پہلی قسط بھی نہیں بھگتی تم نے"۔ سرد لہجہ اس کے حواس کھو گیا۔

⟡.........☆.........⟡

وہ ساری رات سسکتی رہی مگر اس کی وحشت بڑھتی ہی گئی رو رو کر جانے کس وقت آنکھ لگی' فجر کی اذانیں ہوتے ہی اسامہ نے درشتگی سے اس کا بازو جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

"ہاتھ لو اور میری بیڈ ٹی بنا کر لاؤ"۔ وہ اس کا بازو پکڑ کر اسے کھڑا کر چکا تھا۔ اس کا سر گھوم رہا تھا مگر اس کی درندگی کی انتہا بھگت کر اس کے سامنے زبان چلانے کی ہمت نہ رہی تھی۔ کمرے سے نکل تو پڑی مگر کچن کہاں

ڈھونڈے......؟ اسی شش و پنج میں کھڑی تھی کہ آنٹی کمرے سے نکلیں۔

"نیبا! تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے حیرت سے گھڑی دیکھی جو پونے چھ بجا رہی تھی۔

"وہ آنٹی! ان کے لئے بیڈ ٹی بنانے جا رہی ہوں"۔ وہ گڑبڑائی۔

"ارے! تمہیں کس نے کہا؟ اسامہ نے کہا ہے......؟" وہ حیرت سے بولیں۔

"جی آنٹی......" اس کے نام پر ہی آنکھوں میں آنسو آ گئے' وہ اس کے آنسو دیکھ کر چونک پڑیں۔

"ادھر آؤ بیٹا......" شادی کا گھر تھا کوئی بھی آ سکتا تھا یہاں' وہ ڈرائنگ روم میں اسے ساتھ لے کر آ گئیں اسے صوفے پر بٹھا کر پانی کا گلاس دیا کیونکہ وہ رونے لگی تھی۔

"کیا بات ہے چندا! مجھے تم ساس نہیں ماں سمجھو جو بھی بات ہے بے فکری سے مجھے بتادو' یقین مانو میں اسامہ کی ماں بن کر نہیں تمہاری ماں بن کر ہی فیصلہ کروں گی"۔ انہوں نے بھرپور انداز میں تسلی دی۔

اس نے تو کسی کی ڈانٹ تک نہ سنی تھی کجا کہ اسامہ کا کل کا رویہ' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور انہیں سب بتادیا ممی کا ایکسیڈنٹ اپنی باتیں کل کا اسامہ کا رویہ...... وہ ششدر سی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"میرے خدا...... چندا! یہ مرد بڑے انا پسند ہوتے ہیں کوئی بات ان کی مردانگی کو ٹھیس لگائے تو یہ ایسا ہی کرتے ہیں"۔ وہ پیار سے اس کے آنسو پونچھنے لگیں۔

"میں جو اب کہوں گی اس پر یقین کرو گی......؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم ایک دن ہمارے گھر کے سامنے سے گزری تھیں کالج سے واپسی پر تمہارا کارڈ یہاں گر گیا تھا جو اسامہ نے تمہیں اٹھا کر دیا تھا...... یاد آیا......؟" وہ دن پوری جزئیات سے اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔

"میں...... تم پہلی نظر میں اسامہ کو دیوانہ کر گئیں

میرا وہ بیٹا تو دو سالوں سے شادی کے لئے ہاں نہیں کر رہا تھا' تمہیں دیکھتے ہی ہاں کر بیٹھا' وہ تمہاری محبت میں پاگل ہو رہا تھا دن رات صرف تمہیں سوچتا تھا اس پر تم نے اسے ایسی باتیں سنائیں' غصہ تو ہر مرد کا بہت برا ہوتا ہے میں نے اس دن اسامہ کی حالت دیکھی تھی اس کی وجہ مجھے اب سمجھ آئی' تو بیٹا! عورت کو بہت محتاط ہو کر بولنا چاہئے' یہ اس کا صرف ردعمل تھا ورنہ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے یقین کرو میرا"۔ اس کی آنکھیں پھر جل تھل تھیں۔

"یہ میں نے کیا کر دیا"۔

"اب جبکہ اس کا غصہ نکل چکا ہے تو یقیناً اس کے رویئے میں بدلاؤ آئے گا اور ایک بات یاد رکھو مرد سے کبھی زبان نہیں چلاتے ورنہ خسارہ عورت ہی کے حصہ میں آتا ہے' تم اسے منا لینا چاند! وہ تم سے محبت کرتا ہے سب کچھ بھول جائے گا"۔ اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

☆

آج ان کا ولیمہ تھا وہ بہت تھک گئی تھی کمرے میں آتے ہی سارے زیورات اتار کر کاٹن کا سادہ سا سوٹ پہن کر شاور لے کر آ گئی۔ آنٹی کے سمجھانے سے اس نے صبح بیڈ ٹی لا کر دے دی تھی' اس کے کسی طنز پر کوئی جواب نہیں دیا تھا' مگر منائے کیسے یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا' وہ بالوں میں برش کر رہی تھی کہ وہ کمرے میں آ گیا' نظریں سیدھی اس پر پڑیں ریڈ کاٹن کا سادہ نائٹ سوٹ اس کی گوری رنگت پر دمک رہا تھا' صاف چہرے پر شبنم کے قطرے چمک رہے تھے وہ میک اپ کے بغیر بھی حسین تر لگ رہی تھی وہ دھیرے سے اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہو گیا۔

"میرے آنے سے پہلے سنگھار کیوں ختم کیا......؟" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر رخ اپنی جانب موڑا وہ نیچے دیکھنے لگی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں"۔ جھجکی سے اس کی

ٹھوڑی سے پکڑ کر چہرہ اوپر کیا۔ اس کی ڈبڈباتی آنکھوں سے آنکھیں ملیں تو دل ڈول کر رہ گیا' وہ بے اختیار اس کے چہرے پر جھک گیا۔

"اوکے! اس میں میرا ہی فائدہ ہے ورنہ کل تمہیں ان بکھیڑوں سے خود نجات دلانی پڑی تھی"۔ وہ ذومعنی لہجے میں بول کر اسے چھوڑ کر چینج کرنے چلا گیا وہ کانپ کر رہ گئی' وہ اپنی ہمت مجتمع کرنے لگی' وہ چینج کر کے آیا تو اسے ادھر سے ادھر ٹہلتا دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"واٹس ہیپننگ......؟" وہ بستر پر نیم دراز ہو کر استفہامیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"کک...... کچھ نہیں"۔ وہ جھٹ سر نفی میں ہلا گئی۔

"تو بستر پر آنے کے لئے کیا انوائٹ کرنا پڑے گا......؟ کم ہیئر......" اس کا لہجہ گمبھیر ہو گیا اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا' ہاتھ پاؤں کانپنے لگے' مگر ہلی نہیں اپنی جگہ سے۔

"واٹ از دس......؟ تم مجھے پھر کیوں غصہ دلا رہی ہو......؟" وہ جھنجھلا گیا اسے بت بنا دیکھ کر وہ دھیرے سے چل کر بیڈ کے دوسری طرف آ بیٹھی' اسامہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر وہ پیچھے ہو گئی۔

"پ...... پلیز پہلے میری بات سن لیں......" ساری اکڑ تو جیسے کہیں جا سوئی تھی اس کے گھورنے پر وہ گڑبڑا کر بولی۔

"اوکے! سناؤ مگر جلدی"۔ وہ بھی اٹھ کر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"وہ میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی ہوں مجھے معاف کر دیں پلیز وہ اس دن ممی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا تو میرا ٹیمپر لوز ہو گیا تھا ورنہ میں ایسی بدتمیز نہیں' میں نہیں جانتی تھی کہ آپ کون ہیں"۔ وہ بیڈ شیٹ کی طرف دیکھتی منمنا کر کے بول رہی تھی' اپنی بات ختم کر کے ڈرتے ڈرتے اس نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔

"تو اگر تمہیں تمہاری غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو اب...... میں کیا کروں......؟" وہ بھنویں اچکا کر بولا۔

"آپ مجھے معاف کر دیں پلیز...... میں جانتی ہوں آپ مجھ سے......" وہ بولتے بولتے ایکدم چپ ہو گئی۔

"اوہ...... تو یہ بدلاؤ اس لئے آیا ہے کہ تم جان گئی ہو کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں' ورنہ تو تم نے مجھے آوارہ لوفر سمجھا تھا' رائٹ......؟" وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔

"دیکھیں جو ہوا اسے بھول جائیں اور جو نہیں ہوا اسے سوچیں مت' آپ نے میرے ساتھ جو کیا اگرچہ وہ زخم ابھی تک نہیں بھرے مگر یہ جان کر کہ وہ میرے عمل کا ردعمل ہے میں نے آپ کی طرف سے دل صاف کر لیا ہے' پلیز آپ بھی سب بھلا دیں"۔ اس کی مسلسل بے رخی پر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"تم شاید ایک ہی رات میں ہار گئیں مگر میں اتنی جلدی نہیں بھول سکتا' محبت انسان کو ذلیل ہونا نہیں سکھاتی"۔ وہ سرد لہجے میں بولتا اسے گرفت میں لے چکا تھا وہ مچل کر رہ گئی۔

"اسامہ پلیز......" وہ چیخ پڑی کہ اس کے سوا کیا بھی کیا جا سکتا تھا۔

☆

"ٹرن...... ٹرن......" فون کی مسلسل بجتی بیل پر وہ اپنا بکھرا روم چھوڑ کر تیزی سے فون کی طرف لپکی۔

"ہیلو......" وہ آہستہ سے بولی۔

"میں شام سات بجے آؤں گا ریڈی رہنا ایک پارٹی میں جانا ہے"۔ مختصر سی بات بول کر وہ فون کاٹ گیا۔ ان کی شادی کو تقریباً ڈیڑھ ماہ ہو گئے تھے مگر اسامہ نے ابھی تک اسے معاف نہیں کیا تھا۔ سب کے سامنے تو بہت اچھا پیار کرنے والا شوہر تھا مگر کمرے میں آتے ہی وہی سخت گیر انا کا مارا مرد...... اس کے رویوں پر چڑنے لگا تھا اب کیونکہ اس کے گھر والوں سے بہت اچھا رویہ تھا نیبا کا' اس کے کپڑے پریس کرنا' جوتے پالش کرنا' کھانے کا خیال رکھنا' وہ پوری طرح اپنی ذمہ داریاں نبھا رہی تھی' وہ اس کے اس انداز سے ہار رہا تھا' مگر اس کے سامنے وہ ہی انداز رکھتا' مگر اسے اب

اپنے رویے پر شرمندگی ہوتی تھی مگر سرو تھا اتنی جلدی ہار کیسے مان لیتا۔ نیہا الجھے الجھے انداز میں فون بند کر کے پلٹی تو ممی سامنے کھڑی تھیں۔

"کیا ہوا بیٹا...... ؟ کس کا فون تھا...... ؟" وہ دو قدم چل کر اس کے پاس آ گئیں۔

"وہ اسامہ کا تھا کہہ رہے تھے کہ شام کو تیار رہنا کسی پارٹی میں جانا ہے"۔ وہ خود کو ہشاش بشاش ظاہر کر کے مسکرا کر بولی کیونکہ ممی کھوجتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"نیہا بیٹا! اب اسامہ ٹھیک ہے ناں تمہارے ساتھ...... ؟" انہیں ابھی اطمینان نہیں آیا تھا۔

"جی ممی! بالکل...... میں نے ان سے معافی مانگ لی تھی اب وہ بالکل ٹھیک ہیں"۔

"خوش رہو"۔ وہ پیار سے اس کا گال تھپتھپا کر چلی گئیں وہ اشک پیتی کمرے میں آ گئی۔

"میں کیا کروں کہ آپ مان جائیں اسامہ......"

وہ بے دلی سے کپڑے نکالنے لگی۔ نیوی بلیو شیفون کی ساڑھی بلیک براؤزر پر دیدہ زیب کام ہوا تھا وہی اس نے نکال لیا اور پھر کپڑے چینج کیے اور لائٹ سا میک اپ کر لیا بس میرون لپ اسٹک لگائی' خوبصورت وائٹ گولڈ کا سیٹ اس کی تیاری کو چار چاند لگا گیا' پرفیوم اسپرے کر کے وہ صوفے پر بیٹھ گئی ذرا ہی دیر میں اسامہ آ گیا' دروازہ کھولتے ہی ٹھٹک کر رکنا پڑا' وہ ماورائی روپ سجا کر صوفے پر آنکھیں بند کیے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی اس کے زور سے دروازہ بند کرنے پر سیدھی ہو گئی۔

وہ بریف کیس پھینک کر سیدھا چینج کرنے چلا گیا' نیہا میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی' وہ اس پر سے نظر بچا کر شرٹ کے بٹن لگاتا ہوا باہر آ گیا مگر نظریں چرانا دل پر بہت بھاری پڑ رہا تھا وہ سخت جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہا تھا' آخری کالر کا بٹن لگ نہیں رہا تھا' نتیجہ سامنے تھا بٹن ہاتھ میں آ گیا' نیہا بے خبر بننے کی کوشش کر رہی تھی مگر تھی نہیں' تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

"آپ کی دوسری شرٹ پریس کر دوں...... ؟" وہ نرمی سے بولی۔

"اتنا ٹائم نہیں اگر یہ لگ جائے تو مہربانی ہو گی"۔

وہ بے دلی سے بٹن کو آگے کر کے بولا۔

وہ جلدی سے سوئی دھاگا لے کر آئی مگر اس چھ فٹ کے آگے وہ گڑیا سی لگ رہی تھی مجبوراً اسے بیٹھنے کا کہنا پڑا' وہ اس پر جھکی تیزی سے بٹن لگانے کی تگ و دو میں مصروف تھی ہاتھ کانپ رہے تھے اے سی میں بھی پیشانی پر پسینہ کے قطرے تھے' ادھر اسامہ خود کو امتحان میں ڈال بیٹھا وہ خوشبوؤں بھرا سراپا اس کی دسترس میں تھا' جھکنے سے اس کے بال اسامہ کے چہرے اور سینے کو چھو رہے تھے دل مچل رہا تھا مگر انا ہاتھ باندھے کھڑی تھی کیسے محبت سرخرو ہوتی......؟؟ نیہا بٹن لگا کر دھاگہ کاٹنے کو منہ قریب لائی کہ یکدم اس سے نگاہیں مل گئیں وہ ہڑبڑا کر پیچھے ہوئی' نیہا اسی خوف کے زیر اثر کانپنے لگی۔ اسامہ نے دھیرے سے اس کا جھکا ہوا چہرہ اٹھایا۔ چشم زدن میں اس کی آنکھوں سے جھرنا بہہ پڑا۔

"بس......" وہ محبت سے اس کے اشک اپنے لبوں سے چننے لگا وہ گھبرا گئی۔

"ڈرومت جاناں! آج کے بعد کبھی تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی' اتنی محبت کروں گا کہ محبت اپنے ہونے پر فخر کرے گی"۔ وہ اپنے کہنے کو عمل سے یقین بخشنے لگا' اس کی سانسیں رکنے لگیں اس کی محبت کی شوریدہ سری پہ......

"وہ پارٹی......" اسے راہ فرار کا ایک ہی طریقہ نظر آ گیا۔

"اف...... کیا یاد دلا دیا وہاں بھی جانا ہے' ہم وہاں سے جلدی آ جائیں گے اور فوراً کمرے میں آ جانا...... دل پر صبر کر کے اس لیے تمہیں خود سے دور کر رہا ہوں"۔ وہ شدت سے اسے خود میں بھینچ کر اٹھ گیا وہ شرم سے لڑکھڑاتے قدموں سے اس کے سنگ ہو لی کیونکہ محبت ہی اب ان کی منزل تھی۔

☆......☆......☆

نائلہ طارق

قسط نمبر 18۔

سلسلے وار ناول

سانس سرائے اور سکوت

''آپ اپنے لیے ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں' یہ سب کہہ کر آپ مجھ سمیت ان سب لوگوں کو تکلیف پہنچا رہے ہیں جو آپ سے محبت کرتے ہیں''۔ شان دنگ ہو کر بولا تھا۔

''آپ کے اس طرح چینج ہو جانے سے بڑے بھائی بھی کتنے خاموش سے رہنے لگے ہیں......''

''جبکہ انہیں بہت مطمئن ہو جانا چاہیے تھا کہ سب کچھ ان کے حسب منشا ہی تو ہوا ہے''۔ وہ تلخی سے شان کی بات کاٹ گیا تھا۔

''آپ کو ناخوش دیکھ کر کیا وہ کبھی مطمئن ہو سکتے ہیں''۔ شان نے افسردہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''اور رہی بات سارہ کی تو یہ میں نے دیکھا ہے کہ وہ آپ سے کتنی شرمندہ ہے اور آپ کے قطع تعلق پر پریشان بھی''۔

''اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو فکر نہ کرو ہو سکتا ہے آج کینڈل لائٹ ڈنر کے بعد اس کی ساری پریشانیاں ختم ہو جائیں گی' ویسے بھی تم جانتے ہو عاطف کی کمپنی میں کوئی پریشان یا افسردہ نہیں رہ سکتا''۔ اس کے طنزیہ لہجے پر شان نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

''آپ کو یہ برا لگا ہے کہ وہ عاطف بھائی کے ساتھ باہر ڈنر کے لیے گئی ہے؟''

''مجھے اس چیز کی پرواہ نہیں کہ وہ کہاں اور کس کے ساتھ گئی ہے' وہ اپنی مرضی کی مالک ہے''۔ اس کے ناگوار لہجے پر شان بے ساختہ ہنسا تھا۔

''مجھے لگ رہا ہے کہ آپ جیلس ہو رہے ہیں مگر فکر مت کریں وہ آپ کی جان نہیں چھوڑے گی' جس طرح اس نے بڑے بھائی کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا اس کے بعد کوئی بے وقوف ہی ہو گا جو آپ کے اور سارہ کے درمیان





آنے کی کوشش کرے گا"۔

"اب تم خاموش ہی رہو تو بہتر ہے"۔ ناگواری سے اس نے شان کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا تب ہی دونوں ٹھٹک کر رکتے پیچھے پلٹے تھے اور حیرانگی سے اس بارہ تیرہ سالہ بچے کو دیکھا تھا جو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پتھر اٹھاتے ہوئے اس شخص کی جانب مار رہا تھا جو ان سے بچتا دور بھاگ گیا تھا۔

"رکو بدتمیز لڑکے!" شان نے فوراً اسے پکڑا تھا جو مزید پتھر اٹھائے اس شخص کے تعاقب میں بھاگنا چاہ رہا تھا۔

"شرم نہیں آتی' وہ آدمی تمہارے باپ کی عمر کا ہے"۔

"وہ میرا باپ نہیں ہے' میں اسے پتھر ماروں گا' اس نے میرا نقصان کیا' میری ساری تیل کی بوتلیں توڑ دیں' مجھے تھپڑ مارے' میرا اگلا گھونٹا"۔ وہ نوخیز سا لڑکا چیختے ہوئے رو بھی رہا تھا۔

"وہ ایسا کیوں کر رہا تھا؟" حیرت کے ساتھ شان نے رک کر اسے دیکھا تھا جو خاموش رہنے کا اشارہ کرتا پنجوں کے بل اس بچے کے سامنے بیٹھا تھا اور بغور اس کے چہرے پر چھپے سرخ نشانوں کو دیکھ رہا تھا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں' وہ گندہ آدمی ہے اس نے میرے کپڑے کھینچے' جان سے مارنے کی دھمکی بھی دی تھی"۔ وہ بچہ خوفزدہ ہو کر صفائی دے رہا تھا۔

"جب تم جانتے ہو کہ وہ گندہ آدمی ہے تو کیوں گئے تھے اس کے پاس؟" نرم لہجے میں شیث نے سوال کرتے ہوئے اس کے گریبان کے کھلے بٹن بند کیے تھے۔

"آج مجھے کوئی گاہک نہیں مل رہا تھا' میرا باپ بیمار ہے اس لیے اس کی جگہ میں مالش کرنے کا کام کر رہا ہوں"۔

"یہ آدمی تمہیں کہاں ملا؟" شان نے پوچھا تھا۔

"یہ بھی وہیں فٹ پاتھ پر ہوتا ہے جہاں سارے مزدور رات میں سوتے ہیں' روز یہ مجھے اپنی طرف بلاتا تھا زیادہ پیسوں کا لالچ دیتا تھا مگر مجھے اچھا نہیں لگتا تھا' آج مجھے کسی نے مالش کے لیے نہیں بلایا تو میں اس کے پاس چلا گیا' مجھے پیسوں کی ضرورت تھی مگر اس نے مجھے دھوکا دیا اگر میں اس سے بچنے کیلئے نہ بھاگتا تو اپنی ٹوٹی بوتلیں اسے گھونپ دیتا"۔ وہ بچہ غصیلے انداز میں بولا تھا۔

"تم بہت بہادر انسان ہو' تمہارا یہ جوش اور ہمت کبھی تمہیں کسی کے ناپاک ارادوں کے سامنے نہیں جھکنے دے گا' تم نے جو کیا ٹھیک کیا' کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ تمہارے لباس کو تمہارے وجود سے الگ کر دے' کسی کو اتنی اجازت نہیں کہ تمہاری مرضی کے خلاف تمہیں چھو بھی سکے"۔ مضبوط لہجے میں بولتے ہوئے شیث اس کے سامنے سے اٹھا تھا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"محسن"۔

"کہاں ہے تمہارا گھر؟"

"کچی بستی کی طرف"۔ بچے نے بتایا تھا جبکہ وہ شان کی طرف پلٹا تھا۔

"جو کام اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملا ہے وہ یہ افورڈ نہیں کر سکتا' بہت چھوٹا ہے یہ رات کی بھیانک تاریکیوں سے گزرنے کے لیے' کہیں گم نہ ہو جائے اس کی معصومیت ان اندھیروں میں"۔ بدظم لہجے میں شان سے ہمکلام وہ اس بچے کو ہی دیکھ رہا تھا جو اپنے پھٹے کپڑوں کو درست کر رہا تھا۔

"میں چاہتا ہوں تم اس کے باپ سے ملو آگے تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے"۔ اس کی ہدایت پر شان سر ہلا...

اس بچے کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

☆

"آپ کو معلوم ہے' میں اور موموآپ کے لیے بہت اچھی سی خاتون ڈھونڈنے کے مشن پر عمل کرنے والے ہیں"۔ سارہ کے مسکراتے لہجے پر عاطف نے حیرانگی سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ کافی رات ہو چکی ہے' آپ دونوں خواتین اپنے مشن خود تک محدود رکھیں اور مجھے اجازت دیں"۔

"ہرگز نہیں' جب تک آپ اپنے دل کی بات نہیں بتائیں گے نہ ہم اٹھیں گے اور نہ آپ کو جانے دیں گے"۔ سارہ نے فوراً کہا تھا۔

"محترمہ! میں جن لوگوں کی صحبت میں رہا ہوں وہ اپنے دل کی بات سے اپنے فرشتوں کو بھی باخبر نہیں ہونے دیتے"۔

"مثال کے طور پر کوئی ایک"۔ سارہ نے مسکراہٹ چھپا کر فوراً کہا تھا۔

"کوئی ایک نہیں' صرف ایک ہی ہے' جس پر ساری مثالیں ختم ہیں"۔ عاطف کے خشمگیں لہجے پر وہ مسکرائی تھی۔

"اس انسان کا بدلہ آپ ہم سے کیوں لے رہے ہیں؟" وہ بولی تھی۔

"کیونکہ آپ بھی اس جیسی ہی ہیں' مجال ہے جو کبھی کوئی اشارہ دیا ہو' گر میں بھی اسی زمین پر اور آپ جیسے لوگوں کے درمیان رہتا ہوں"۔ عاطف کی بات پر سارہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

"تم سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے مگر اس معاملے میں شیث سے میرا سامنا نہ ہی ہو تو بہتر ہے' ایک عرصے سے سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں خاموشی سے انتظار ہی کرتا رہا ہوں کہ وہ کبھی تو مجھ سے اپنے دل میں چھپی بات شیئر کرے گا مگر......" عاطف نے تاسف سے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

"مجھے مشکوک نظروں سے مت دیکھو' میں تو اب تک خود حیران تھی کہ عاطف بھائی کیسے کچھ نہیں جانتے' جب چھوٹے بھائی نے ان سے کچھ شیئر نہیں کیا تو مجھے اپنی زبان کھول کر مرنا تھا"۔ سارہ کی نظروں پر موموں نے فوراً بچاؤ کیا تھا۔

"یہ سچ کہہ رہی ہے' ویسے بھی اس کے بتانے پر کوئی فرق نہیں پڑتا' میرے لیے یہ سچ کافی پرانا ہے' شیث کی مشکوک حرکتیں اس وقت ہی مجھے سمجھ آ گئی تھیں جب وہ خود اپنی فیلنگز سے واقف نہیں ہوا ہوگا"۔ عاطف نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"جب آپ جان چکے تھے تو اس سے پوچھا کیوں نہیں؟" سارہ جھینپے انداز میں بولی تھی۔

"شروع میں ایک دوبار کوشش کی تھی مگر وہ ٹال گیا تھا' میں نے یہی سوچا تھا کہ زیادہ دن وہ کم از کم مجھ سے کچھ نہیں چھپا سکے گا مگر میری یہ خوش فہمی اب تک قائم ہی ہے' اس بات کو ہی لے کر مجھے شیث سے ناراض ہونا چاہیے تھا مگر وہ تو یہاں بھی الٹی گنگا بہا رہا ہے"۔ عاطف کے ناراض لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

"ہم کیا بات کر رہے تھے اور وہ کس طرح ہمیں گھما کر چلے گئے"۔ عاطف کے جانے کے بعد سارہ کو یاد آیا تھا۔

"گھما کر نہیں تمہارا دھیان سورج مکھی کی طرف لگا کر بچ نکلے...... قطعی جو ہے گم ہو گئی ان کے ذکر میں"۔ موموں نے اسے گھورا تھا۔

"کوئی بات نہیں' دوبارہ گھیر لیں گے بچ کر کہاں تک جائیں گے"۔ موموں کا ہاتھ پکڑ کے کھینچتی وہ خود بھی اٹھ کھڑی

ہوئی تھی۔

''اب بھاگتی ہوئی جاؤ' میں دیکھ رہی ہوں''۔ موموکو ہدایت کرتی وہ اس وقت تک گرلز کے پاس رکی رہی جب تک موموا پنے پورشن کی گرلز بند کرتی ہاتھ ہلاتی گھر کے اندر نہ چلی گئی۔

احتیاط کے ساتھ اس نے بھی بھاری گرلز کھینچ کر بند کرتے ہوئے اس کالاک لگایا تھا اور چند لمحوں تک سامنے نظر دوڑاتی رہی تھی۔ اتنا سکون اور خاموشی دیکھ کر یقین کرنا مشکل تھا کہ چند گھنٹوں پہلے یہاں کتنا شور وغل اور رونق رہی ہوگی۔ گہری سانس بھر کر وہ پلٹی تھی مگر اگلے ہی پل اس کی پشت گرلز سے ٹکرائی تھی' تاریکی میں اچانک اس سیاہ ہیولے نے اسے دہلا دیا تھا' اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتی روح جیسے فنا ہوگئی تھی' ایک سرے سے دوسرے سرے تک آہنی گرلز کی لرزتی آوازیں گونج اٹھی تھیں' گرلز پر برسنے والے اس کے ایک ہی ہاتھ میں کس قدر اشتعال تھا' اس کا اندازہ گرلز کی لرزش سے لگایا جاسکتا تھا مگر وہ چہرہ دائیں جانب پھیرے آنکھیں بھینچے ساکت کھڑی تھی۔ گرلز کی یخ بستگی اس کی پشت میں سرائیت کرتی سارے وجود کو منجمد کرچکی تھی' اس کا دل کانپ اٹھا تھا جب ایک سخت گرفت اسے اپنے شانوں کے گرد محسوس ہوئی تھی' دوسری جانب وہ ایک ہی جھٹکے میں اسے قریب کرچکا تھا۔ لرزتے وجود کے ساتھ وہ دہشت زدہ نظروں سے تاریکی میں اسے دیکھنے کی کوشش کررہی تھی۔

''جب تم میری طرف نہیں دیکھتی ہو تو...... کسی اور چہرے کو بھی مت دیکھا کرو''۔ کانوں میں اترتی بھنچی ہوئی آواز اور پیشانی سے ٹکراتی گرم سانسیں...... وہ بے جان ہونے لگی تھی۔

''جب میرا نام تمہارے لبوں پر نہیں آتا تو کسی اور کا نام بھی لبوں پر مت لایا کرو''۔ جھلستی آواز پر اس سے پہلے کہ دھڑکن رک جاتی اچانک اس کی گرفت شانے سے ہٹاتی وہ تیر کی طرح اندر بھاگی تھی اور پتا نہیں کن حواسوں میں اس نے پوری شدت سے اپنا سیل فون پھینکا تھا اور بھیگتے چہرے کے ساتھ کمرے تک جا کر دروازہ لاک کرلیا تھا۔



رات کی گہری خاموشی میں کرسی کی بیک سے سر ٹکائے وہ بند آنکھوں کے ساتھ مدھم ہوا کی سرسراہٹوں کو سن رہا تھا۔ مانوس آہٹ پر اس نے آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا تھا۔

''تمہیں یاد ہے آج کون سا دن شروع ہوچکا ہے؟'' عاطف کے سوال پر وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''اس سے پہلے ہر بار تم مجھے یہ دن اور اس کی اہمیت کا احساس دلاتے رہے ہو' اس سے پہلے کبھی مجھے اس طرح تمہاری یادداشت پر دستک نہیں دینی پڑی ہے''۔

''Happy Birthday''۔ یکدم ہی شیث نے مدھم آواز میں اسے وش کیا تھا' دوسری جانب عاطف چند لمحوں تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور پھر اس کے سامنے ہی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

''میں جانتا ہوں' کسی کا غصہ کسی کی ناراضگی تم اپنے رویئے سے مجھ پر ظاہر کررہے ہو' تمہیں حق ہے کہ مجھے تختہ مشق بنالو مگر اتنی اجنبیت کا مظاہرہ؟ تم کچھ کہہ سن کر اپنے دل کے غبار کو نکالو تو یہ بہتر ہوگا' کم از کم اس میں اپنائیت کی رمق تو ہوگی''۔

''کہنے کے لیے کچھ نہیں میرے پاس تو کیا کہوں''۔ عاطف سے نظر ملائے بغیر وہ بولا تھا۔

''جب کہنے کے لیے بہت کچھ تھا تم نے تب بھی کچھ نہیں کہا شیث! مجھے ہمیشہ تم سے ایک ہی شکایت رہی ہے کہ تمہارے بارے میں ہر بات مجھے دوسروں سے معلوم ہوتی ہے' تم مجھے احساس دلا چکے ہو کہ مجھ پر تمہیں وہ اعتبار نہیں

نہیں کہ اپنے کسی راز سے مجھے آگاہ کرتے''۔

''یہ دوسرے کون ہیں اور کون سے راز ہیں میرے؟'' شیث نے پوچھا تھا۔

''ہر وہ بات جو تم مجھ سے چھپاؤ گے وہ میرے لیے راز ہی ہے اور دوسرے وہی لوگ جو شاید تمہیں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ ویسے مجھے دوسروں میں سارہ کو شامل نہیں کرنا چاہیے''۔ عاطف کی بات پر وہ چونکا ضرور تھا مگر کچھ کہا نہیں تھا۔

''وہ مجھے تم سے لاکھ درجے بہتر لگی ہے' تمہاری طرح اس نے مجھ سے آنکھیں نہیں چرائیں' سچ کو قبول کرنے کی اور اس کا سامنا کرنے کی ہمت رکھتی ہے وہ''۔

''ہاں اس چیز کا احساس اس نے مجھے بھی بہت دیر سے دلایا ہے کہ وہ مجھ سے لاکھ درجے بہتر ہے' مگر دیر سے ہی سہی اب میں اس چیز کو قبول کرچکا ہوں کہ میری حیثیت اس کے سامنے کوڑے کرکٹ سے بھی بدتر ہے''۔ وہ تلخ ہوا تھا۔

''جو تم کہہ رہے ہو وہ صرف ایک ردعمل ہے ورنہ اس کے نزدیک تمہاری کیا حیثیت اور اہمیت ہے یہ حقیقت تم اچھی طرح جانتے ہو''۔ عاطف نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

کچن کی تیز روشنی میں بھاپ اڑاتی کافی کا مگ اس کے سامنے رکھ کر عاطف خود بھی ٹیبل کے گرد بیٹھ گیا تھا۔

''میں نہیں جانتا اس دن کس طرح میں نے ضبط کیا تھا' میرے لیے اس وقت بھی یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ میرا ہاتھ جھٹک سکتی ہے' مجھ سے بیزار ہوسکتی ہے' مجھے اپنی زندگی اپنے راستے سے الگ کرسکتی ہے''۔ اس کے لہجے کی اذیت کو عاطف نے گہرائی سے محسوس کیا تھا۔

''میں سب کچھ ہوسکتا ہوں مگر اتنا گرا ہوا نہیں کہ اس انتظار میں رہتا کہ اس پر کوئی دوسرا الزام لگ جائے' اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ سب کچھ اس حد تک چلا جائے گا' اسے اور مجھے منہ کے بل گرا دیا جائے گا تو میں کبھی اسے یہاں نہیں رہنے دیتا' میں گناہگار ہوں کہ میری وجہ سے اسے ہر بار تکلیف پہنچی مگر میں اس امید کے سہارے تھا کہ ایک دن سب ٹھیک ہوجائے گا' اسے قبول کرلیا جائے گا' یہ میرا عزم تھا کہ اسے اس کا مقام اپنے گھر میں دے کر رہوں گا' یہ عزم اس لیے بھی مضبوط تھا کہ وہ میرے ساتھ تھی' مگر پھر جو کچھ ہوا اس نے میرے عزم کو ہی نہیں مجھے بھی توڑ کر رکھ دیا' مجھے احساس ہوا کہ یہ انتظار تو لاحاصل تھا' مجھے تو بہت پہلے ہی اس کے ساتھ اپنی ایک الگ دنیا بسالینی چاہیے تھی جہاں اسے اور مجھے کسی نفرت' کسی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا' مجھے وہ دن نہ دیکھنا پڑتا کہ اس کی آنکھوں میں مجھے اپنے لیے نفرت دکھائی دیتی''۔ سرخ چہرے کے ساتھ وہ بمشکل ضبط کیے بولتا جارہا تھا۔

''میں اسے کبھی ذلت سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تھا مگر پھر بھی اس کے لیے ذلت کی وجہ بنتا رہا یہ میں مانتا ہوں ہر الزام مجھے قبول تھا مگر اس نے تو ایک ہی جھٹکے میں سب کچھ ختم کردیا' ازالہ کرنے کا ایک موقع بھی نہیں دیا۔ اس دن میں تہیہ کرکے اس کے پاس گیا تھا کہ اب نہیں تو کبھی نہیں' مگر مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ میں کتنی دیر کرچکا ہوں' وہ مجھ سے منہ موڑ کر مجھے دھتکار گئی۔ میں اگر اسے اس گھر سے ان نفرتوں سے دور لے جانا چاہ رہا تھا تو یہ فیصلہ میں نے ایک پل میں نہیں کیا تھا مگر اسے مجھ پر اتنا اعتبار نہ رہا تھا کہ آنکھیں بند کرکے میرا ہاتھ تھام لیتی' اسے یقین ہوگیا تھا کہ میں اسے سوائے ذلت کے کچھ نہیں دے سکوں گا' اسے لگ رہا تھا کہ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا تو کسی سڑک یا فٹ پاتھ پر اسے چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا''۔ شدت ضبط سے سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ خاموش ہوگیا تھا۔

''شیث! اس وقت تم جن کیفیات میں گھرے اس سے بدگمان بیٹھے ہو' تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اُس وقت سارہ بھی کچھ ایسی ہی کیفیات میں مبتلا تم سے بدظن ہوگئی ہوگی''۔ عاطف نے پوری سنجیدگی سے کہا تھا۔

''اگر ان حالات میں وہ تمہاری بات مان کر تمہارے ساتھ جانا بہتر سمجھتی تو یہ کام وہ بہت پہلے کر چکی ہوتی' دو آنسو بہا کر تمہیں کنوینس کرنا اس کے لیے مشکل نہیں تھا''۔

''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اگر اس دن وہ میرا ہاتھ نہ جھٹکتی' تھوڑا سا اعتبار میرے کشکول میں ڈال دیتی تو آج تم اس سے میری بیوی کی حیثیت سے مل رہے ہوتے' سارے انتظام مکمل کر کے میں اس کے پاس گیا تھا' اسے لے کر میں پہلے کورٹ اور پھر سیدھا ہوٹل پہنچ جاتا جہاں میں نے ایک ہفتے کیلئے کمرہ بک کروایا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ دو دن سارہ کے ساتھ گھر سے دور رہوں گا تو تیسرا دن شروع ہونے سے پہلے وہ خود سارہ کو لینے کے لئے مجھ تک پہنچ جائیں گے' جن کی نفرت اور اَنا نے مجھے اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا''۔ شدید مشتعل انداز میں وہ عاطف کو بتا رہا تھا۔

''مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ جس کے لیے یہ قدم اٹھا رہا ہوں وہی دامن چھڑا گئی ہے اور اب جب' جب میں اسے دیکھتا ہوں میرا یقین کرو عاطف! دل و دماغ میں طوفان اٹھنے لگتے ہیں' اگر اس دن وہ پیچھے نہ ہٹتی تو مجھ سے نظر چرا کر چھپنے کی کوشش نہ کر رہی ہوتی بلکہ اس وقت میرے کمرے میں موجود ہوتی''۔ چہرے کے بگھرے تاثرات کے ساتھ وہ بولا تھا۔

''مجھے اب اچھی طرح اندازہ ہو رہا ہے کہ ان تمام حالات و واقعات کو لے کر تم شدید فرسٹریشن اور ڈپریشن میں مبتلا رہے ہو مگر میرے خیال میں تمہیں اس بات نے بہت زیادہ غم و غصے میں گرفتار کر رکھا ہے کہ وہ اگر تمہاری پلاننگ میں گڑبڑ نہ کرتی تو آج تمہاری بیوی ہوتی اور یہ کہ اس وقت تمہارے کمرے میں موجود ہوتی''۔ عاطف کے سنجیدہ لہجے پر وہ کافی کا سپ لیتے لیتے رُکا تھا اور اس کی مسکراتی نظروں پر بس سر جھٹک کر رہ گیا تھا۔

''ویسے فی الحال تو یہ اچھا ہی ہے کہ وہ اس وقت تمہارے کمرے میں موجود نہیں ورنہ اتنی رات گزرنے کے بعد تم یہاں سے اٹھ کر جب جاتے تو یقیناً وہ لاتعداد جوتوں سے تمہارا والہانہ استقبال کرتی' اتنا تو جان گیا ہوں میں اسے''۔

''میں اس حوالے سے کوئی مذاق برداشت نہیں کروں گا تو بہتر ہے منہ بند رکھو' کچھ نہیں بتا رہا تھا وہی ٹھیک تھا''۔ اس کے ناگوار لہجے پر عاطف کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

''اور دوبارہ یہ مت کہنا کہ تمہیں کسی بات کی خبر نہیں تھی' میرے پیچھے جو انویسٹی گیشن تم کرتے رہے ہو اس کے بعد ضرورت تھی کہ میں تمہیں کچھ بتاتا''۔ وہ مزید ناگواری سے بولا تھا۔

''اچھا مجھے یہ بتاؤ جن کی وجہ سے یہ سارے حالات سامنے آئے ہیں ان کے بارے میں تم کیا کہو گے؟'' عاطف کا اشارہ یقیناً شمس کی طرف تھا۔

''سب کچھ اب اسی طرح چل رہا ہے جیسا وہ چاہتے تھے' وہ جیت گئے ان کی اَنا کے جھنڈے سربلند ہو گئے' ان کے لیے اب اور کیا کہہ سکتا ہوں''۔ وہ تلخ لہجے میں بولا تھا۔

''یہ بتاؤ کافی کیسی بنائی ہے میں نے؟'' عاطف نے یکدم موضوع بدلا تھا۔

''تم نے بنائی ہے اس لیے برداشت کر رہا ہوں ورنہ میں اس گرم مشروب کو کافی کا نام نہیں دے سکتا''۔ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''کوئی اور وقت ہوتا تو اس جواب پر جانے میں تمہارا کیا حشر کرتا مگر تسلسل سے سارہ کے ہاتھ کی بنی چائے' کافی پیتے رہنے کے بعد اس وقت میں بھی تمہارے تبصرے پر متفق ہوں''۔ عاطف نے مسکراتے ہوئے اس کے بگڑے تاثرات کو دیکھا تھا۔

⟡.........☆.........⟡

اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے سامنے سے گزرتے شاہ رخ کو روکا تھا۔

''میں نے ابھی شیث کو عاطف بھائی کے ساتھ باہر جاتے دیکھا ہے' ان دونوں کی ناراضگی کب ختم ہوئی؟'' وہ حیرانگی سے پوچھ رہی تھی۔

''اسی وقت جب چھوٹے بھائی کا کنفیوژن دور ہوا ہوگا''۔

''کیا مطلب...... کیسا کنفیوژن؟'' وہ مزید حیران ہوئی تھی۔

''اب کچھ کہہ کر مجھے چھوٹے بھائی کے ہاتھوں مرنا نہیں ہے''۔

''مجھے تو بتا دو' کسی کو نہیں بتاؤں گی''۔ وہ تجسس سے بولی تھی۔

''ہو گیا ہوگا کوئی کنفیوژن اور ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو مگر اب مجھے بخشو''۔ جان چھڑانے والے انداز میں وہ اسے الجھاتا عجلت میں چلا گیا تھا۔

⟡.........☆.........⟡

اسکرین پر ایک پروجیکٹ تیار کرتا وہ اپنے مخصوص ٹھہرے لہجے میں سارا پروسیجر بھی سمجھاتا جا رہا تھا۔ جماہیاں روکتی موموتوجہ مرکوز رکھنے کی کوشش تو کر رہی تھی جبکہ سارہ توجہ سے سنتے' دیکھتے نوٹ ڈاؤن بھی کر رہی تھی' برابر میں موجود زینب کا آج بھی عاطف کی موجودگی میں وہاں ہونا نہ ہونا برابر ہی تھا' ایک نگاہ بھی اس نے کمپیوٹر اسکرین پر اب تک نہیں ڈالی تھی مگر اٹھتی گرتی پلکوں کے ساتھ اس کی انگلیوں میں دبی پنسل بڑی روانی سے کاغذ پر حرکت کر رہی تھی۔ ایسے ہی سارہ کی سرسری نظر زینب کی گود میں رکھی نوٹ بک کی طرف گئی تھی اور اگلے ہی پل اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئی تھیں' دنگ نظروں سے وہ کبھی ارد گرد سے غافل زینب کے جھکے چہرے کو دیکھتی اور کبھی اس کی حرکت کرتی پنسل کو' اس نے عاطف کے چہرے کا اسکیچ جس مہارت اور نزاکت سے کھینچا تھا سارہ کی نظریں اسکیچ پر سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

''سارہ! میں نے جو کہا وہ تم نے سنا ہے؟'' عاطف بے توجہی محسوس کر کے کچھ سخت لہجے میں بولا تھا۔

''جی...... میں سن رہی ہوں''۔ وہ بری طرح گڑبڑائی تھی جبکہ اس بار عاطف نے زینب کو دیکھا تھا جو اس وقت بھی غافل کاغذ پر موجود نقوش کو سنوارنے میں مگن تھی۔

''زینب! اپنی نوٹ بک مجھے دیں''۔ کسی غیر معمولی چیز کا احساس ہوا تھا جو عاطف براہ راست زینب سے مخاطب ہوا تھا۔ اپنے نام کی پکار پر زینب کا چونکنا لازمی تھا' عاطف کو مکمل اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے' لرزتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے نوٹ بک عاطف کی طرف بڑھا دی تھی۔ خاموشی کے ساتھ وہ کاغذ پر بکھرے نقوش کو دیکھتا رہا تھا اور پھر صفحہ پلٹتے ہوئے ایک نظر زینب کے سفید پڑتے چہرے پر ڈالی تھی۔ کوئی چھ سات صفحات اس نے پلٹے تھے اور ان سب پر اسے اپنا ہی چہرہ نظر آیا تھا۔ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سارہ نے عاطف کو دیکھا تھا جو نوٹ بک بند کرتے ہوئے دوبارہ زینب کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''کس کی اجازت سے آپ یہ کام کر رہی تھیں؟'' عاطف کے انتہائی سنجیدہ لہجے پر زینب کا سر مزید جھک گیا تھا۔

''یہاں آپ کا کوئی کام نہیں ہے' آپ فوراً یہاں سے باہر جائیں اور اس وقت تک باہر رہیں جب تک میں یہاں موجود ہوں''۔ عاطف کے حکم صادر کرنے پر زینب نے بے انتہا پریشان ہو کر پہلے عاطف کو اور پھر سارہ کو دیکھا تھا جو خود حق دق رہ گئی تھی۔

''اور یہ تین دن تک ہوگا' میری موجودگی میں آپ اسٹڈی میں نہیں ہوں گی' بعد میں اپنی فیلوز کے ساتھ بیٹھ کر آپ پریکٹس کر سکتی ہیں' Now, get out immediately''۔ سخت لہجے میں وہ سزا سنا تا دوبارہ کمپیوٹر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ سارہ کی ہمت نہیں ہوئی تھی' بے بس نظروں سے وہ زینب کو دیکھتی رہی تھی جو مرے مرے قدموں کے ساتھ جا کر اسٹڈی کے باہر کھڑی ہو گئی تھی۔

''عاطف بھائی! واپس بلا لیں اسے اتنی دور سے آتی ہے''۔ مومو نے ہمت کر کے سفارش کی تھی مگر جن نظروں سے عاطف نے اسے دیکھا تھا وہ مزید کچھ نہیں بول سکی تھی۔

کچھ دیر بعد ان دونوں کو پریکٹس کرنے کی ہدایت دیتا وہ اسٹڈی سے باہر آیا تھا اور ایک پل کو رک کر دائیں جانب دیوار سے لگی زینب کو دیکھا تھا۔ پنک کلر کے اسکارف میں اس کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو رہا تھا۔

''اب آپ اندر جا سکتی ہیں''۔ نوٹ بک اسے واپس کرتے ہوئے عاطف نے کہا تھا اور آگے بڑھ گیا تھا۔

☆

ریسٹورنٹ کے پرسکون ماحول میں کھانے کے دوران باتوں کا سلسلہ جاری تھا جب اچانک ہی عاطف نے کہا تھا۔

''تم نے کیا سوچا ہے اس کمپنی کی آفر کے بارے میں جو اپنی پروڈکٹ کی پروموشن کیلئے تمہیں دے رہی ہے؟''

''تم جانتے ہو کہ میں یہ کام ہرگز نہیں کر سکتا پھر کیا سوچنا اس آفر کے بارے میں''۔ وہ سرسری انداز میں بولا تھا۔

''تم اتنے دقیانوس کب سے ہو گئے؟ ایک زبردست opportunity تمہیں ملی ہے نام' شہرت' روپے' کیا کچھ نہیں ہے اس فیلڈ میں اور تم اسے ٹھکرانے کا عہد کرنا چاہتے ہو''۔ عاطف نے حیرت کے ساتھ کہا تھا۔

''جن چیزوں کے نام تم گنوار ہے ہو وہ سب جتنی مقدار میں میرے پاس ہیں میں اس میں خوش ہوں' زیادہ کی طلب مجھے کبھی نہیں رہی''۔ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ جب اللہ کی طرف سے تمہیں زیادہ بہتری کے مواقع میسر آرہے ہیں تو انہیں ٹھکرا کر ناشکری مت کرو' تم جانتے ہو اس کمپنی کے ایم ڈی' شمس بھائی سے مسلسل رابطے میں ہیں' کل انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تم سے پوچھوں کہ تمہارا جواب کیا ہے''۔

''میرا جواب معلوم کرنے کے لیے انہیں تمہارے سہارے کی ضرورت کیوں پڑی؟'' شیث درمیان میں بول اٹھا تھا۔

''ان کے گریز کی وجہ تم اچھی طرح جانتے ہو' تمہارا رویہ ان کے قدم تمہاری طرف بڑھنے سے روک دیتا ہے''۔ عاطف نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''انہوں نے میرے رویئے کی اتنی پرواہ کب سے کرنی شروع کر دی؟ ورنہ ہمیشہ تو انہوں نے وہی کہا ہے جو ان کے خیال میں بے دھڑک کہہ دینا چاہیے''۔ وہ طنزیہ لہجے میں بولا تھا۔

''فی الحال میں تم سے جس ٹاپک پر بات کر رہا ہوں اسی پر توجہ رکھو''۔ عاطف نے کچھ ناراضگی سے اسے دیکھا تھا۔

''اور میں تمہیں یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ اس آفر سے جان چھڑانے کی بے وقوفی مت کرو' اس کمپنی نے کچھ سوچ کر ہی تمہیں یہ آفر دی ہے ورنہ وہ یہ آفر کسی سلیبرٹی کو بھی دے سکتے تھے' مگر یقیناً وہ کمپنی اپنی پروڈکٹ کی پروموشن کے لیے نیا چہرہ چاہتی ہے' جس کا Physical appearance بھی اٹریکٹو ہو اور Consumers کے لیے وہ کمپنی اور اس کی پروڈکٹ کو appealing بنانے کا ہنر بھی رکھتا ہو' تم ان ساری ترجیحات پر کھرے اترتے ہو' سیریسلی''۔ عاطف نے کہا تھا۔

''مگر مجھے واقعی یہ عجیب لگ رہا ہے' اس آفر کو قبول کرنے کے بعد مجھ پر ماڈل کا لیبل لگ جائے گا''۔ وہ بیزاری سے بولا تھا۔

''تم اس فیلڈ کو پروفیشن نہیں بنا رہے' ایک دو تجربے کرنے میں کیا حرج ہے''۔ عاطف نے زچ ہو کر کہا تھا۔

''ویسے بھی جس form میں اس پروڈکٹ کی پروموشن ہوگی وہ صرف پرنٹ میڈیا تک محدود ہوگی' میگزینز میں اس کی advertisement ہوگی اور شہر کی شاہراہوں پر اس پروڈکٹ کے ساتھ تمہارے بلند و بالا بورڈز کھڑے ہوں گے''۔

''میں ایک عام سا نارمل بندہ ہوں' تمہارے لیے یہ سب معمولی ہو سکتا ہے مگر میرے لیے یہ سب اتنا آسان نہیں ہے''۔ وہ تذبذب کے ساتھ بولا تھا۔

''تمہارے گریز کی وجہ اگر سارہ ہے تو پریشان مت ہو' میں اس سے بات کر لیتا ہوں''۔ عاطف نے یکدم ہی کہا تھا۔

''وہ میرے کسی عمل پر منفی یا مثبت ردعمل کا اظہار کیونکر کرنے لگی' جب وہ خود کو مجھ سے میری زندگی سے الگ کر چکی ہے' میں اب گڑھے میں گروں یا کھائی میں اُسے کوئی سروکار نہیں ہو سکتا''۔ وہ ناگواری سے بولا تھا۔

''فضول قیاس آرائیاں نہ کرو''۔ عاطف نے اسے گھرکا تھا۔

''اچھا ہوا مجھے یاد آگیا' سارہ سے بھی اس سلسلے میں بات کرنی ضروری ہے' اگر اسے کوئی اعتراض ہوا تو میں اسے سمجھاؤں گا''۔

''تمہیں کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی' وہ میرے متعلق کسی بھی رائے کا اظہار تمہارے سامنے نہیں کرے گی' اس کے نزدیک میری اتنی اہمیت نہیں کہ وہ......''

''بس......'' عاطف نے اسے ٹوکا تھا۔

''تم کتنا سچ بول رہے ہو مجھے اندازہ ہے' اس کی رائے کی کتنی اہمیت ہے یہ بھی مجھے معلوم ہے' خوامخواہ میرے سامنے بیٹھ کر بے پر کی نہ اڑاؤ' مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر تم سانس بھی کیسے لے رہے ہو اور تم کہتے ہو کہ وہ خود کو تم سے الگ کر چکی ہے''۔ عاطف کے خشمگیں انداز پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆

''تم ان سے ایکسکیوز کر لیتا' وہ مزید کچھ نہیں کہیں گے بھی نہیں' تم خوامخواہ ڈر رہی ہو''۔ اسٹڈی سے ابھرتی مومو کی آواز پر عاطف باہر ہی رک گیا تھا۔

''یہی میں اسے گیٹ سے یہاں تک سمجھاتی ہوئی لائی ہوں''۔ سارہ کی آواز ابھری تھی۔

''تم نے کوئی بہت بڑی غلطی نہیں کی ہے' ویسے بھی میں تو تمہارے ہنر کی قدر دان بن چکی ہوں' تم دیکھنا عاطف بھائی اپنے اچھے موڈ میں لازمی تمہارے بنائے گئے اسکیچز کی تعریف کریں گے''۔ موموں نے کہا تھا۔

''ابھی وہ جیسے ہی آتے ہیں تم ان سے سوری کہہ دینا' کتنا برا لگے گا جب تم باہر کھڑی سزا بھگت رہی ہو گی''۔ سارہ نے کہا تھا۔

''کل سزا کا آخری دن ہے میں بھگت لوں گی' اپنی غلطی کی سزا کاٹنا ضروری ہے بعد میں ان سے میں معافی بھی مانگ لوں گی''۔ زینب کی مدھم آواز سنائی دی تھی۔

''عنقریب ٹیسٹ ہونے والا ہے' جس طرح عاطف سمجھا سکتے ہیں ہم بے وقوف کیا سمجھائیں گے' کل بھی اپنے گھر سے تم نے دس بار مجھے فون کھڑکایا تھا' پریکٹس کے دوران بہت سی چیزیں تمہیں سمجھ نہیں آئی تھیں''۔ سارہ نے اسے سمجھانے والے انداز میں گھر کا تھا۔

''معافی مانگنے کی کوشش تو میں نے کل بھی کی تھی مگر ان کے سامنے مجھ سے کچھ بولا ہی نہیں جاتا''۔ زینب کی آواز حلق میں ہی دم توڑ گئی تھی جب عاطف اسٹڈی میں داخل ہوا تھا۔ سرعت سے وہ باہر جانے کے لیے اٹھی تھی۔

''آجائیں واپس اپنی جگہ پر''۔ عاطف کی آواز پر وہ بے یقینی کے ساتھ رک کر اسے دیکھنے لگی تھی مگر وہ کمپیوٹر کی طرف متوجہ تھا۔

پریکٹس کے دوران وہ زینب سے کچھ ضروری بات کر رہی تھی جب عاطف نے اسے پکارا تھا' آج وہ کلاس کے بعد باہر نہیں گیا تھا بلکہ اپنے پرسنل کمپیوٹر میں مصروف ہو گیا تھا۔

''ان سے کہہ دینا تم پروجیکٹ کے متعلق بات کر رہی تھیں مجھ سے''۔ زینب کے پریشان انداز میں تاکید پر وہ مسکراتے ہوئے عاطف کی سمت بڑھ گئی تھی۔

''میرے لیے یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ خاتون تمہاری دوست ہیں''۔ عاطف کے مدھم خشمگیں انداز پر وہ بمشکل ہنسی روکتی اسٹول پر بیٹھ گئی تھی۔

''تم اسے یہاں بلا کر اس کا وقت برباد کر رہی ہو' یہ کچھ سیکھنا نہیں چاہتی' اس کی حرکات سے بخوبی اندازہ ہو چکا ہے مجھے''۔

''ایسا بالکل نہیں ہے' وہ اتنی بے وقوف اور لاپرواہ نہیں ہے''۔ سارہ نے کچھ ناراضگی سے کہا تھا۔

''اچھا مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی' تم جانتی ہو گھر میں شیث کے حوالے سے آج کل جو تذکرہ چل رہا ہے''۔ عاطف نے بغور اس کے سنجیدہ ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں اس بارے میں' اسے اپنے کسی ذاتی فیصلے کے لیے میری رائے کی ضرورت نہیں ہے' باقی گھر میں سب کی کیا رائے ہے میں یہ بھی نہیں جانتی''۔ وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''یہاں سب کی نہیں صرف تمہاری رائے کی بات ہو رہی ہے' میں بھی تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں''۔

''میں آپ سب میں ہی تو شامل ہوں تو ظاہر ہے جو آپ سب کی رائے ہے میں بھی اس پر متفق ہوں''۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بات ختم کرتی اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

''یہ ساتھ لیتی جاؤ''۔ عاطف نے ایک پیکٹ اس کی سمت بڑھایا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''تمہیں نظر آ رہا ہے' اس میں تمہارے لئے نیا سیل فون ہے' شیث نے مجھے یہ تمہیں دینے کے لیے کہا تھا شاید اسے لگ رہا تھا کہ تم یہ اس کے ہاتھ سے نہیں لو گی''۔

''یہ میں آپ سے بھی نہیں لوں گی' اس سے کہیں میرا پرانا سیل فون واپس کر دے' وہ مجھ سے اس کے کمرے میں ٹوٹ گیا تھا''۔ وہ بمشکل ناگواری چھپائے بولی تھی۔

''وہ سیل فون صرف ٹوٹا ہوتا تو تمہیں ضرور واپس مل جاتا مگر تم تو اس کے پرخچے اڑا چکی ہو اب خاموشی سے یہ رکھو ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا''۔ عاطف نے قطعی لہجے میں وہ پیکٹ اسے تھما کر جانے کا اشارہ دیا تھا۔

☆

زینب کو گیٹ پر الوداع کہہ کر وہ جب واپس آئی تو کافی لیٹ ہو چکی تھی مگر سب اسے لاؤنج میں ہی نظر آ رہے تھے اور ٹی وی پر کوئی میچ دیکھ رہے تھے۔

''اتنی دیر ہو گئی آج' خواتین کے لیے بہت وقت ہوتا ہے عاطف بھائی کے پاس''۔ کارپٹ پر نیم دراز شان نے شرارتی نظروں سے دیکھا تھا جبکہ اسے گھور کر سارہ نے ایک نگاہ شیث پر ڈالی تھی جو وہیں فلور کشن پر براجمان کافی کے سپ لیتا مکمل ٹی وی کی سمت متوجہ تھا۔

''زینب چلی گئی؟'' سدرہ نے پوچھا تھا۔

''جی ہاں''۔ مختصر جواب دیتی وہ شاہ رخ کے ساتھ ہی جا بیٹھی تھی۔

''آج تمہارے انتظار میں مجھے مجبوراً سدرہ کی بنائی ہوئی کافی پینی پڑ رہی ہے''۔ ٹی وی سے ایک پل کو نظر ہٹا کر شمس نے اسے دیکھا تھا۔

''فکر نہ کریں آج کے بعد مجبوراً بھی نہیں بناؤں گی''۔ سدرہ کے خشمگیں لہجے پر وہ مسکرائی تھی۔

''کہاں تک عبور حاصل ہو چکا ہے؟'' شاہ رخ نے پوچھا تھا۔

''کچھ مت پوچھو' ٹیسٹ کا رزلٹ دیکھنے کے بعد عاطف ہماری شکلیں بھی دیکھ لیں تو بہت بڑی بات ہے''۔ شدید پریشان کن انداز میں بولتی وہ چونک کر ہنی کی طرف متوجہ ہوئی تھی' اس کے ہاتھ میں سارہ کا بیگ تھا۔

''آپی! آپ کے بیگ میں اتنے ڈھیر سارے روپے ہیں' میں آئسکریم کے لیے اس میں سے روپے لے لوں''۔ ہنی کی چہکتی آواز پر سارہ نے فق ہوتے چہرے کے ساتھ سدرہ کو دیکھا تھا جو ہنی کو ڈپٹتے ہوئے بیگ اس سے لے چکی تھیں۔

''سارہ! اتنے روپے کہاں سے آئے تمہارے پاس؟ میں نے اتنے روپے تو نہیں دیئے تھے تمہیں''۔ بیگ میں سے مزید سرخ سرخ نوٹ برآمد کرتیں سدرہ حیرت سے پوچھ رہی تھیں۔

''وہ...... یہ روپے مجھے......'' سب کے سامنے سچ بتاتے ہوئے اس کی زبان لڑکھڑائی تھی۔

''عاشر بھائی نے یہ روپے مجھے دیئے تھے''۔ کمزور آواز میں بولتے ہوئے سارہ نے ایک چور نگاہ اس پر ڈالی تھی جو ٹی وی کی سمت ہی متوجہ تھا مگر اس کے چہرے کے تاثرات بالکل تن چکے تھے۔

''لیکن اتنے سارے روپے......؟'' سدرہ مزید دنگ ہوئی تھیں۔

''وہ دیتے رہتے ہیں' خرچ کرنے کا موقع نہیں ملا تو رکھے رکھے اتنے جمع ہو گئے''۔ وہ بمشکل ہی بولی تھی۔

''وہ روپے دیتا ہے اور تم لے لیتی ہو' منع نہیں کر سکتی ہو اسے''۔ شمس کچھ ناگواری سے بولے تھے۔

''منع کرتی ہوں مگر وہ سنتے نہیں ہیں''۔ شیث کی موجودگی کی وجہ سے یا کچھ اور مگر اس کا دل سہم سا گیا تھا۔

''بہر حال آئندہ خیال رکھنا' کھانے پینے کی چیزوں کی بات الگ ہے اس سے قریبی رشتہ ہے تمہارا' روک ٹوک کا سوال نہیں اٹھتا مگر اب روپے لینے سے قطعی انکار کر دینا' ناراض ہوتا ہے تو ہونے دو''۔ شمس کے سخت لہجے میں تاکید کرنے پر ماحول میں سنجیدگی بڑھ گئی تھی۔ نظر اٹھا کر سارہ نے اسے دیکھا تھا جو خاموشی کے ساتھ اٹھا تھا اور کسی بھی جانب دیکھے بغیر لاؤنج سے نکل گیا تھا۔

☆

آج کے ٹیسٹ میں ان تینوں کو الگ الگ اور مختلف قسم کے پروجیکٹس ملے۔ سارہ کو یقین تھا کہ پچھلے ٹیسٹ کی طرح اس بار بھی شاندار طریقے سے شرمندہ ہونا پڑے گا' موموکی بیزاری' خود اس کا ڈاؤن ہوتا بی پی اور زینب کی مستقل خاموشی نے اس کا یقین مستحکم کر دیا تھا۔

''سارہ! میرا ٹیسٹ مکمل ہو گیا ہے''۔ ٹیسٹ شروع ہوئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا جب یہ فخریہ سرگوشی اس کے کانوں تک وہاں سے آئی تھی جہاں سے یہ توقع رکھنا ہی ناممکن تھا۔ شدید بے یقینی سے اس نے زینب کے کامیابی کی خوشی سے تمتمائے چہرے کو دیکھا تھا' دوسری جانب شاید کامیابی نے ہی اسے اتنا اعتماد دیا تھا کہ وہ فوراً ہی اٹھ کر عاطف کی سمت بڑھی تھی جو پرنٹر کے پاس موجود پرنٹ آؤٹ نکالنے میں مصروف تھا۔

''سر! میرے سارے پروجیکٹس مکمل ہو گئے ہیں' آپ چیک کر لیں''۔ زینب کی آواز پر وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''میں سن چکا ہوں' اب آپ واپس جا کر بیٹھ سکتی ہیں''۔ عاطف کے اکھڑے لہجے پر وہ ایک پل کو دنگ ہوئی تھی اور اگلے ہی پل خفت اور شرمندگی سے اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔

''وہ ابھی بزی ہیں' کچھ دیر میں آ کر چیک کر لیں گے''۔ سارہ محسوس کر گئی تھی اس لیے زینب کی دلجوئی کے لیے کہا تھا ورنہ خود اسے بھی زینب کے ساتھ عاطف کا یہ رویہ پسند نہیں آتا تھا۔

ٹھیک ہے زینب سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہیں مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ اسے بالکل ہی اگنور کر دیا جائے' یہ سب اس لیے بھی زیادہ محسوس ہوتا تھا کہ بالکل برعکس عاطف کا رویہ سارہ اور مومو کے ساتھ ہوتا تھا۔

آدھا گھنٹہ مزید گزرا تو ان دونوں کا بھی ٹائم ختم ہونے کا سگنل عاطف نے دے دیا تھا۔ پہلے مومو پھر سارہ اور اس کے بعد زینب کی باری آئی تھی جو سب سے پہلے ٹیسٹ سے فارغ ہو چکی تھی۔

''آپ نے کمپیوٹر آف کیوں کر دیا ہے' کہاں ہیں آپ کے پروجیکٹس؟'' عاطف نے کچھ حیرت و ناگواری سے اسے دیکھا تھا جو لب سیئے بلینک مانیٹر کو گھورتی ساکت بیٹھی تھی۔

''زینب! اپنے پروجیکٹس دکھاؤ''۔ سارہ نے کچھ گھبرا کر اسے پکارا تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ حق دق رہ گئی تھی جب زینب کچھ بھی کہے بغیر ایک جھٹکے سے اٹھی تھی اور بیگ کندھے پر ڈالتی سرعت سے اسٹڈی سے نکل گئی تھی۔

''میں جا کر دیکھتی ہوں اسے''۔ حیران کھڑے عاطف کو خفت زدہ نظروں سے دیکھتی وہ بھی زینب کے پیچھے آئی تھی مگر اسے دیر ہو چکی تھی' جب وہ گیٹ تک پہنچی زینب اس کی ساری آوازیں اَن سنی کیے اپنے بھائی کے ساتھ بائیک پر اڑتی چلی گئی تھی۔

☆

''اس بار کوئی بہانہ مت کرنا' میری برتھ ڈے پر تم مجھے باہر لے جا رہے ہو کینڈل لائٹ ڈنر کے لیے' سمجھے''۔ شاہ

رخ کے تعاقب میں ہی آتی وہ حکم صادر کر رہی تھی۔

''کینڈل لائٹ ڈنر کے لیے میں تمہیں چاند پر لے جاؤں گا اگلے جنم میں کیونکہ اس زمین پر یہ معجزہ نہیں ہو سکتا''۔ شاہ رخ نے رک کر خشمگیں لہجے میں کہا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں سننا' اگر میری برتھ ڈے پر تم نے میری خواہش پوری نہ کی تو اس زمین پر میں نہیں یا تم نہیں''۔ مومو نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

''تم تو رہو گی...... میں نہیں رہوں گا تمہاری خواہش پوری کرنے کے بعد''۔ شاہ رخ نے ناگوار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں ساتھ باہر لے جانے سے پہلے مجھے ایک ایک کر کے تمہارے درجن بھر بھائیوں کو کسی غار میں لے جا کر چھوڑنا ہو گا' مگر مجھے یقین ہے وہ منٹوں میں وہاں سے بھی دوڑے چلے آئیں گے۔ ایسی کوئی جگہ ہے جہاں تمہارے بھائی نظر نہ آتے ہوں؟ پتھر سرکاؤ تو اس کے نیچے سے بھی وہ برآمد ہو جائیں گے''۔ بری طرح تپ کر وہ بولتا چلا گیا تھا جبکہ مومو منہ کھولے اسے تکتی رہ گئی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' برآمدے میں آتے شمس نے حیرت سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

''آپ بتائیں' کیا میرے بھائی کیڑے مکوڑے ہیں جو ہر پتھر کے نیچے سے برآمد ہو جاتے ہیں''۔ مومو جلتی بھنتی ان سے پوچھ رہی تھی۔

''کس نے کہا یہ؟'' شمس نے ایک نظر شاہ رخ کے مسکراتے چہرے پر ڈالی تھی۔

''اس گھر میں ایک ہی چھپا دشمن ہے میرے بھائیوں کا''۔ مومو نے خونخوار نظروں سے شاہ رخ کو دیکھا تھا۔

''اتنا عظیم سچ بول کر تم یہیں ڈٹے کیوں کھڑے ہو' بھاگو''۔ شمس کی ہدایت پر وہ دل جلا دینے والے قہقہے کے ساتھ گھر کے اندر گیا تھا جبکہ شمس فوراً ہی اس کے پیچھے جاتی مومو کو روکتے اس کے ہمراہ ہی گراؤنڈ کی سمت بڑھ گئے تھے جہاں عاطف اور شیث باتوں میں مصروف تھے۔

''چھوٹے بھائی! کیا ہو جاتا جو اگر میگزین میں آپ کے ساتھ میرا فوٹو بھی چھپ جاتا''۔ مومو نے اپنی بقیہ جھنجھلاہٹ شیث پر اتاری تھی۔

''کیا فضول ہانک رہی ہو''۔ شمس نے فوراً اسے گھر کا تھا۔

''توجہ مت دیں' اس کا دماغ سارہ کے جانے کے بعد سے ہی خراب ہوا ہے''۔ عاطف نے کہا تھا۔

''صرف میرا ہی تو دماغ خراب نہیں ہوا!'' مومو نے معنی خیز نظروں سے شیث کو بھی دیکھا تھا جو بالکل نظر انداز کر لیا تھا۔

''کیسا رہا تمہارا یہ ایکسپیرینس؟'' شمس نے بالآخر خود اسے مخاطب کر لیا تھا۔

''جی...... سب اچھا رہا''۔ اس نے مختصراً کہا تھا۔

''حسن حیات سے بات ہوئی تھی میری' کافی تعریف کر رہے تھے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ وہ آگے بھی تمہیں اپنی کمپنی سے connect رکھنا چاہیں گے''۔ شمس کے مزید کہنے پر وہ خاموش رہا تھا تب ہی شمس کے سیل فون پر کال آ گئی تھی وہ کال سارہ کی ہی تھی جو آج سارا دن اپنی پھپھو کی طرف ہی رہی تھی۔

''شان تمہیں لینے نہیں پہنچا اب تک؟'' سوال کرتے ہوئے انہوں نے متلاشی نظروں سے ارد گرد دیکھا بھی تھا۔

''بھائی نے مجھے جانے کے لیے کہا تھا' ابھی چلا جاتا ہوں''۔ شیث نے درمیان میں ہی کہا تھا جس پر وہ سارہ کو

کچھ دیر انتظار کرنے کی تاکید کر گئے تھے۔

☆

پیچھے بھاگتے مناظر سے نظر ہٹا کر سارہ نے ایک نگاہ بیک ویو مرر میں نظر آتے اس کے سپاٹ چہرے پر ڈالی تھی۔

"آپ نے خوامخواہ تمہیں زحمت دی' میں کسی کے ساتھ بھی گھر واپس آ جاتی"۔ مدھم آواز میں وہ یہ بولے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"شاید وہ یہ بھول گئی تھیں کہ تمہارے لیے خدمت گاروں کی کمی نہیں ہے"۔ ونڈ اسکرین پر نظر جمائے وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔

"اور زحمت کی بات مت کرو کیونکہ زحمت اور زبردستی دو الگ الگ چیزیں ہیں"۔

"پتا نہیں وہ یہ کیسے بھول گئیں کہ میرے خدمت گار بہت ہیں' انہیں واقعی تمہیں زبردستی مجھے لینے کے لیے نہیں بھیجنا چاہیے تھا"۔ سرخ چہرے کے ساتھ کاٹ دار لہجے میں وہ بولی تھی اور چہرہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔

شدید قسم کی جھنجلاہٹ اسے محسوس ہونے لگی تھی۔ ٹریفک بہت جام تھا اور وہ بس جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی۔ گاڑیوں کے سیلاب پر نظر دوڑاتے ہوئے اچانک ہی اس کی نظر اوپر کی جانب اٹھی تھی اور اگلے ہی پل اس کی آنکھیں ساکت ہو گئی تھیں۔ آسمان تک جاتے اس دیو ہیکل بورڈ پر سجا جگمگاتا چہرہ دل کی دھڑکن روکنے لگا تھا۔

کچھ چونک کر وہ ونڈو کے قریب آتے اس بچے کی طرف متوجہ ہوا تھا جسے پہچاننے میں اسے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

"محسن! تم یہاں کیا کر رہے ہو اس وقت؟" وہ کچھ حیرانگی سے پوچھ رہا تھا۔

"وہاں میرے ابو کی پھولوں کی دکان ہے"۔ بچے نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا تھا۔

"شام کو میں ان کے ساتھ ہی دکان پر ہوتا ہوں' شان بھائی کل بھی دکان پر آئے تھے' ابو آپ سے ملنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کا شکریہ ادا کریں' آپ ان سے ملیں گے؟" رکے بغیر وہ بولتا سوال بھی کر گیا تھا۔

"کیوں نہیں' میں ضرور ان سے ملنے آؤں گا مگر تم یہ بتاؤ اسکول جا رہے ہو روزانہ؟" شیث نے پوچھا تھا۔

"جی...... اور میرا چھوٹا بھائی اور بہن بھی اسی اسکول میں جا رہے ہیں' وہ اسکول بہت اچھا ہے"۔ بولتے ہوئے اس بچے نے رک کر اپنی طرف متوجہ سارہ کو دیکھا تھا۔

"آپ کے بچے بھی اسکول جاتے ہوں گے؟" اس نے یکدم ہی بڑی معصومیت کے ساتھ شیث سے سوال کیا تھا جو دنگ ہی رہ گیا تھا۔ دوسری جانب سارہ نے بے ساختہ مسکراتے ہوئے اس بچے کو دیکھا تھا۔

"تم اب فوراً واپس جاؤ' یہاں مت رکو"۔ شیث نے عجلت میں اسے جانے کا اشارہ کیا تھا۔

"وہ آپ کی اتنی بڑی تصویر لگی ہے دو دن پہلے' میں نے تو فوراً پہچان لیا تھا"۔ شیث کی سنے بغیر وہ اپنی ہی بولے گیا تھا۔

"میں نے تم سے کیا کہا ہے؟" شیث نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میں جا رہا ہوں مگر یہ پھول لے لیں"۔ بالآخر یاد آنے پر اس نے پھولوں کا چھوٹا سا گلدستہ شیث کے حوالے کیا تھا۔

"یہ بہت خوبصورت لگ رہا ہے' شکریہ"۔ شیث نے کہا تھا۔

"میں اسے سنبھال کر رکھوں گا"۔

"آپ کو جو دوسرا دوں گا اسے سنبھال کر رکھیے گا مگر ابھی یہ والا ان کو دے دیں"۔ بچے نے کچھ شرمیلی آواز میں کہا تھا' دوسری جانب سارہ نے سرعت سے پھول شیث کے ہاتھ سے اچک لیے تھے۔

"کتنے اچھے ہو تم' وہ دوسرا کب بھی تم نے مجھے دینا ہے"۔ سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ دوسری جانب شرماتے ہوئے وہ تھوڑا پیچھے ہوا تھا۔

"یہ کون ہیں؟" سوال اس نے شیث سے کیا تھا مگر اگلے ہی پل شیث نے جس طرح سنجیدگی سے اسے جانے کا اشارہ دیا تھا وہ فرمانبرداری سے اشارے پر عمل کر گیا تھا۔

"اس کے سوال کا جواب نہیں تھا تمہارے پاس؟" کچھ فاصلہ طے ہوا تھا جب وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی' جواب کا انتظار کرتی وہ چند لمحوں تک اس کے خطرناک حد تک سنجیدہ چہرے کو دیکھتی رہی تھی جو ونڈ اسکرین کی طرف ہی متوجہ رہا تھا۔ بجھے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے بھی پھول ڈیش بورڈ پر ڈال دیئے تھے۔

☆

وہ سیدھی کچن کی سمت جانا چاہتی تھی مگر لاؤنج میں موجود سدرہ کی پکار پر اسے ان کی طرف جانا پڑا تھا۔

"تم نے زینب کو بتا دیا تھا کہ آج تم پھپھو کی طرف جا رہی ہو' اس لیے کلاس نہیں لو گی؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں...... آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" سارہ نے پوچھا تھا۔

"وہ آئی نہیں تھی تو میں نے سوچا کہ تم نے اسے اپنی غیر موجودگی کا بتا دیا ہو گا' ویسے تین چار دن سے وہ آ بھی نہیں رہی' سب ٹھیک ہے؟ فون کرنا تھا اسے"۔

"کل میری بات ہوئی ہے اس سے' طبیعت اس کی کچھ ناساز ہے اس لیے نہیں آ رہی"۔

"عاطف کو بتا دیا تم نے؟" سدرہ نے پوچھا تھا۔

"نہیں مگر سوچ رہی ہوں جا کر بتا دوں"۔ سارہ نے کہا تھا۔

"میں کافی بنانے جا رہی ہوں آپ لیں گی؟"

"نہیں بھئی...... یہ ڈرامہ ختم ہو تو جا کر سوؤں گی' محسن اسٹڈی میں ہیں چاہو تو ان سے پوچھ لو"۔

"کافی کے لیے آپ کے ہسبینڈ بھی انکار کر سکتے ہیں"۔ وہ خشمگیں لہجے میں بولی تھی۔

"بات سنو...... اب دوبارہ میں تمہیں آپ کے ہسبینڈ' آپ کے ہسبینڈ کہتے نہ سنوں' سمجھ رہی ہو یا نہیں؟" سدرہ گھر کنے والے انداز میں بولی تھیں۔

"ٹھیک ہے اب میں انہیں لینڈ لارڈ کہوں گی' یہ ان پر جچتا بھی ہے"۔ مسکراتے ہوئے وہ بولتی آگے بڑھ گئی تھی۔

فائل بند کرتے ہوئے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے جو کچھ حیرانی سے انہیں دیکھتی قریب آ رہی تھی۔

"آپ کہاں گم تھے میں نے دوبارہ دستک دی تھی؟" سارہ نے بغور ان کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھا تھا۔

"شاید میں نے سنا نہیں ہو گا' تم کہو کوئی کام ہے؟" وہ ٹالنے والے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"کیا میں صرف کسی کام سے ہی آپ کے پاس آ سکتی ہوں"۔ وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"یہ کیوں سوچا تم نے؟" محسن نے حیرت سے اسے دیکھا تھا جو خاموش رہی تھی۔

"بیٹھو تم' میں بھی تم سے کچھ باتیں کرنا چاہ رہا ہوں"۔ ان کے سنجیدہ لہجے پر وہ قریب ہی رکھی چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔

"تم مطمئن ہو یہاں؟ کوئی مسئلہ کوئی پریشانی تو نہیں؟" ان کے بے ترتیب سے لہجے پر سارہ نے الجھی نظروں

سے انہیں دیکھا تھا۔

"یہاں آپ ہیں' آپی ہیں' سب میرا اتنا خیال رکھتے ہیں پھر مجھے یہاں کوئی مسئلہ کیسے ہو سکتا ہے اور اگر کبھی کوئی پریشانی یا مسئلہ ہوا بھی تو میں آپ سے ہی بیان کروں گی' مگر مجھے آپ اکثر پریشان دکھائی دیتے ہیں اور میں صرف سوچ کر رہ جاتی ہوں کہ آپ سے پریشانی کی وجہ پوچھوں یا نہیں"۔ وہ گہری سنجیدگی سے بولی تھی۔

"تم ساری وجوہات جانتی ہو سارہ!" وہ تھکے تھکے لہجے میں بولے تھے۔

"مجھے نہیں سمجھ آتا کہ میں کن لفظوں میں تلافی کروں' ایسا کیا کہوں اس سے کہ وہ دوبارہ میرے قریب آ جائے' ایک بار سب کچھ بھول کر میرے سینے سے لگ جائے"۔ ان کے مدھم وزدیدہ لہجے پر سارہ کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

"وہ اب بھی آپ کے قریب ہے آپ یہ مت سوچیں کہ......"

"نہیں ہے وہ قریب"۔ انہوں نے سارہ کی بات درمیان میں کاٹی تھی۔

"تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتی ہو کہ وہ کس قدر مجھ سے دور ہو چکا ہے' کتنا فاصلہ اس نے اپنے اور میرے درمیان قائم کر رکھا ہے۔ اس سے پہلے کبھی اتنا مشکل نہیں ہوا کہ میں اسے کیسے مخاطب کروں' مخاطب کروں تو یہ خوف دل میں آ جاتا ہے کہ وہ پتا نہیں مجھے جواب دینا پسند کرے گا یا اپنی خاموش نظروں سے مجھے مزید زخمی کر دے گا......"

"مگر وہ آپ کی باتوں کے جواب دیتا ہے' وہ کبھی آپ کی کوئی بات اَن سنی نہیں کر سکتا"۔ سارہ نے درمیان میں کہا تھا۔

"تم نہیں سمجھو گی' زبردستی اسے بات کرنے کے لیے مجبور کر کے جو اذیت ملتی ہے اس سے بہتر ہے اس کی سرد مہری کو خاموشی سے جھیل جانا"۔ وہ گہرا سانس بھر کر بولے تھے۔

"میں نے ہمیشہ اس کے لیے وہی کرنا چاہا جو مجھے اس کے لیے بہتر لگتا تھا اور اسی دھن میں مجھے یہ کبھی نظر ہی نہیں آیا کہ میں کہاں کہاں اسے تکلیفیں دیتا رہا ہوں اور اب جب دیکھنے کے قابل ہوا ہوں تو وہ بدگمانی کی حدوں تک پہنچ گیا ہے۔ میں اس سے نظر ملا کر بات کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا ہوں' یہ سچ برداشت سے باہر ہے"۔

"میری وجہ سے آپ کو ان حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے' میری وجہ سے وہ آپ سے بھی بدگمان ہوا ہے"۔ وہ بجھے لہجے میں سر جھکائے بولی تھی۔

"اپنے لیے ایسا مت سوچو' یہ تو وہ بھی جانتا ہے کہ ان حالات کا واحد ذمہ دار میں خود ہوں"۔ شمس نے کہا تھا۔

"وہ آپ سے بہت محبت و عقیدت رکھتا ہے' وہ زیادہ عرصے تک آپ سے نہیں کترا سکے گا' میں جانتی ہوں کہ آپ کی ذات اس کے لیے کتنی اہمیت رکھتی ہے"۔ مدھم لہجے میں وہ انہیں تسلی دے رہی تھی جو کسی گہری سوچ میں ڈوبے تھے۔

"وہ بہت زیادہ خوش قسمت ہے کہ آپ جیسا محبت کرنے والا انسان اس کے پاس ہے۔ مجھے رشک آتا ہے اس پر کہ آپ اس سے کتنی محبت کرتے ہیں"۔ اس کے لہجے میں گھلی یاس و حسرت پر شمس نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"پھر تو تمہیں خود پر بھی رشک کرنا چاہیے بے وقوف لڑکی! میں تم سے بھی شیث کے برابر ہی محبت رکھتا ہوں"۔

"اس آخری جملے میں آپ نے میرا دل رکھنے کیلئے تھوڑی غلط بیانی کی ہے"۔ سارہ نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"صرف تھوڑی سی غلط بیانی؟" وہ بے ساختہ مسکراتے ہوئے مصنوعی حیرانگی سے پوچھ رہے تھے۔

"مان لیا ناں آپ نے بھی کہ شیث کے برابر نہیں لا سکتے آپ مجھے"۔ وہ خفت سے بولی تھی۔

"ہم یہ بحث بعد میں بھی کر سکتے ہیں"۔ وہ بات ختم کرنے والے انداز میں بولے تھے تب ہی وہاں سدرہ پہنچ گئی تھیں۔

"آپ نے کافی بنالی' میں آ رہی تھی"۔ وہ شرمندہ ہو کر بولی تھی۔

"باہر سے عاطف کا آرڈر آ گیا تھا کافی کے لیے' یہاں پُر امن گفتگو جاری تھی تو میں نے سوچا کہ خود ہی کافی بنا لوں' اب تم جا رہی ہو یہ کافی لے کر یا میں خود دے آؤں؟" سدرہ نے پوچھا تھا۔

"میں جا رہی ہوں' انہیں زینب کے بارے میں بھی بتا دوں گی"۔ کافی کے مگ اٹھائے وہ انہیں بتاتی اسٹڈی سے نکل گئی تھی۔



برآمدے کے اسٹیپس اترتے ہوئے اس نے دائیں جانب بائیک پر نیم دراز شاہ رخ کو دیکھا تھا۔

"کسے کال کر رہے ہو؟" اس نے دور سے ہی شاہ رخ کو متوجہ کیا تھا۔

"مومو بارہ بجے کے بعد ہی سو جاتی ہے"۔ اس نے مزید کہا تھا۔

"مجھے معلوم ہے اس لیے اسے کال کر رہا ہوں جو مجھ سے بات کیے بغیر سوتی نہیں ہے"۔ وہ اطمینان سے بولا تھا۔

"شرم نہیں آتی تمہیں؟" سارہ نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

"اتنا برا لگ رہا ہے تو اپنا نمبر دے دو' اپنی دوست کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں"۔ وہ لڑنے والے انداز میں بولا تھا۔

"اپنی دوست کی ہی پرواہ ہے ورنہ حشر بگاڑ دیتی تمہارا"۔ اس کے ڈھٹائی سے ہنستے چہرے کو گھورتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

"اب اس کافی میں تم برف ڈال کر لے آؤ"۔ عاطف کے خشمگیں لہجے پر وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"ابھی یہ نوش کیے جانے کے قابل ہے دیکھیں بھاپ بھی اڑ رہی ہے"۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے ایک نگاہ شیث پر ڈالی تھی جو غیر محسوس انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" عاطف نے چونک کر اسے دیکھا تھا مگر وہ اَن سنی کیے دوسری سمت چلا گیا تھا۔

"جب آپ کو معلوم ہے کہ وہ میری وجہ سے گیا ہے تو کیوں حیران ہو رہے ہیں؟" سارہ نے کہا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے"۔ عاطف نے کہا تھا۔

"ایسا ہی ہے"۔ وہ فوراً بولی تھی۔

"میرا ارادہ آپ دونوں حضرات کو ڈسٹرب کرنے کا ہرگز نہیں تھا' مجھے آپ سے بات کرنی تھی کچھ زینب کے بارے میں......"

"مجھے کچھ نہیں سننا اس کے بارے میں' وہ صرف احمق ہی نہیں بدتمیز اسٹوڈنٹ بھی ہے"۔ عاطف نے کچھ ناگواری سے کہا تھا۔

"وہ بالکل بدتمیز نہیں ہے' آپ کی بہت عزت کرتی ہے مگر آپ نے پہلے ہی دن سے اس کے بارے میں کچھ

اچھی رائے نہیں رکھی ہے"۔ وہ خفگی سے بولی تھی۔

"یہ کیسے کہہ سکتی ہو تم؟ میری کیا اس سے کوئی ذاتی دشمنی ہے؟" عاطف نے حیرت سے کہا تھا۔

"یہ تو آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے' یہ چیز تو مومو نے بھی محسوس کی ہے آپ کا رویہ زینب کے ساتھ اکھڑا ہوا ہوتا ہے' اسے بھی لگتا ہے کہ آپ اسے پسند نہیں کرتے اور یہ کہ میں نے آپ کو مجبور کر کے اسے آپ پر مسلط کر دیا ہے"۔

"یہ سب تمہیں زینب نے کہا ہے؟" عاطف نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا تھا جواباً اس نے بس اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اس سے کہو کہ میرے پسند کرنے نہ کرنے کی فکر میں مبتلا نہ ہو' جس کام کے لیے وہ یہاں آتی ہے اس پر توجہ رکھے"۔ عاطف کے خشمگیں لہجے پر وہ مزید خفیف سی ہو گئی تھی۔

"وہ اب نہیں آئے گی اور ٹھیک ہی تو ہے آخر اس کی بھی عزتِ نفس ہے' جو سزائیں اس بے چاری کو آپ نے دی ہیں مجھے یا مومو کو تو کبھی نہیں دی ہیں' اس کا نہ آنا ہی اب بہتر ہے"۔ وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

"کیا بہتر ہے کیا نہیں یہ مجھے مت بتاؤ بلکہ اپنی دوست کو سمجھاؤ کہ کورس ادھورا چھوڑ کر اپنا نقصان نہ کرے' آگے اس کی مرضی"۔ عاطف نے قطعی انداز میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں اسے سمجھاؤں گی' ویسے کسی ٹیچر کو اتنا پتھر بھی نہیں ہونا چاہیے' آپ نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ وہ کلاس لینے کیوں نہیں آرہی"۔

"وہ محترمہ خود کلاس چھوڑ کر گئی تھیں' کسی اسٹوڈنٹ کو بھی مینرز نہیں بھولنے چاہئیں"۔ عاطف نے کہا تھا جبکہ وہ شکایتی نظروں سے اسے دیکھتی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اسے یہ بھی بتا دینا کہ کل وہ مجھے ہر حال میں اسٹڈی میں نظر آئے"۔ عاطف کی ہدایت پر وہ خوش ہو کر اثبات میں سر ہلاتی آگے بڑھ گئی تھی' جلد از جلد زینب تک عاطف کی ہدایت بھی تو پہنچانی تھی اس کے بعد یقیناً زینب کی ساری شکایتیں دور ہو جانی تھیں۔

سامنے کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے ایک نظر شاہ رخ کے پاس موجود شیٹ کی پشت کو دیکھا تھا۔

"سارہ ادھر آؤ"۔ شاہ رخ کو جانے کیا سوجھی تھی مگر اس کے قدم رک گئے تھے۔

"جو بات تجھ میں ہے تیری تصویر میں نہیں"۔ شیٹ کی پرواہ کیے بغیر اس نے گنگناتے ہوئے سارہ کی تصویر اپنے موبائل میں قید کی تھی۔

"بس..... اب جا سکتی ہوں؟" سارہ نے وہیں رکے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں جاؤ' باقی پکچرز بعد میں لوں گا تمہاری"۔ اس کے جواب پر وہ دھیرے سے ہنسی تھی مگر اس نے بس نہیں کیا تھا۔

"میری کال کا انتظار کرنا' تین بجے کال کروں گا"۔ وہ سارہ کو ہدایت دے رہا تھا۔

"روز اسی ٹائم پر تو کال کرتے ہو' آج کیوں جتا رہے ہو"۔ لاپرواہی سے بولتی وہ اندر چلی گئی تھی جبکہ شاہ رخ کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

جاری ہے

انعم خان

مکمل ناول

اس دل میں بس رہو تم

شام کے پہر کی مخصوص خاموشی وڈوبتے سورج سے پھیلتی سرخی سے بڑھتی، سرکتی اداسی حویلی کے لان کی حدود پر ڈیرہ جمائے جارہی تھی۔ وہ خالی آنکھوں سے سر اوپر اٹھا کر آسمان کی وسعتوں کو دیکھنے لگی جہاں پرندے اپنی اڑان جاری رکھے اپنے ٹھکانوں کی جانب رواں دواں تھے، پرندوں کی اڑان میں چھپی جستجو سے موازنے پر اس نے اپنی دھڑکنوں کو بیٹھتا محسوس کیا تھا اور یہ موازنہ غیر ارادی طور پر اس سے ہوا تھا، مگر جب موازنہ کر چکی تو سرعت سے آنکھیں میچ کر کھولتی اگلے ہی لمحے واپس کمرے میں آ گئی۔

''کیوں؟'' لاشعوری طور پر ''کیوں'' اس کے ذہن میں سوال بن کر ابھرا۔

''یہ میرے ساتھ آج کل کیا ہو رہا ہے؟'' وہ خود سے ہمکلام ہوئی۔

''کیوں ہو رہا ہے میرے ساتھ ایسا؟'' سوال پر سوال اٹھا۔

اسے اندرونی کیفیت میں بدلاؤ اچانک سے محسوس ہونے لگا۔ رات گئے تک نیند کا آنکھوں سے دور رہنا' انجانی وحشت' خاموشی سے گھٹن تو تقریباً اس کے لیے روز رات کا معمول بن گیا تھا مگر آج شام کے ڈھلنے پر تقریباً وہ جھنجھلا اٹھی تھی۔

''کیا مصیبت ہے''۔ اکتاہٹ آمیز لہجے میں گویا خود پر چلائی' ذہن میں اٹھتے سوال خود بخود سر کتے گئے۔ وہ لمحہ ضائع کیے بنا کمرے سے باہر نکل آئی۔ زہرہ شاہ لاؤنج میں بیٹھی تھیں سو انہی کے پاس چلی آئی۔

''کیا ہوا..... پریشان لگ رہی ہو؟'' مستبشرہ ان کی گود میں سر رکھ کر پاؤں صوفے پر کرتی لیٹی تو انہوں نے





شفقت سے ہاتھ اس کے بالوں میں پھیر کر استفسار کیا۔

''پتہ نہیں اماں! کچھ سمجھ نہیں آرہی' دل گھبرا رہا ہے''۔

''اللہ خیر...... طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' وہ فکر مند ہوئیں۔

''کچھ دیر پہلے تک تو ٹھیک تھی مگر کمرے میں جاتے ہی دل تنگ ہونے لگتا ہے' رات کو نیند بھی بہت دیر سے آتی ہے''۔ خاصی حد تک تنگ ہونے کے بعد اب وہ زہرہ بیگم کو بتا رہی تھی۔

''کیوں...... آج کل تو تم دوپہر میں بھی نہیں سوتیں''۔

''یہی تو سمجھ نہیں آرہی' اسکول کا کام بھی شام تک ختم کر لیتی ہوں' آج بھی اگر نیند نہ آئی تو سلیپنگ پلز لوں گی''۔

''سلیپنگ پلز لینے کی ضرورت نہیں ہے' خوامخواہ کی عادت بن جائے گی' لیٹنے کے بعد آیات اور درود وغیرہ پڑھا کرو' پرسکون نیند آتی ہے''۔ زہرہ شاہ نے اسے منع کرتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔ اب انہیں کیا کہتی کہ پرسکون نیند تو دور کی بات وہ تو آج کل محض نیند کے لیے بھی ترستی ہے اور کروٹ پہ کروٹ بدلتی ہے۔

''تم یہاں لیٹو میں کھانے کا بندوبست کرتی ہوں''۔ وہ بولیں تو مبشرہ نے سر ان کی گود سے ہٹایا اور خود اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ کچن کی طرف جانے لگیں' مبشرہ نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا اور چینل سرچنگ میں محو ہوئی۔

☆

''پھپھو کیسی ہیں؟ کہاں ہیں؟'' مہ روش' پریشے کے ساتھ شادی کی شاپنگ کے لیے مارکیٹ جانے کے لیے بالکل تیار تھی جب مراد منصور کی کال آگئی تھی۔ وہ پریشے سے ایکسکیوز کرتی اُسے تھوڑی دیر ویٹ کرنے کا کہہ کر کمرے میں چلی آئی اور اس کا حال پوچھنے کے بعد کلثوم بیگم کا پوچھنے لگی۔

''ٹھیک ہیں اور کمرے میں ہیں' ویسے تمہیں ان کی بڑی فکر ہے''۔ بتاتے ہوئے وہ نارمل لہجے میں بولا۔

''ہاں...... کیونکہ وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں''۔ ماہی سچائی سے بولی۔

''اوہو......'' وہ مسکرایا۔ یہ تو بھی جانتے تھے کہ ماہی شروع سے کلثوم پھپھو سے بہت اٹیچ تھی۔

''کوئی شک؟'' مراد کے مسکرانے پر پوچھا۔

''آں ہاں...... میری ایسی مجال کہاں' اچھا بتاؤ میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟'' مراد نے بحث کے ہتھیار اٹھانے سے گریز کرتے ہوئے سہولت سے پوچھا۔

''اچھے''۔ ماہی نے مختصر سا جواب عشق کے سمندر میں بھگو کر دیا جس کی ٹھنڈک کو اس نے واضح محسوس کیا۔

''ہوں اچھے...... صرف اچھا''۔ پھر دلچسپ انداز اپنایا۔

''سب سے اچھے''۔ مہ روش نے اعتراف میں سیکنڈ بھی نہ لگایا۔

''اور...... مجھ سے محبت کتنی کرتی ہو ماہی؟'' مطمئن سے لب و لہجے میں ٹھہرا ہوا ایک اور سوال وہ پوچھنے لگا۔

''بہت زیادہ''۔ ہونٹوں کی جنبش نے ان دو چاہت سے لبریز لفظوں کی ادائیگی کی۔

''کتنی زیادہ؟'' سنجیدگی سے برجستہ پوچھتا وہ گویا بھویں سکیڑ کر ماہی کے اگلے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ توقف کے لیے مہ روش نے پُرسوچ انداز اپنایا۔

''خود سے بھی زیادہ''۔ پھر متبسم آواز میں کہا۔ الفاظ مبالغہ آرائی سے پاک تھے۔ مراد کی سماعتیں متوقع جواب پا کر شانت سی تھیں۔

''مراد! آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' جبھی مہ روش نے استفسار کیا۔

''ہاں پوچھو!''

''آپ بار بار کیوں پوچھتے ہیں؟''

''کیا تمہیں اعتراض ہے؟'' مہ روش کے سوال پر وہ حیران ہوا۔

''نہیں...... مگر کیا آپ کو میرا اعتبار نہیں؟'' نرم لہجے میں استفسار کرتی وہ مراد کو بہت معصوم نادان لگی تھی۔

''خود سے بھی زیادہ ہے''۔ سوٹھوس لہجے میں اسے وثوق دلایا۔

''پھر کیوں پوچھتے ہیں؟'' مہ روش نے اپنا سوال دہرایا۔

''اس لیے کہ تم صرف میری ہو اور میں بار بار یہ سننا پسند کروں گا کہ تم بھی مجھے صرف اپنا سمجھتی ہو' میں بھی تمہارے لیے اتنا ہی اہم ہوں جتنا کہ تم میرے لیے اہم ہو' جسم [illegible] ح میں ہمارے رشتے کی مٹھاس کو محسوس کرنا چاہتا ہوں' سانسوں میں اتارنا چاہتا ہوں' تمہاری ہر بار [illegible] میں [illegible] ہر ہر لمحہ تمہارے دل میں بسنا چاہتا ہوں''۔ وہ نہایت جذب سے لفظ لفظ [illegible] کر رہا تھا۔ مراد کے [illegible] کا خوبصورت جال مہ روش کی سماعتوں میں چاشنی گھولنے لگا۔ وہ خود کو خوش قسمت [illegible] گویا ہواؤں میں رقص کرنے لگی۔

''میرے دل میں آپ بس چکے ہیں مراد!'' وہ آہستگی سے کہتی مراد منصور کے جذبات اور محبت کو معتبر کر گئی۔

''مان لیا اور تمہارے اقرار سے زندگی کا مقصد پورا ہو گیا''۔ خوشدلی سے مسکراتے ہوئے آخر میں وہ عجب لہجہ و پُرسوچ انداز میں بولا۔ دوسری طرف ماہی کچھ کہنے کے لیے لب جنبش میں لانے ہی والی تھی جب کمرے کا دروازہ کھول کے پریشے اندر آئی' ماہی نے فوراً لب [illegible]

''آپی پلیز...... باقی باتیں بعد میں کر لینا' ابھی چلیں' اتنی زیادہ شاپنگ کرنی ہے اور آج صرف دو گھنٹے ہی ہوں گے ہمارے پاس' کتنا وقت آپ کی باتوں میں نکل گیا ہے' ابو کا فرمان ہے کہ شام سے پہلے واپس آنا ہے''۔ پریشے عجلت میں بھی خاصی تفصیل سے بولی۔

''سوری!'' مہ روش نے فوراً پریشے سے معذرت کی کہ واقعی باتوں میں کافی وقت نکل گیا تھا' موبائل کان سے ہٹا کر بولی۔

''اچھا جلدی کریں''۔ پریشے بولی۔

''او کے تم باہر جاؤ میں دو منٹ میں آئی''۔ مہ روش نے کہا تو وہ واپس پلٹ گئی' اس کے جاتے ہی دوبارہ سے موبائل کان سے لگایا۔

''کون تھا؟'' مراد نے اس کے ہیلو کہتے ہی پوچھا۔

''پریشے تھی...... ابھی ہم دونوں مارکیٹ جا رہے ہیں' شام سے پہلے واپس آنا ہوتا ہے سو آپ سے بعد میں بات کروں گی''۔ اسے بتایا۔

''او کے اللہ حافظ''۔ مراد نے الوداعی کلمات ادا کیے۔

''اللہ حافظ!'' مہ روش موبائل رکھ کر فوراً سے باہر کو لپکی۔ پریشے اسی کے انتظار [illegible] کے آ[illegible] جانے کو تیار ہوئی۔

کئی دکانوں کے چکر کاٹنے کے بعد دو گھنٹے میں جتنی ممکنہ شاپنگ ہو سکتی تھی انہوں نے کی۔ پریشے نے اپنے لیے فینسی ڈریسز و سینڈلز وغیرہ لیے۔ ماہی نے جیولری و تحفہ [illegible] اپنے لیے پسند کی' خریدی اور واپسی کی راہ لی۔ گھر آ کر دونوں

نے پھر سے تمام چیزوں وسوٹس وغیرہ کو پھر سے تفصیلی دیکھا۔ ریحانہ خالہ اور ان کی بیٹیاں بھی آئی ہوئی تھیں، سو کافی دیر تک کپڑوں، دیگر شاپنگ اور شادی سے متعلق محفل گفتگو جاری رہی۔ پریشے نے زبردست سی چائے سب کو پیش کی۔ اتنے میں مہ روش کسی کام سے اپنے کمرے میں آئی تھی، پہلی نظر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑے موبائل پر گئی جو اُسی وقت روشن ہوا تھا۔ مہ روش نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا تو اسکرین پر مراد منصور کا نام اپنی پوری شان کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ وہ کچھ حیران ہوئی کہ چار پانچ گھنٹے پہلے ہی تو بات ہوئی تھی اور اب پھر سے کال آ رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے سر جھٹک کر یس کا بٹن پریس کیا اور موبائل کان سے لگایا۔

''میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''نہیں تو!''

''شاپنگ کیسی رہی؟ تھک گئی ہو گی''۔ عام سے انداز میں پوچھنے لگا۔

''شاپنگ زبردست رہی البتہ جو ذرا سی تھکاوٹ تھی وہ اب اُتر چکی ہے، ابھی پریشے کے ہاتھ کی بنی گرما گرم چائے پی کر آ رہی ہوں''۔ کہتے ہوئے شاپنگ سے متعلق تمام تفصیل اس کے پوچھنے پر بتائی، تو وہ ہاں ہوں کے بعد بات بدل کر بولا۔

''اب موبائل پر یہ ہماری آخری گفتگو ہے''۔

''کیوں!'' بے ساختہ وہ پوچھ گئی۔

''کیونکہ باقی ساری باتیں اب شادی کے دن کریں گے''۔ وہ بتانے لگا۔

''جیسے آپ کی مرضی''۔ ماہی نے فوراً کہا کہ اب اس کے علاوہ کیا کہتی، ورنہ دل چاہ تو نہیں رہا تھا۔

''ماہی! میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز بھی ہے''۔ مراد توقف کے بعد یاد آنے پر بولا یا شاید شام سے پہلے والی گفتگو کے دوران والی سوچ اب بھی ذہن میں آئی تھی۔

''کیسا سرپرائز؟''

''ایسا سرپرائز کے جس کے ملتے ہی تم سرپرائزڈ ہو جاؤ گی''۔ مراد کے لہجے میں کچھ بہت خاص تھا، ماہی کو جاننے کی جلدی ہوئی۔ سرپرائز اسے بہت پسند تھے شروع سے۔

''پھر جلدی سے بتائیں''۔

''نہیں ابھی نہیں، یہ سرپرائز میں نے خاص شادی کے دن کے لیے تمہیں دینا ہے، تمہیں جاننے کے لیے تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا''۔

''ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی''۔ بہت اچھے کی امید کے ساتھ وہ بولی۔

''انتظار کے ساتھ مجھے بھی یاد رکھنا''۔ وہ شوخ ہوا۔ مراد کی بات پر مہ روش جھینپی سو کچھ نہ بولی۔

''اپنا بہت سا خیال رکھنا، اب شادی کے بعد ہی تفصیلی بات ہو گی''۔ اجازت سے قبل مراد نے پیار بھری تاکید کی۔

''آپ بھی اپنا خیال رکھنا''۔ وہ اُسی کے انداز میں بولی۔

''ماہی! ویٹ، فون رکھنے سے پہلے مجھے تم سے کچھ کہنا ہے''۔

''کیا؟'' وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

''Love you so much'' آہستگی مگر چاہت سے بھرپور آواز میں پیار کا رس اس کے کان میں گھولتے

ہوئے مراد منصور نے رابطہ منقطع کر دیا۔

مہ روش کے لبوں پر البتہ مسکراہٹ احاطہ کر چکی تھی۔ فون رکھ کر انبساط سے گنگناتی جاگتی آنکھوں میں ڈھیروں سپنے سجاتی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

☆

''تم یہ سوپ پی لو''۔ ساجدہ گیلانی نے سوپ کا پیالہ اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''مما! دل نہیں چاہ رہا''۔ علی نے لیٹے سے اٹھتے ہوئے بیٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی۔

''یہ کیا بات ہوئی''۔ وہ چونکیں پھر اضافے کے ساتھ بولیں۔

''دل نہیں چاہ رہا تو بھی زبردستی پیو، تمہاری صحت کے لیے بے حد ضروری ہے''۔ لہجے میں فکر و ممتا بھرا تحکم بھی تھا، وہ پھیکی ہنسی مسکرایا۔

''میری صحت اب بالکل ٹھیک ہے مما!''

''خاک ٹھیک ہے، دو ہفتوں سے کمرے میں بند ہو، بیڈ پر ایسے لیٹے ہو کہ ایک دفعہ بھی باہر نہیں نکلے، ہمیں ہی تمہاری طرف آنا پڑتا ہے''۔ وہ کہنے کے ساتھ اس کے کمپیوٹر اور ٹیبل کی ڈسٹنگ کرنے لگیں۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ویسے بھی میں کچھ زیادہ ہی سست ہو گیا ہوں، ذہنی تھکاوٹ کے ساتھ بیڈ پر مسلسل لیٹنے سے جسمانی تھکن بھی بڑھتی جا رہی ہے اب مگر کیا کروں فرار کی کوئی دوسری راہ بھی تو نظر نہیں آتی''۔ وہ یکدم سنجیدہ ہوا۔ ساجدہ گیلانی نے ایک نظر اسے دیکھا پھر گویا ضبط کرتیں دوسری جانب متوجہ ہوئیں۔

''الجھنیں فرار سے نہیں سلجھائی جاتیں علی! نہ آنکھیں بند کر دینے سے مسئلے حل ہوتے ہیں''۔ کتابیں ریک پر رکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھیں۔

''پر کاش کہ آنکھیں بند کر لینے سے مسائل کا حل مل جاتا!'' جواباً وہ ایک آس کے ساتھ دل میں آہ لے کر رہ گیا۔

''زندگی جدوجہد کا نام ہے۔ معمولی دھچکا، دھوکا، فریب یا کوئی ناکامی سانسوں کی روانی کو حدود میں قید نہیں کر سکتی نہ رونے سے دل کے داغ اجلے ہوتے ہیں۔ ماں باپ بھی اولاد کی زندگی پر تھوڑا سا حق رکھتے ہیں، کسی ایک لڑکی کے عمل سے تمہارا دل ضرور دکھا ہے، ہم تمہاری کیفیت کا اندازہ کر سکتے ہیں مگر تمہاری بے بسی و زندگی سے دل اچاٹ ہونے کی باتوں سے ہماری روح گھائل ہوتی ہے''۔ ساجدہ گیلانی ابھی تک بیٹے کا رونا نہیں بھول سکی تھیں، آزردہ سی بولیں۔ علی کے فسانے کی یہی حقیقت تھی، ماں کی بات پر وہ شرمندہ سا ہوا۔

''میں جانتا ہوں مما! اینڈ آئی ایم وریی سوری...... میری وجہ سے آپ پریشان ہیں''۔ وہ بیڈ سے اتر کر ان کے قریب چلا آیا۔ انہوں نے پلٹ کر اس کے گال تھپتھپائے۔

''ہمارے لیے پہلے جیسے بن جاؤ علی!'' انہوں نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''مجھے تھوڑا وقت چاہیے''۔ اثبات میں سر ہلاتا وہ بولا۔

''ضرور بیٹا!'' وہ ہولے سے مسکرائیں۔ علی آیان نے خود کو ریلیکس فیل کیا۔

''اچھا چلیں باہر چلتے ہیں کھلی فضا میں پہلے جیسا بننا کم از کم کمرے میں ممکن نہیں ہے''۔ اس نے بات بدلی۔

دو ماہ ہونے والے تھے اسے مہ ستارہ بھال کی یاد میں خوار ہوتے ہوئے اور پچھلے کئی ہفتوں سے کمرے میں قید رہ کر افسوس کے علاوہ اس نے کچھ سے سوچا تھا۔ بیشک دل کے ساتھ رونما حادثہ ناقابل برداشت تھا مگر بہت سی

سوچوں میں ایک سوچ ایسی تھی جس پر عمل کرنے کے لیے وہ مجبور ہوا تھا اور وہ سوچ ماں باپ کے سامنے صدمے کے اثر سے آزاد رہنے کی تھی۔ اس کے ساتھ جو ہوا وہ عمر بھر کا روگ تھا' مگر اپنی وجہ سے ماں باپ کو پریشان دیکھ کر وہ گھر کے ماحول اور فضا کو ٹینس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اپنی سوگواری میں ان دونوں کو نہیں تڑپا سکتا تھا۔ سوچ پر عمل کا فیصلہ ماں باپ کی محبتوں کا خراج تھا۔

''ہاں یہ بات تو ہے...... آؤ میرے ساتھ اور میں حسن سے بھی پوچھ لوں فون کر کے کہ انہوں نے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لی ہے کہ نہیں''۔ وہ علی کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے بولیں۔

''کس لیے؟'' وہ ناسمجھی میں پوچھنے لگا۔

''تمہارا چیک اپ کروانا ہے''۔ مختصراً بتایا۔

''اوہ مما! ریئلی میں بالکل ٹھیک ہوں اب''۔ بخار کا اثر مکمل طور پر زائل ہو چکا تھا سو قدرے متعجب انداز اپنا کر وہ گویا انہیں یقین دلانے لگا۔

''ہاں پر میں اپنے اطمینان کیلئے کروانا چاہ رہی ہوں' تمہیں چپ رہ کر اچھے بچوں کی طرح جانا ہوگا''۔ انہوں نے ممتا بھرا حکم صادر کیا۔

''Ok as you wish''۔ علی نے مزید جرح نہ کی اور اثبات میں سر ہلا کر ان کی تقلید میں چلنے لگا۔

☆

ایک اور بے سکون نیند کو ترساتی ہوئی رات اسے نامانوس سی وحشتوں سے خوف دلاتی' سوالوں میں الجھاتی گزر گئی تھی۔ رات کو اماں کے منع کرنے کے باوجود بھی اس نے سلیپنگ پلز لی تھیں جن کا اتنا اثر ہوا تھا کہ وہ دو بجے کے بجائے 12 بجے تک سو گئی تھی مگر 12 بجے سے پہلے تک آنکھوں کی چبھن اور معمول بنتی بے سکونی کسی اذیت سے کم نہ تھی۔

صبح بستر سے اترتے ہوئے اسے عضلات تھکاوٹ سے ٹوٹتے محسوس ہوئے تھے' اعصاب بھی شل ہوئے جا رہے تھے۔ انگڑائی لیتی ہمت کر کے بیڈ سے نیچے اتری اور پاؤں میں سلیپر پہنے پھر ہاتھ بڑھا کر کیچر اٹھایا اور بالوں کو اس میں قید کیا' اور واش روم کا رخ کیا۔ ذہن پر چھائی سستی اور بجھے ہوئے چہرے کو فریش کرنے کے لیے شاور لے کر کچھ ہی دیر میں باہر نکلی۔ اسکول کے لیے رات کو سلیکٹ کیا ہوا سوٹ پہن کر آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اور گنجلک بال سلجھانے لگی۔ اسکول کے لیے مکمل تیاری کے بعد ناشتے کے لیے باہر نکلی۔

پچھلے ایک مہینے سے وہ تقریباً روزانہ ہی تینوں دوستوں سے بات کرنے کا سوچتی اور پھر سوچ کر ہی رہ جاتی۔ اپنی یہ سستی اور روزانہ کی ڈھیل ڈھال بھی اس کے لیے حیران کن تھی کہ اسٹڈیز کے دوران جب بھی وہ اسلام آباد سے ملتان آتی تو ان دو تین دنوں میں ایک مرتبہ تو ضرور تینوں سے بات کرتی اور اب اسلام آباد سے واپس آئے اسے دو ماہ ہونے کو تھے اور وہ چاہنے کے باوجود ایک بار بھی تینوں میں سے کسی ایک سے بھی بات نہیں کر سکی تھی۔ آج کل صبح اسکول جاتی' شام کو اماں اور بابا جان کے پاس بیٹھتی' احسان کا آتا تو اس سے بات وغیرہ کر لیتی' کبھی مشارب ملنے آ جاتا تو کبھی فلک کی کال اسے مصروف کر دیتی اور اپنی آزمائش لیے روزانہ اس کے سامنے آتی جو اس کے صبر کا امتحان لیتی' اسے تھکا سی دیتی...... ایسے میں بس افسوس کرتی رہ جاتی۔

ناشتے کے بعد وہ اسکول کے لیے نکلی' بریک تک کی ساری کلاسیں پوری دلجمعی سے لیں' کلاس اوور ہوئی تو

بریک کی خوشی میں گراؤنڈ اور کینٹین کی طرف لپکے جبکہ پرس کندھے سے لٹکائے فائل سنبھالتی وہ کوریڈور سے گزرتی ہوئے اسٹاف روم کی طرف بڑھی تو اسٹاف روم میں قدم رکھنے سے پہلے باتوں و مبارکباد کا شور سماعتوں سے ٹکرایا' وہ آہستگی سے اندر داخل ہوئی۔

''او مبشرہ! تم بھی منہ میٹھا کرو''۔ اس کی کولیگ ماریہ نے اسے بلاتے ہوئے مٹھائی کا ڈبہ اس کے سامنے کیا۔

''کس کی خوشی میں؟ اور یہ مبارکباد کا شور کیسا تھا؟'' فائل ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے مٹھائی اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے استفسار کیا۔

''ارم کی انگیجمنٹ کی خوشی میں''۔ ماریہ نے بتایا۔ ارم کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ بہت گہری تھی' مبشرہ اس کی جانب مڑی۔

''مبارک ہو ارم!''

''تھینک یو!'' وہ بولی۔

''اور جانتی ہو مبشرہ! ارم اور فہیم بھائی کی لو انگیجمنٹ ہے' دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں''۔ ماریہ اسے انفارم کر رہی تھی۔

''اوہ واؤ دیٹس گریٹ...... پھر تو ارم تم بہت خوش ہوگی''۔ مبشرہ کو جان کر اچھا لگا۔

''ہاں جی بہت زیادہ''۔ ارم کے کھنکتے لہجے میں اس کی خوشی کا اندازہ ہو رہا تھا۔

''مبشرہ! تمہاری انگیجمنٹ ہو چکی ہے؟'' ماریہ نے بات بدل کر اس سے پوچھا۔

''نہیں''۔ چیئر سنبھالتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں؟''

''آئی ڈونٹ نو...... جب وقت آئے گا ہو جائے گی''۔ مبشرہ نے ماریہ کی ''کیوں'' کا سہولت سے جواب دیا۔

''اچھا تم نے کبھی کسی سے محبت کی؟'' ارم نے بھی پُر اشتیاق انداز میں پوچھا۔

''نہیں''۔ ارم کے سوال پر مبشرہ اول تو چونکی پھر مختصراً کہا۔

''کیوں؟'' جس پر پھر سے ماریہ کی طرف سے ''کیوں'' کی آواز آئی۔

''کبھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں''۔ کندھے اچکا کر وجہ بتائی۔

''محبت سوچ کر تو نہیں کی جاتی''۔ ارم اس کی بات و انداز پر حیرانگی ظاہر کرنے لگی۔

''ہاں یہ بھی ہے لیکن میرے ساتھ فی الحال یہ سانحہ نہیں ہوا''۔ وہ نارمل بولی مگر شاید وہ انجان تھی' اپنی کیفیت سے بے خبر تھی۔ سانحہ محبت بتا کر تو ہرگز بھی نہیں ہوتا۔

''چلو مان لیا مگر کسی کو تو تم سے محبت ضرور ہوئی ہوگی''۔ ارم نے بات کا رخ بدلتے ہوئے نہایت پُر وثوق انداز میں کہا کہ گویا شک کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ مبشرہ نے سرعت سے اس کی طرف چونکتی نظروں سے دیکھا تھا' اندر ہلچل سی جو مچی تھی۔

مجھ سے......'' اور حیرتوں کے سمندر میں ڈوبا سوال اگلے ہی لمحے اس کی زبان سے ادا ہوا تھا۔ ذہن میں ایک سرسراہٹ سی دوڑی تھی' آنکھیں ذرا سی دھندلائی تھیں' دو ماہ بعد ایک چہرہ ہلکی سی جھلک اس کو دکھلا گیا تھا مگر وہ سر جھٹک کر مکمل ہوش سنبھال گئی تھی۔

''ہاں تم سے......'' ارم نے اپنے سوال پر زور دیا۔

''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''کیونکہ تم ہو ہی اتنی خوبصورت کہ کوئی بھی حسن پرور تم سے محبت کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے اور تمہاری کالی آنکھیں جھیل سا گہرا پن لئے جب گھنگھور پلکوں کو اٹھاتی ہیں تو یقین جانو عجب طلسم پھیلتا ہے' تمہاری آنکھیں' بہت پرکشش ہیں' کسی کو بھی اپنی طرف باآسانی کھینچ سکتی ہیں''۔ ارم بغور اسے دیکھتی مبالغہ آرائی سے پاک' دل کی بات اس سے کہہ رہی تھی اور حقیقتاً اسے مستبشرہ بہت اچھی لگتی تھی خصوصاً اس کی کالی گہری آنکھیں جس کا ذکر وہ ایک دو مرتبہ پہلے بھی اس کے سامنے کر چکی تھی۔ مگر آج...... مستبشرہ جمال کی وہی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ ارم کا ایک جملہ اسے بہت جانا پہچانا لگ رہا تھا' سماعتوں کے بہت قریب کچھ ماہ پرانی بازگشت اسے سنائی دے رہی تھی بالکل غیر متوقع طور پر۔ گنگ ہوتی زبان کے ساتھ جیسے اسے دماغ میں ہتھوڑے پڑتے محسوس ہوئے تھے۔ بہت مانوس سی آواز اسے سنائی دینے لگی تھی' بہت واضح طور پر وہ سن رہی تھی۔

''تم پر ہر چیز سوٹ کرتی ہے مستبشرہ! خاص کر تمہاری کالی آنکھیں جھیل سا گہرا پن لیے جب گھنگھور پلکوں کو اٹھاتی ہیں تو میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہو جاتی ہیں''۔ یہ بات' یہ لہجہ تو وہ بھول گئی تھی پھر آج کیوں......؟ دو ماہ بعد یہ تعاقب کیسا تھا۔ اس لمحے سے قبل اس نے ایک پل بھی ایسی کسی بات کو نہیں سوچا تھا۔

''تمہیں تو کوئی بھی اپنی زندگی میں بخوشی شامل کرنا چاہے گا''۔ ارم اس کی کیفیت کو نوٹ کیے بنا مزید کہہ رہی تھی۔ مستبشرہ اسے سنتی شدید ذہنی انتشار کا شکار ہوئی تھی۔

محبت و زندگی کی باتیں...... اس کی یادداشت پیچھے جانے لگی۔

''تم میری زندگی ہو مستبشرہ!'' کسی کا چاہت بھرا سچائی سے لبریز انداز پھر سے اسے سنائی دیا تھا۔ دو ماہ بعد وہ یکدم بالکل غیر ارادی طور پر پیچھے گئی تھی۔

''کہاں کھو گئی ہو؟'' ماریہ جو اسے حواس باختہ ہوتا دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلانے لگی۔

''مجھے اب یقین ہو گیا ہے کہ کوئی ایسا ضرور ہے' جس کی وجہ سے تم یوں گم صم ہوئی ہو۔ کون ہے وہ؟ تم نے ہمیں بتایا نہیں''۔ جبکہ ارم نے خود ہی اپنے قیاس پر اس کی پُرسوچ' تعجب زدہ حالت کو دیکھ کر یقین کی مہر لگا کر دوستانہ انداز میں کہا تھا۔

''وہ کوئی نہیں ہے''۔ مستبشرہ نے فوراً نفی میں سر ہلا کر ہوش سنبھالنے چاہے۔

''کوئی تو ہوگا جس نے کبھی نہ کبھی تم سے اپنے دل کی بات کی ہوگی''۔ ارم کہنے اور سننے کے لیے بضد طویل بحث کے موڈ میں تھی۔ مستبشرہ کا ذہن چکرانے لگا۔

''علی آیان حسن گیلانی!'' روانی میں اس کا نام دل میں لیتی وہ بالآخر اتنے عرصے بعد اسے یاد کر گئی۔ ارم اور ماریہ بغور اسے دیکھ رہی تھیں' اس کے چہرے کے بدلتے رنگ و تاثرات پر ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''تم میرے لیے اتنی اہم ہو جتنا کہ جسم کے لیے روح......'' پھر ایک اور چاہت کا رس گھولتا جملہ سرگوشی کی صورت میں اسے سنائی دے رہا تھا۔ علی کی آواز مسلسل اسے سننے میں آ رہی تھی اور سنبھلنے کے باوجود یہ بات اس کے لیے نہایت عجیب و غریب تھی۔

''بتاؤ نا مستبشرہ!'' ماریہ بولی۔

''ایسا کوئی نہیں ہے''۔ وہ یکدم مشتعل ہو کر گویا چیخ سے اٹھی' پھر انہیں بولنے کا موقع دیے بنا مزید بولی۔

''تم دونوں باتیں کرو' میری کلاس ہے' بعد میں ملتے ہیں''۔ پھر سرعت سے اسٹاف روم سے باہر نکل آئی۔

عجب ہوتی کیفیت' منتشر دھڑکنوں اور اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ اس کے قدم کلاس کے بجائے اسکول کے سنسان گوشے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ارم اور ماریہ کی باتیں بالکل غیر ارادی طور پر اسے اُس شخص کی یاد دلا گئی تھیں جس نے کبھی اس سے اپنے دل کی بات کی تھی' مستبشرہ کو ٹوٹ کر چاہا تھا' اپنی زندگی کہا تھا' اس کے بنا مرنے کی بات کی تھی' جسے وہ ایک وعدے کے لیے ٹھکرا آئی تھی۔

دو ماہ پہلے وہ اس شخص کو ایک وعدے کی خاطر نارسائی کی اذیت ناک دلدل میں دھکیل آئی تھی جسے اس نے یاد نہ کرنے کی قسم کھائی تھی جسے وہ مکمل طور پر بھول بھی گئی تھی۔

مگر آج......؟ وہ بھول' بھول کیوں نہ رہی......؟ کیوں اچانک وہ اس کے تصور میں جاگ اٹھا تھا۔

بہت سے سوال اس کے ذہن میں گردش کرنے لگے' اسکول کی ملازمہ کے توسط سے اس نے کلاس نہ لینے کا پیغام بھیجا۔ اس کی جگہ دوسری ٹیچر کلاس لینے چلی گئی تھی۔ ایک کونے میں لگے بینچ پر بیٹھ کر وہ مسلسل سر جھٹکنے لگی' لیکن سوچوں میں گویا علی کی یادوں کا آسیب گھس آیا تھا جو وہ الجھنے لگی۔ لاشعوری طور پر علی کی کہی ایک ایک بات' اس کا انداز اسے یاد آنے لگا' اس کے اندر وحشت سی پھیلنے لگی' چہرے کے تاثرات بھی بدلنے لگے۔

''میں کیوں علی کو سوچ رہی ہوں؟'' وہ محو حیرت خود سے پوچھ رہی تھی' مگر بے کار...... اس لمحے کوئی جواب اسے موصول نہ ہوا' البتہ ذہن میں خیالات کا تسلسل جاری تھا۔ علی کا ہنسنا' مسکرانا سب اسے یاد آ رہا تھا' اس کی دیوانگی وہ محسوس کر رہی تھی۔

لیکن کیوں کر رہی تھی......؟ اور کیوں چاہتے ہوئے بھی چھٹکارہ نہیں پا رہی تھی۔

''کیوں......؟'' ہزاروں کیوں جواب طلب تھے اور فی الحال کسی کیوں کا کوئی جواب وہ خود کو نہ دے پا رہی تھی' نہ اسے کوئی جواب مل رہا تھا۔ چھٹی تک کا وقت اس نے بہت بے چینی میں گزارا۔ گھر واپسی کے سفر میں اسے عمر سے ملاقات بھی یاد آئی جب اس نے علی کی طرف سے اسے ایک لفافہ دیا تھا جسے اس نے ابھی تک یاد نہ آنے کی وجہ سے نہیں کھول کے دیکھا تھا' پر اب یاد آنے کے بعد وہ فوراً اسے کھول کر دیکھنے کی خواہش مند ہوئی' کچھ فطری تجسس بھی جاگا۔

''اس نے کیوں بھیجا ہوگا؟ اس میں کیا لکھا ہوگا؟'' وہ خود سے مخاطب تھی۔

''ایسی کیا بات خاص تھی کہ وہ کہے بنا رہ نہ سکا؟''

وہ جلدی سے گھر پہنچنا چاہ رہی تھی۔ اندر پھیلتی بے چینی میں اضافہ ہی ہوا جا رہا تھا۔ گاڑی حویلی کی دہلیز میں داخل ہوئی تو وہ فوراً اس سے پہلے باہر نکلی اور اندر کو لپکی۔ زہرہ بیگم نے اسے عجلت میں دیکھ کر وجہ پوچھی تو اس نے سر درد کا بہانہ بنایا۔ انہوں نے کھانے کو پوچھا تو انکار کر گئی کہ اسکول میں کھا لیا تھا اور انہیں ڈسٹرب نہ کرنے کا کہہ کر کمرے میں چلی آئی اور دروازہ لاک کیا۔ پرس دور سے ہی صوفے پر پھینکتے ہوئے الماری کی طرف بڑھی' بیگ نکالا اور بیڈ پر چلی آئی۔ بیٹھتے ہی زپ کھولی اور متلاشی نگاہوں کے ساتھ تیز تیز ہاتھ چلانے لگی' ہاتھ میں کاغذ آیا نکالا اور دیکھا۔ اس پر چند دوستوں کے کانٹیکٹ نمبرز لکھے تھے' اس نے انہیں سائیڈ پر کیا اور دوبارہ سے ہاتھ حرکت میں لائی' جیسی مطلوبہ پیکٹ ہاتھ لگا تو بیگ ہٹاتے ہوئے سرعت سے اسے کھولا تو سب سے پہلے لاکٹ اس کی گود میں گرا تھا۔

وہی لاکٹ جو علی نے خاص اس کے لیے بنوایا تھا' جس پر بڑی محبتوں سے اس نے MA لکھوایا تھا جسے بنا کر

گویا اس نے ساری عمر کے لیے مستبشرہ کو اپنے نام کرلیا تھا۔

وہی لاکٹ...... جسے مستبشرہ نے بڑی بے دردی سے اسے واپس لوٹا کر جانے انجانے میں اس کی سانسوں کو روکنے کی کوشش کی تھی' جسے واپس لیتے ہوئے علی آیان کو اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا تھا۔

مستبشرہ نے لاکٹ ہاتھ میں لیا اور تہہ شدہ کاغذ کھول کر پڑھنے لگی۔

''میں نہیں جانتا کہ اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی مجھے تمہیں یہ سب لکھنا چاہیے بھی کہ نہیں...... اگر نہ لکھا تو اپنا درد برداشت نہیں کرسکوں گا اور اگر لکھ ڈالا تو ڈر ہے' کہیں نہ کہیں تم سے بھی برداشت کرنا مشکل نہ ہو؟ تمہاری سوچ کیا تھی؟ تم نے میرے ساتھ فریب کیوں کیا؟ تمہیں میری محبت کیوں اپنے حق میں قائل نہ کرسکی؟ میں ان سب کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا کہ اب سب کہنا بے کار ہے۔ مگر تم ہی بتاؤ مستبشرہ! کہ میں اپنے دل کا کیا کروں جس میں تم بسی ہو اور پتہ نہیں کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارا سارا غرور ٹوٹے' اس لیے نہیں کہ تمہیں تمہارے کیے کی سزا ملے بلکہ اس لیے کہ تم مجھے سوچو' مجھے یاد کرو۔ اسے دعا کہوں کہ بددعا...... میں چاہوں گا کہ تم ساری عمر میرے متعلق سوچو' تمہیں اپنے عمل کی سنگینی کا اندازہ ہو' ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ تم پچھتاؤ ضرور' میری سچائی کو سچائی جانو اور مجھے دیئے دھوکے کے ناحق ہونے کو تسلیم کرو۔

تمہارے واضح جواب کے بعد میری کیا کیفیت ہے یا آگے کیا ہوگی یہ تو میں نے قسمت پر چھوڑ دیا ہے۔ اب میرے قدم پیچھے ہٹ جائیں گے یا اس نہج پر پہنچ جائیں گے کہ کبھی واپس آ ہی نہ سکیں' نہ واپسی کا سوچ سکیں۔ تم نے کہا تھا کہ تم ماضی کو بھول کر مستقبل کی سوچ کے ساتھ حال میں جینے کی عادی ہو تو میں چاہوں گا مستبشرہ جمال! کہ مجھ سے جڑا ماضی تم کبھی نہ بھولو' اپنے مستقبل میں مجھے سوچو اور اپنے حال میں مجھے محسوس کرو' یہ تمہارے لیے میری بددعا ہیں بلکہ میرے خود کے لیے دعا ہے میں تمہاری روح تک رسائی چاہتا ہوں۔ اور...... یہ لاکٹ پھر سے تمہیں دے رہا ہوں تمہارا کہا غلط کرنے کے لیے' تم نے کہا تھا کہ تم اس جنم میں کبھی مجھ سے محبت نہیں کرسکتیں' میں اس لاکٹ کو پھینک دوں...... نہیں مستبشرہ! تمہارا یہ مان ضرور ٹوٹے گا' یہ لاکٹ تمہیں مجبور کرے گا تم خود اعتراف کروگی کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ میرے بے ریا جذبات' یہ لاکٹ گواہ ہوں گے کہ مستبشرہ صرف علی کی ہے...... تم مانو نہ مانو تمہیں ایک دن ماننا پڑے گا' میری محبت میں اپنی شکست کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

زندگی میں ہم کبھی دوبارہ ملیں نہ ملیں مان لو......

ہم یاد تمہیں آئیں گے۔

فقط تمہارا علی آیان حسن گیلانی'

مستبشرہ نے ایک تسلسل میں سارا خط پڑھا تو دماغ کی رگیں تنی ہوئی محسوس ہوئیں' اس کا ازلی غصہ لمحوں میں عروج کو پہنچا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اسے علی کی ذات سے چڑ ہوئی' اس کا خط بہت گھٹیا لگا۔

''وہاٹ ربش!'' دانت چبا کر چلاتے ہوئے اگلے سیکنڈ کے ہزارویں لمحے سے پہلے اس نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کے پرزے کرکے دور پھینکے اور انگلیوں میں لٹکتے لاکٹ کو شدت سے دیوار پر دے مارا تھا اور خود آنکھیں میچ کر غصہ ضبط کرنے کی سعی کرنے لگی۔

☆......☆......☆

شادی تک کا عرصہ بہت جلدی سے گزر رہا تھا۔ مہ روش بہت مطمئن و سرشار تھی۔ تمام کزنز کی چھیڑ چھاڑ سے لطف اندوز ہوتی ان کے بیچ بیٹھی تھی۔ کچھ دیر پہلے معطر اور عدن سے فون پر اس نے بات کی تھی' دونوں بہت خوش تھیں' معطر تو شایان کے ساتھ گھومنے پھرنے کے بعد خاندانی دعوتوں میں مصروف نہ آنے پر معذرت خواہ تھی جبکہ عدن کی تین دن بعد شادی تھی سو نہ آنے کی ٹھوس وجہ پر معذرت کی اور اسے اچھی خوشگوار ازدواجی زندگی کی ڈھیروں دعائیں دیں۔ مستبشرہ تینوں میں سے کسی سے بھی اب تک رابطے میں نہ تھی۔ ماہی کو اس کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

شاہدہ پھپھو اور عائزہ' کلثوم بیگم کے ہاں تھیں' جبکہ ریحانہ خالہ' عندلیب' روحا' شیزا' مہوش' سبین لوگ سعید احمد کے گھر ان کی خوشی میں شریک تھے۔ ہفتے بھر سے گھر میں خوب ہلہ گلہ تھا' تمام لڑکیاں ڈھولکی لیے مہ روش کو گھیرے ایک جگہ جمع کبھی گانے گا رہی تھیں تو کبھی مہ روش کو معنی خیز جملوں سے لاج دلانے میں مصروف تھیں۔ مہ روش' مراد سے متعلق ان سب کے شوخ جملوں پر مسکرائے جا رہی تھی۔ مراد سے اس دن کے بعد تو اس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی مگر اس کی کہی ہر بات وہ ہر پل محسوس کر رہی تھی۔

مہندی' مایوں وغیرہ کی رسم تمام تر شوخیوں' رنگینیوں اور خوشیوں بھرے قہقہوں کے درمیان گزری۔ ہر ایک اپنی مکمل تیاری میں تھا۔ مہ روش کے لیے بھی سب کی نظروں میں ستائش تھی' خوبصورت تو وہ تھی ہی مگر مراد کی محبت کے حسین احساس نے اور نکھار بخشا تھا۔ پریشے سمیت سبھی نے اس کے ساتھ تصویریں بنوائی تھیں۔

اگلی صبح بارات تھی۔ ہال کی بکنگ وغیرہ پہلے سے کرائی گئی تھی۔ تمام افراد موقع کی مناسبت سے تیار شادی ہال میں پہنچ چکے تھے۔ مہ روش' سبین اور عندلیب کے ساتھ پارلر سے آنے والی تھی' معارج انہیں لینے گیا تھا۔ مہمان بھی آ چکے تھے۔ باتوں اور قہقہوں کی آواز ہال کی خوشگوار فضا میں تسلسل سے گونج رہی تھی۔ کلثوم پھپھو کی طرف سے ابھی تک وہاں کوئی نہیں آیا تھا۔ تقریباً اگلے بیس منٹ تک مہ روش کی آمد کا شور گونجا' تمام کزنز اس کے استقبال کو آگے بڑھیں' ڈیپ ریڈ کلر کے لہنگے میں شرمائی لجائی آنکھیں جھکائے' دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی مہ روش ہال کے اندر داخل ہوئی۔ سبین اور عندلیب نے دونوں طرف سے اس کا لہنگا سنبھالا ہوا تھا۔ زیورات و مکمل برائیڈل میک اپ نے مہ روش کو پرکشش بنانے میں کوئی کسر روا نہ رکھی تھی۔ دیکھنے والی ہر آنکھ گویا مجسمہ حسن کے طلسم کا شکار ہوئی تھی۔ مہ روش لگ بھی بہت خوبصورت رہی تھی بالکل حور' اپسرا جیسی۔

''یو آر لکنگ سو بیوٹی فل'' ۔ پریشے نے آگے بڑھ کر ستائشی انداز میں بہن کو سراہا۔ مہ روش نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔ دور کھڑے وقار نے اس کو مسکراتا دیکھ کر اس کی آئندہ زندگی کی خوشیوں کی دعا فوراً مانگی تھی۔

سب کزنز نے مل کر مہ روش کو اسٹیج پر پہنچایا۔ پندرہ بیس منٹ بعد لڑکے والوں کی آمد ہوئی' ہال میں ہلچل سی مچی۔ مراد سمیت سب کا پرتپاک استقبال کیا گیا تھا۔ ہر آنکھ میں خوشی کی لہر تھی' ہر چہرہ مسکرا رہا تھا۔ ادینہ بھی پورے تین سال بعد سب خاندان والوں کے بیچ آج بھائی کی شادی کے موقع پر آئی تھی سو سبھی کی خاص توجہ کا محور بنی۔

''ماموں جان! کیسے ہیں آپ؟'' جواب سعید صاحب کے سینے سے لگی ان کا حال پوچھ رہی تھی' البتہ وقار اس کو ایک نظر دیکھ کر سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے' میری بیٹی کیسی ہے؟'' سعید احمد نے بڑے لاڈ سے پوچھا۔ بھانجی کی محبت سے تین سالہ محرومی و دوری کے بعد آج وہ بے حد خوش ہوئے تھے اس کو سامنے دیکھ کر۔

''بالکل ٹھیک اور بہت خوش'' ۔ وہ خوشی سے گنگنائی۔

''اللہ تمہیں سدا خوش و خرم آباد رکھے'' ۔ سعید احمد نے فوراً دل سے دعا دی۔ وہ تشکر و محبت سے انہیں دیکھتی نفیسہ بیگم سے ملنے لگی۔

کہتے ہوئے اس کا گھونگھٹ نکالنے لگی۔

''گھونگھٹ کی کیا ضرورت ہے ویسے بھی وہ مجھے دیکھ چکے ہیں اسٹیج پر''۔ مہ روش نے قدرے جھینپ کر اسے روکنا چاہا کہ دونوں اجنبی نہ تھے۔

''ارے پگلی ضرورت ہے اسٹیج پر دیکھنے اور گھونگھٹ اٹھا کر دیکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے''۔ ادینہ مسکرائی۔

''کیسا فرق؟'' اس نے ناسمجھی ظاہر کی۔

''یہ تمہیں تھوڑی دیر میں پتہ چل جائے گا اور گھبرانے کی بالکل بھی ضرورت نہیں' اتنا محبت کرنے والا ہمسفر ملا ہے تمہیں' ایزی ہو کر بیٹھو بھابی جان''۔ ادینہ کہتے ہوئے آخر میں شرارت سے بولی اور باہر نکل گئی۔

مہ روش اس کی بات پر شادی گھونگھٹ سیٹ کر کے مراد کی آمد کے انتظار میں بیٹھی۔ ذہن و دل ہر لحاظ سے مطمئن تھے' جذبات و کیفیات بھی پُر سکونی کی شال لپیٹے آپ ہی آپ گنگناتے ہوئے سرمستی میں جھومے جا رہی تھیں۔ محبوب شوہر کی سنگت کا خیال لمحہ لمحہ اسے مسرور کیے دے رہا تھا۔

زندگی کی یہ حسین رات مکمل طور پر اس کے حواس پر چھائے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اسے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی' وہ سنبھل کر سمٹ کر بیٹھی' کان آہٹ کی طرف متوجہ تھے۔ مراد منصور آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو پہلی نظر حجلہ عروسی میں بیٹھی مہ روش پر گئی۔ لب آپ ہی آپ مسکرائے' وہ دروازہ لاک کر کے آگے بڑھا' کمرے کی فضا میں تازہ پھولوں کی مہک اسے سانسوں کے ساتھ شامل ہوتی اندر اترتی محسوس ہوئی' البتہ نظریں ہنوز مہ روش پر لگی ہوئی تھیں' آنکھوں میں عجب سی چمک لیے وہ آگے بڑھ کر بیڈ کے ایک کنارے بیٹھا۔

''السلام وعلیکم!'' اور اسے سلام پیش کیا۔

''وعلیکم السلام!'' جھکے سر کو ہلکی سی جنبش دے کر مہ روش نے مدھم آواز میں جواب دیا۔ لہجے میں فطری جھجک غالب تھی۔

''کیسی ہو؟'' مراد نے نارمل ہو کر پوچھا۔

''ٹھیک ہوں' آپ کیسے ہیں؟'' اس نے بتاتے ہوئے ساتھ ہی پوچھا۔ پہلے کی باتوں سے وہ تھوڑی بہت بے تکلف تو ہو چکی تھی۔

مراد منصور نے اس کے سوال پر پُر سوچ انداز اپنایا' پھر کسی سوچ کے تحت ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔ مہ روش نے پلکوں کی جھالر اٹھا کر سرسری اسے دیکھا تو شرم سے آنکھیں جھکا گئی۔

''مجھے کیسا ہونا چاہیے مہ روش سعید؟'' جبکہ اگلے ہی لمحے مراد منصور کا سوال نہایت دوٹوک و سپاٹ انداز میں اس کی سماعتوں سے ٹکرایا۔ وہ سوال کے انداز پر قدرے حیران ہوئی' مگر ظاہر کیے بنا خاموش رہی۔ یہ جانے بغیر کہ آج مراد منصور بولنے کے موڈ میں تھا جبھی اسے خاموش پا کر نہایت طنزیہ اور استفہامیہ انداز میں پھر سے بولا تھا۔

''مجھے وقار سعید کی بہن کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے؟'' اب کے لہجہ بات پر زور دینے والا تھا۔ غیر متوقع بات پر مہ روش نے سرعت سے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ مراد بھی سوالیہ نظروں سے اس کی آنکھوں میں گھورے جا رہا تھا۔

⁂

اس کا سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا' سوچیں اپنی جگہ تھیں اور ازلی ضد اپنی جگہ تھا مگر غصے کو اسے نظر انداز کرنا

پڑ رہا تھا کہ سوچیں غلبہ پائے اسے بے بس کیے جا رہی تھیں۔ وہ متعجب زدہ سی آنکھیں پھاڑے دونوں ہاتھوں سے بال جکڑے سر جھکائے صوفے پر بیٹھی تھی۔ آج اتنی عرصے بعد اس کی یادداشت پیچھے گئی تھی۔

علی آیان حسن گیلانی اپنی تمام باتوں' یادوں سمیت اس کے ذہن و تصورات میں ہلچل مچا گیا تھا اور وہ دنگ بیٹھی اسے جھٹلانے میں بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔ اپنے پری پلان کھیل میں اسے بھلائے آج تک وہ اپنی جیت' اپنے عمل پر سر فخر سے بلند کیے خوشی میں رقصاں تھی۔ اپنے مستقبل کے روشن خواب آنکھوں میں سجائے تھی' ایسے میں ماضی کی جھلک اس کی آنکھوں کے پردے پر ظاہر ہوتی...... اپنا جال بنا رکاوٹ کے پھیلائے جا رہی تھی۔

علی کے خط کے ٹکڑے اس کے پاؤں میں بکھرے پڑے تھے مگر اس خط میں لکھا حرف حرف علی کے جذبات کی عکاسی کرتا' اس کی روتی آنکھوں' تڑپتی روح کی داستان اس کے اردگرد مسلسل دہرائے جا رہے تھے اور وہ چاہ کر بھی ان حروف کی پکار سننے سے خود کو روک نہیں پا رہی تھی۔

اسکول سے واپسی کے بعد یہ چھٹا گھنٹہ تھا اور وہ تب سے کمرے میں بند تھی' کمرے کی فضا اسے بہت وحشت زدہ سی محسوس ہو رہی تھی' اکتاہٹ اپنی جگہ تھی' سر کا درد بھی اب اس کی برداشت سے باہر ہوا جا رہا تھا' رگیں پھٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے اٹھ کر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے اور فرار کے لیے دروازے کی طرف رخ کیا' لاک کھولا اور کمرے سے نکل کر سیدھا کچن کا رخ کیا' گلاس میں پانی ڈالا اور ٹیبلٹ منہ میں رکھ کر سارا پانی ایک ہی سانس میں پی گئی۔

''کیا ہوا مستبشرہ! سر میں درد ہے''۔ زہرہ بیگم اسے دیکھ کر کچن میں آئی تھیں۔

''جی اماں! ابھی ٹیبلٹ لی ہے''۔ اس نے بتایا۔

''چائے بنا کر دوں؟''

''نہیں ابھی نہیں' تھوڑی دیر بعد بنا لوں گی ابھی دل نہیں چاہ رہا''۔ اس نے منع کیا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''چلو ٹھیک ہے مگر آرام کرو جا کر' میں تمہارے بابا جان کے ساتھ قاسم بھائی کی طرف جا رہی ہوں' آصفہ آپا بیمار ہیں' تمہارے سر میں درد نہ ہوتا تو ساتھ چلی جاتی لیکن ابھی تم جا کر لیٹو''۔ انہوں نے بتاتے ہوئے ہدایت کی۔

''سر تو ٹھیک ہو جائے گا' میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں''۔ مستبشرہ فوراً سے بولی کہ وہ کسی بھی طرح فرار چاہ رہی تھی۔

''نہیں تم کسی اور دن چلی جانا' ابھی تم خود سیٹ نہیں ہو''۔ انہوں نے ممتا بھری محبت سے ٹوکا۔

''اچھا پھر آپ میری طرف سے انہیں پوچھ لیجئے گا''۔ اسے ماننا پڑا۔

''ٹھیک ہے اور تم کھانا کھا لینا' کیا پتہ ہماری واپسی کس وقت ہو''۔ جانے سے پہلے وہ یاد آنے پر کہنے لگیں۔

''بہتر اماں جان!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

کچھ ہی دیر میں سید جمال شاہ اور زہرہ بیگم چلے گئے۔ مستبشرہ نے اپنے لیے چائے بنائی اور ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر پینے لگی۔ کمرے میں جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا مگر کب تک؟ وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا' کھانے کی طلب نہ تھی مگر ذہنی تھکن سے جسم ٹوٹ رہا تھا' آنکھیں بھی نیند سے بھاری ہو رہی تھیں۔ 9 بجے کے بعد اس نے اٹھتے ہوئے ناچار کمرے کا رخ کیا اور دانستہ زمین پر بکھرے کاغذ کے ٹکڑوں کو نظر انداز کرتی لائٹ آف کیے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی' لیکن پھر سے بے بس ہونے میں اسے زیادہ دیر نہ لگی تھی۔ لیٹنے کے کچھ ہی دیر بعد وہ تنگ آ کر بیٹھ گئی تھی'

عجیب بے چینی، گھبراہٹ، بے زاریت اسے بوجھل کیے دے رہی تھی۔

علی آیان حسن گیلانی کی مانوس آواز اسے بہت واضح بہت قریب سنائی دے رہی تھی۔ خط میں لکھا ہر لفظ اندھیرے میں بھی اس کی آنکھوں کے سامنے روشن ہو رہا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" لائٹ آن کرتی وہ کمرے کے وسط میں کھڑی نگاہیں زمین پر گاڑے محو سوال تھی۔

"کیوں علی میرے حواسوں پر چھائے جا رہا ہے، میری سماعتیں اس کی آواز سننے سے محروم کیوں نہیں ہو رہیں، کیوں پڑھا میں نے اس کا بے ہودہ خط۔ کیا ضرورت تھی مجھے، میں تو اس کو بھول آئی تھی پھر آج اتنے عرصے بعد کیسے؟" بہت سے سوال خود سے کرتی، الجھن کا شکار ہوتی وہ مسلسل ان پرزوں کو دیکھ رہی تھی جو اس کے پاؤں میں بکھرے پڑے تھے۔

کئی لمحے اس نے اپنے وجود کے اندر گہری خاموشی و سکوت میں گزارے، پھر جانے کس خیال کے تحت جھک کر کاغذ کے بکھرے ٹکڑے سمیٹنے لگی اور سمیٹنے کے بعد ٹیبل پر رکھتی متلاشی نظروں سے اردگرد دیکھتی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھی اور دراز کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگی، جبھی ہاتھ میں مطلوبہ اسکواش ٹیپ آئی تو سرعت سے پلٹ کر ٹیبل کے قریب آئی اور بالکل غیر ارادی طور پر تمام پرزوں کو الفاظ کی ترتیب سے سیٹ کیا اور انہیں جوڑنے لگی، چند منٹوں کی کوشش کے بعد خط اپنی اصل حالت میں آ چکا تھا۔ اس نے تمام الفاظ پر نظر دوڑائی اور الفاظ کی ترتیب کے اطمینان کے بعد خط فولڈ کر کے واپس ٹیبل پر رکھا۔

"اب یہ لاکٹ کہاں ہے؟ کہاں پھینکا تھا میں نے؟" ہلکی سی بڑبڑاہٹ کے ساتھ وہ اس جانب بڑھی جہاں اس نے غصے و بے دردی کے ساتھ لاکٹ دیوار پر مارا تھا۔ زمین پر دوزانو ہو کر متلاشی نظروں سے دیکھا تو لاکٹ فوراً سے نظر آیا۔ مستبشرہ نے ہاتھ بڑھا کر لاکٹ اٹھایا اور اٹھتے ہوئے بغور اسے دیکھنے لگی۔

"MA...... مستبشرہ...... علی......" آہستگی سے اپنا اور علی کا نام لیتی MA پر انگلی پھیری تو اسے خوشگوار احساس ہوا۔ وہ ٹیبل کی طرف آئی اور توقف کے بعد لاکٹ تہہ شدہ کاغذ پر رکھ کر وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی، اب انداز میں غصے و اکتاہٹ کی کوئی رمق باقی نہ تھی۔

ایک اطمینان اس کے اندر اترا تھا مگر فی الحال وہ واضح محسوس نہیں کر سکی تھی۔

کیا یہ پہلا قدم تھا؟

ہاں شاید...... یہ پہلا قدم ہی تھا جس نے مستبشرہ جمال کے خلاف جا کر اس کی مرضی کے خلاف اپنے حق میں اس کو بے بس کر کے شانت کیا تھا۔

☆

پہلے سے بالکل انجانی آنکھوں کی تپش وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ خاموشی سے پُر سوالیہ فضا اس کی سانسوں کو گرمائش دے رہی تھی۔ مقابل جواب کا منتظر تھا اور وہ سوال پر حیران تھی۔ مقابل کے انداز و غیر متوقع بات پر فوری ردعمل کی سوچ ذہن سے کوسوں دور بیٹھی زبان کے گنگ ہونے کا مظاہرہ ملاحظہ فرما رہی تھی۔

"بتاؤ نہ مہ روش! چپ کیوں ہو؟" اپنی مسلسل خاموشی پر اسے مراد کی طنزیہ آواز سنائی دی تو ایک مرتبہ پھر بے یقین ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"آئی تھنک یو ہیو نو آئیڈیا"۔ مراد اس کی حیرت بھانپتے ہوئے گویا قیاس لگانے لگا، یقیناً پہلی رات کی دلہن پیار بھری بات، اقرار و عدے سننے کی چاہ میں گزرے دنوں کو ایسے وقت میں ایسے سوال پر کہ بھی کیا سکتی ہے فوراً سے کیا

مطلب نکال سکتی ہے، جبکہ مقابل مکمل طور پر تیار بھی ہو۔

"حسن کے قصیدے، محبت کے فسانے بہت پڑھ لیے، کہے اور کچھ سنے، کیوں نہ اب کچھ سنجیدہ بات کر لی جائے"۔ مراد نے اس کے مہندی سے سجے خوبصورت ملائم ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیا، گرفت مضبوط و قدرے سخت تھی۔ مہ روش کو اپنے ہاتھوں میں سرسراہٹ دوڑتی محسوس ہوئی۔

"تم سے آج میں نے بہت باتیں کرنی ہیں، کچھ دل کی، کچھ تمہاری اور کچھ گزری ایسی جو گزر کر بھی نہیں گزریں"۔ ٹھہرے ہوئے لب و لہجے میں وہ پُرسوچ انداز اپنا تا ماہی کو وسوسے میں ڈال رہا تھا۔

"اچھا تمہیں یاد ہے میں نے تم سے سرپرائز کی بات کی تھی"۔ یکدم وہ اپنی سابقہ ٹون میں واپس آیا البتہ مہ روش اب بھی خاموش تھی۔

"اوہو بولو بھی...... کہیں سانپ تو نہیں سونگھ گیا تمہیں"۔ وہ دانستہ شریر ہوا تا کہ ماہی اچانک کی حیرت سے باہر نکل کر مکمل ہوش و حواس میں اسے سن اور سمجھ سکے۔

"سرپرائز والی بات یاد ہے تمہیں ماہی؟" اس نے اپنی بات دہرائی۔

"جی...... یاد ہے"۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ آج کی رات دلہن بنی وہ مراد کے لہجے و انداز کے اتار چڑھاؤ پر واقعی بولنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

مراد جاذبیت سے مسکراتا بیڈ سے اٹھ کر صوفے کی طرف بڑھا، کوٹ کی جیب سے مخمل کی ڈبیا نکال کر کوٹ اتار کر صوفے پر رکھا پھر واپس بیڈ کی طرف آیا اور ریلیکس ہو کر بیٹھا۔

"یہ تمہارا گفٹ"۔ مراد نے سونے کی خوبصورت رنگ اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنائی، نگاہیں بغور ماہی کے چہرے پر ٹکی تھیں اور الفاظ کے تانے بانے بُننے کے بعد ذہن مطمئن تھا۔

"تھینک یو!" عجب کشمکش کا شکار ہوئی وہ دھیرے سے بولی۔

"اب سرپرائز کی طرف آئیں"۔ مراد نے بات بدلی۔

"جی!" اسے اثبات میں سر ہلاتا دیکھ کر مراد منصور نے بہت سنجیدگی سے پُرسوچ انداز اپنایا۔ آج وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی کھیلنے والا تھا، جس میں اپنی جیت کا وثوق لیے اس نے تین راز منکشف کرنے تھے۔ مہ روش ہمہ تن گوش تھی۔

"مہ روش سعید! پہلے تو میں تمہاری وہ غلط فہمی دور کروں گا جس کا شکار میں نے خود تمہیں کیا ہے"۔ بالآخر بہت عرصے بعد وہ تمام ہتھیاروں سے لیس بات کا آغاز بڑی جرات سے کرتا کچھ پل کو رُکا۔ مہ روش اسے ہی دیکھ رہی تھی مگر لب بند۔

"سرپرائز یہ ہے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا"۔ دوٹوک، سپاٹ انداز میں وہ رسان سے بولا۔ انداز تحمل سے لبریز تھا، جبکہ مقابل نے سیکنڈ کے ہزارویں لمحے سے پہلے کچھ مزید گہری بے یقینی سے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا تھا یوں جیسے اپنی سماعت پر شک گزر رہا ہو۔

"زیادہ حیران ہونے کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں ہے مہ روش سعید! ابھی تو چند انکشافات مزید رہتے ہیں"۔ مراد اس کو دیکھتا محظوظ ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

"ہاں محبت کا جال ضرور پھیلایا"۔ پھر بات جاری رکھی۔

"کیوں؟" بے ساختہ اس کے لب استعجاب میں ہلے تھے۔

"اتنی بھی کیا جلدی جاننے کی ڈیئر! ابھی تو رات باقی ہے"۔ وہ ہنسا۔ ماہی اب کے خود تو چپ رہی مگر مراد کو چپ نہ کروا سکی۔

"نہ مجھے تم سے محبت ہے نہ اس شادی میں میرے جذبات شامل ہیں"۔ وہ ترتیب سے بولا۔ نگاہیں ماہی کے چہرے پر مرکوز تھیں جہاں ہزاروں رنگ آ جا رہے تھے شرم کی لالی پر عجب بے یقینی سے تاثرات چھا رہے تھے۔ مراد کی باتوں اور لہجے کو سمجھنے میں اسے دشواری اور انہیں قبول کرنے میں اس کا دماغ دقت کا شکار ہو رہا تھا۔

"پھر یہ شادی......؟" سو سمجھ نہ آیا کہ کیا پوچھے۔ ہونٹ بھینچ کر الفاظ کو روکتی وہ بات ادھوری چھوڑ گئی۔

"بدلے کے لیے کی ہے میں نے یہ شادی"۔ یکدم وہ سخت و تلخ ہوا۔

"ہاں مہ روش سعید! میں نے تم سے یہ شادی بدلے کیلئے کی ہے انتقام کی آگ کو شانت کرنے کیلئے کی ہے میں نے تم سے شادی۔ وقار سعید کی بہن سے مجھے محبت کیونکر ہو سکتی ہے اور پلیز حیران ہونے کی ایکٹنگ بالکل نہ کرو"۔ اپنی بات کے دوران مہ روش کے فق پڑتے چہرے کو دیکھ کر وہ نہایت سفاکیت سے بولا تھا لیکن اس لمحے مہ روش چاہ کر بھی حیرانگی کے آثار کو چہرے و آنکھوں سے زائل نہ کر سکی تھی' متحیر سوچیں اعصاب سے ہم آہنگی کھوئے جا رہی تھیں۔

"تین سال میں نے کڑھتے ہوئے گزارے ہیں' تین سال میں نے اپنے اندر وقار کیلئے نفرت کا لاوا سنبھال کر رکھا تھا' اس نے میری بہن کو ٹھکرا کر اسے رسوا کرنا چاہا تھا' میری بہن کو...... ادینہ کی زندگی برباد کرنے چلا تھا وہ مگر وقت پلٹا کھا گیا' آج سے میں اس کی بہن کی زندگی برباد کروں گا' اس نے سارے پتے ایک ساتھ پھینک کر کھیل شروع کیا تھا اور میں ایک ایک پتا پھینک کر چلتا رہا' میں چاہتا تو اس کی طرح عین شادی کے وقت انکار کر سکتا تھا اس طرح مزہ نہ آیا۔ میری بہن تو آباد رہی مگر وہ اپنی بہن کی خوشیاں اپنے عمل سے برباد کر گیا' میری بہن لمحہ لمحہ مسکرائے گی اور اس کی بہن پل پل تڑپے گی' ہاں مہ روش! تم اپنے بھائی کے کیے کی سزا پانے کیلئے تیار ہو جاؤ' وقار کا بدلہ میں تم سے لوں گا' تمہارے ذریعے میں اسے مات دوں گا"۔ وہ جنونی ہو رہا تھا۔

ماہی کی کلائی پر سختی سے اپنی انگلیاں پیوست کرتا دبے انداز میں لفظ لفظ چبا کر ادا کرتا وہ اندر کا غبار باہر نکال رہا تھا' خود پر سے اچھائی و محبت کا لبادہ ہٹائے اپنی اصل شکل اپنے اصل روپ میں اس کے سامنے آ رہا تھا' آنکھیں انتقام کی آگ سے سرخ ہوتی مہ روش پر واضح ہو رہی تھیں۔ کلائی میں درد محسوس کرتی بھی گویا وہ محسوس نہ کر پا رہی تھی کہ اس درد سے زیادہ مراد منصور کا دوسرا انکشاف' لہجہ اس کے لیے برداشت کرنا تکلیف دہ تھا' اندر تک لرزتی وہ پل بھر میں خوف کھا گئی تھی۔

"مگر فرق صرف اتنا ہوگا میں اس کی طرح سب کو نہیں بتاؤں گا بلکہ تمہاری بے بسی وقار کو اپنے فیصلے پر پچھتانے کیلئے مجبور کرے گی' میرا امیج برقرار رہے گا' میری ذات خاندان بھر میں معتبر رہے گی کہ میں نے وقار کی بہن سے شادی کی۔ بکھرے ہوئے خاندان کو سمیٹ کر رشتوں کی مضبوط ڈور باندھی۔ میری اعلیٰ ظرفی ہر زبان بیان کرے گی اور وقار پر ہر بندہ تھو تھو کرے گا' اس کی اپنی بہن اس سے نفرت کرے گی"۔ مراد اپنا پلان' اپنی اعلیٰ ظرفی بڑے فخر سے بتا رہا تھا اور اس کی باتیں مہ روش کے اندر ہلچل طوفان برپا کر رہی تھیں۔ وہ ابھی تک یقین نہیں کر رہی تھی۔ مراد کا لہجہ پہلے سا تھا نہ انداز زبان میں شائستگی تھی نہ اپنائیت و محبت کی کوئی رمق تھی۔

"سچ میں مہ روش! وقار نے تمہارے لیے بہت برا کیا"۔ کافی چیخنے چلانے کے بعد وہ مسخرانہ انداز میں اس سے افسردگی ظاہر کرنے لگا۔

مہ روش نے اپنی کلائی چھڑا کر اس کے خوفزدہ کرتے چہرے سے آنکھیں چرائیں۔ دل تو بہت چاہا کہ ہاتھ بھی کانوں پر رکھ کر اس کی بدصورت ہوتی آواز نہ سننے کی سعی کرے۔

وقار سے بدلہ' وقار کے کیے کا طعنہ' وقار کے لیے نفرت' اسی نفرت میں مراد منصور کی اصلیت' مراد کی سوچ مہ روش پر کھل چکی تھی اور مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق اسی لمحے اسے سب باتوں پر یقین کرنا پڑا تھا۔ دلہن کے روپ میں اقرار' اظہار' وعدہ وفا کے بجائے اس تلخ حقیقت' اپنی آئندہ کی بربادی کی نوید پر یقین کرنا پڑا۔

تنفر میں ڈوبا مراد کا لہجہ' کڑوی' غصیلی' انتقامی باتیں...... اتنا سنجیدہ مذاق کوئی کہاں کر سکتا ہے جو وہ ایک لمحے کو اسی خوش فہمی کا شکار ہوئی اور مراد کی خصلت میں تو مذاق شروع سے نہ تھا۔

کتنا مشکل تھا اس کے لیے اچانک کی صورتحال کو قبول کرنا مگر مراد منصور نے ناممکن ہونے کا سوال یا جواز باقی چھوڑا ہی نہ تھا۔ دھماکوں کی زد میں اس کا ذہن منتشر تھا اور زبان گونگی ہو چکی تھی۔

اسے وقار سعید کی بہن ہونے کی سزا بہت سوچ سمجھ کر دی گئی تھی پھر اس وقت خواب سپنے بھی کسی اذیت سے کم نہ تھے۔ وہ موڑ جہاں سے آج اس نے اپنی نئی خوبصورت زندگی کا آغاز کرنا تھا مراد کے سنگ' اس وقت اسی موڑ کے آگے اسے گہری کھائیاں دکھائی دے رہی تھیں جہاں مراد اسے دھکا دینے والا تھا۔

"اور ہاں...... بدلے اور انتقام کے علاوہ بھی تم سے شادی کی ایک وجہ بہت خاص تھی"۔ مراد کی آواز پھر سے کمرے کی فضا میں گونجی۔ مہ روش پہلے ہی وار سے تزلزل کا شکار ہو چکی تھی اب کے خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں تمہاری طرف کبھی توجہ نہ دیتا اگر عروش مجھے چھوڑ کر نہ جاتی"۔ ماہی کو نیچا کرنے میں اس مرتبہ جو تیر اس کی کمان سے نکلا تھا وہ خود اسے بھی تڑپا گیا تھا۔

لڑکی کا نام سن کر وہ چونکی تھی۔ اب کیا کہنے والا تھا مراد منصور...... اتنا سب کچھ سننے کے بعد اس کی سماعتوں کو ابھی اور بھی کچھ سننا باقی تھا۔ آج کی رات نے اس کی برداشت کا امتحان بہت کڑا لینا تھا مگر وہ ابھی سے شاید بے بس ہو چکی تھی۔

"میں نے ٹوٹ کر چاہا تھا اسے مگر اسے اپنی خوبصورتی پر ناز تھا' میری محبت کی تذلیل کی اس نے' مجھے مراد منصور کو ٹھکرایا کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں' کسی خوبصورت لڑکی کے قابل نہیں ہوں' کوئی مجھ جیسے غصیلے' سنجیدہ' خودغرض بندے سے محبت نہیں کر سکتا مگر میں اُسے دکھاؤں گا کہ تم نے مجھ سے محبت کی ہے' ایک خوبصورت لڑکی نے محبت کی ہے مراد منصور سے......" اس کے لہجے میں تناؤ تھا۔

تھوڑی بہت کسک تھی اس کے انداز میں جسے مہ روش نے نوٹ کیا تھا۔ عروش کے ہاتھوں خود کو محبت سمیت ٹھکرائے جانے کا ملال مراد کے اندر بہت گہرا تھا۔

"اس گھمنڈی لڑکی کو میں نے منہ توڑ جواب دینا ہے۔ جانتی ہو عروش کے چیلنج' تمہاری خوبصورتی اور وقار سے بدلے کی آگ نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کیا ہے۔ بات اگر صرف وقار سے بدلہ لینے کی ہوتی تو میں پریشے سے بھی شادی کر سکتا تھا مگر تم اس سے زیادہ خوبصورت ہو' اسٹائلش ہو' عروش کے مقابلے میں' میں تمہیں باآسانی اتار سکتا ہوں"۔ بالآخر مراد منصور نے تیسرا راز و شادی کی دوسری وجہ اس کے گوش گزاری۔ وقار کی بہن ہونے کی سزا کے بعد عروش کے چیلنج نے مراد کے ہاتھوں اس کی ذات کی تذلیل' جذبات کی تضحیک بھی کر دی تھی۔

آج کی خاص رات کی ساری کسر پوری ہو چکی تھی' جس پر مہ روش کے آنسوؤں نے مہر ثبت کر دی تھی۔

"تمہارا یہ رونا تو اب ساری عمر کا ہوگا سو آج نہیں...... آج کی رات صرف و صرف میری ہے"۔ مہ روش کی غیر

ہوتی حالت کو سرے سے نظر انداز کرتا وہ طنزیہ بولا' ساتھ ہی ایک جھٹکے سے مہ روش کے سجے سنورے وجود کو اپنی طرف کھینچا۔

تمام باتیں کہنے اور دل کا غبار نکالنے کے بعد وہ ریلیکس ہو چکا تھا اور مہ روش کچھ بھی کہنے یا احتجاج کرنے سے قاصر' بے آواز آنسو بہاتی اپنی قسمت کے لکھے پر شاکڈ سی رہ گئی تھی۔

☆

''عمر! میں نے ایک فیصلہ کیا ہے''۔ سونے سے پہلے علی آیان نے دوست کو کال کر کے مطلع کرنا چاہا یا شاید اپنے فیصلے کے متعلق اس کی رائے لینی چاہی۔

''کیسا فیصلہ؟''

''تم چاہتے ہو ناں کہ میں مبشرہ کو بھول جاؤں' مما اور ڈیڈ کے لیے میں زندگی جیوں''۔ بتانے سے پہلے وہ تصدیق چاہنے لگا۔

''ہاں میں' آنٹی اور انکل سب یہی چاہتے ہیں اور یہ سب تمہارے لیے ہی ہے' ہم تمہیں ساری عمر روگ میں نہیں دیکھ سکتے' زندگی کسی ایک حد میں قید رہ کر گزارنے کا نام نہیں ہے۔ تم اندر ہی اندر اس ایک لڑکی کے لیے نہیں مر سکتے' ابھی تمہیں خود کیلئے بہت سارا جینا ہے اور تمہیں جینا بھی چاہیے''۔ جواباً عمر نے ہمیشہ کی طرح اسے سمجھانے والے انداز میں کہا تو وہ مسکرایا۔

''ہاں مجھے جینا ہے دوست! اپنے لیے نہ سہی مگر خود سے جڑے رشتوں اور خود سے وابستہ محبتوں کا قرض چکانے کے لیے''۔ پھر ٹھوس آواز میں بولا۔

''یہ ہوئی نہ عقلمندی والی بات''۔ عمر نے اسے سراہا۔

''میں مبشرہ کو بھول جانا چاہتا ہوں''۔ علی بتانے لگا۔

''تمہاری اس سوچ سے ہمیں خوشی ہوگی' تمہاری بات' بہتری کی امید لیے ہے' رئیلی آئی ایم ہیپی''۔ عمر واقعی سن کر خوش ہوا تھا۔

''اسی لیے میں نے ایک فیصلہ کیا ہے' جس میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے''۔ وہ اصل بات کی طرف آنے لگا۔

''کیسا فیصلہ......؟''

''یہ ملک چھوڑنے کا''۔ اس نے مختصراً دو ٹوک کہا۔

''وہاٹ......؟'' عمر چونکا۔

''دیکھو عمر! اگر مبشرہ کو بھولنا یہاں میرے بس میں ہوتا تو میں کبھی ایسا نہ سوچتا' مگر یار! یہاں میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسے ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ جا کر دیکھوں۔ میرا دل امید لیے مجھے اب ہر وقت اکساتا ہے کہ میں ملتان جاؤں' اسے دیکھوں...... کیا وہ واقعی پہلے سی ہے یا بدل گئی ہے' لیکن میں جانتا ہوں وہ بدلے یا نہ بدلے میں اسے دیکھ کر سنبھل نہیں سکوں گا' یہاں میں اسے بھولنے کی کوشش بھی نہیں کر سکتا''۔ علی نے اندر کا ڈر بیان کیا۔ عمر تو سن کر ہی دنگ رہ گیا' پُر سوچ انداز میں ہونٹ بھینچے' چپ ہو کر اسے سننے لگا۔

''اس ملک سے دور جا کر میں خود کو یقین دلا سکتا ہوں کہ وہ میری دسترس میں نہیں ہے' نہ میں اسے دیکھ سکتا ہوں نہ کبھی وہ مجھے مل سکتی ہے''۔ لہجے کی بے بسی کو عمر سے چھپانے کی سعی میں وہ مضبوط بننے لگا۔

''مگر یار علی! یہ تو خود کو دھوکا دینے والی بات ہوئی''۔

''اس دھوکے میں کوئی مضائقہ تو نہیں' اگر سچ میں یہاں سے دور جا کر میں اپنی کیفیت سے چھٹکارا پا سکتا ہوں یا پانے کی کوشش کر سکتا ہوں تو کیا برائی ہے اس میں''۔ جبکہ وہ اٹل تھا' خود کو کنونس کرنے کے بعد وہ شیخلی تیار ہو چکا تھا۔

''برائی تو کوئی نہیں ہے' بٹ انکل اور آنٹی کے بارے میں سوچا ہے تم نے؟ نہ وہ تمہارے بغیر رہ سکتے ہیں نہ تمہیں خود سے دور بھیج سکتے ہیں''۔ عمر نے صاف لفظوں میں کہا۔

''اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اس فیصلے کی تکمیل میں تم میری مدد کرو' میں انہیں اپنے جوابات سے قائل نہیں کر سکوں گا لیکن یہی باتیں تمہارے منہ سے سن کر وہ مان جائیں گے اور ویسے بھی میں ساری عمر کے لیے تو نہیں جا رہا' بس کچھ ہی عرصے کی تو بات ہے جب بھی مجھے لگا کہ میں مبشرہ کو بھولنے میں کامیاب ہو چکا ہوں تو میں اسی وقت واپس آ جاؤں گا۔ آئی سویئر...... اینڈ میں یقیناً اسے اپنی ذات سے جدا کر کے لوٹوں گا''۔ علی آیان کی باتوں میں پختگی و وثوق تھا جو عمر کو قائل کرنے میں یقیناً کامیاب ہو چکا تھا۔

''اگر ایسا واقعی میں ممکن ہے تو ٹھیک ہے' میں جہاں تک ممکن ہو' تمہاری مدد کروں گا''۔ وہ راضی ہوا۔

''تھینک یو عمر! میں کچھ ہی دنوں میں مما اور ڈیڈ سے بات کروں گا''۔ علی مطمئن سا مسکرایا۔ یہ فیصلہ اس نے بہت مجبور ہو کر کیا تھا مگر بہتری کیلئے کیا تھا۔

☆

رات بظاہر بڑی خاموشی سے گزر رہی تھی۔ کمرے کی مہکتی فضا میں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا مگر اس کے اندر طوفان قیامت سی تباہ کاریاں لیے پھیلتا جا رہا تھا۔ اس کے اندر کی دنیا میں سب کچھ تہس نہس ہو چکا تھا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ مسلسل اشک بار آنکھوں سے سن ذہن لیے بیٹھی تھی۔

سب کچھ کتنی جلدی' اچانک اس پر واضح ہوا تھا۔ خوشیوں کے رنگوں پر پلک جھپکنے سے پہلے ہی دھندلاہٹ کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ اس نے ایک مرتبہ گردن گھما کر اپنے پہلو میں دیکھا تھا جہاں مراد منصور اس کی ذات میں زلزلے' آندھیاں برپا کرنے اور حق زوجیت وصول کرنے کے بعد پرسکون نیند سو رہا تھا۔ آج کیلئے آنکھوں میں سجائے اس کے ڈھیروں خواب اور سپنے' ارمانوں سمیت بے دردی و سفاکیت سے کچل کر انجان بنا بے خبر سو رہا تھا۔

مہ روش بغور اسے دیکھتی ''فرق'' کے متعلق سوچنے لگی۔

گھونگھٹ کے فرق کو سوچنے لگی۔

گھونگھٹ سے پہلے اس نے جس مراد منصور کو دیکھا تھا وہ کوئی اور تھا' جس کی آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن رہتا تھا' جس کی باتوں میں محبت کا رس گھولتا اَمرت تھا' جس کے انداز میں چاہت تھی' جس کے لمس میں اپنا پن تھا۔

مگر گھونگھٹ اٹھانے کے بعد......!

اس نے ایک نئے' الگ مراد منصور کو دیکھا تھا جس کی آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نہیں بلکہ غصے' نفرت اور انتقام کا الاؤ تھا' جس کی باتوں میں زہر کا عنصر نمایاں تھا' جس کے انداز میں تنفر' تحقیر اور اس کے جذبات کے لیے تضحیک تھی' جس کے لمس سے اسے تپتے انگاروں پر جھلنے کا احساس ہوا تھا۔

یہ کیسا فرق تھا......؟

محض گھونگھٹ گرانے اور اٹھانے کی یہ کیسی انوکھی تفریق کی کہانی اسے محسوس ہوئی تھی۔ یہ خواب تھا' حقیقت یا آنکھوں کا دھوکا؟ سماعت ناکارہ ہو چکی تھی یا سچ سننے میں جھوٹ لگ رہا تھا۔

مراد منصور نے اس کے ساتھ مذاق کیا تھا یا ایک ہی جھٹکے میں اسے فسانے سے نکال کر حقیقت میں لے آیا تھا۔

وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی' نہ اندازہ لگا سکی نہ قیاس کی فرصت ملی۔

''کیوں مراد! میرے ساتھ آپ نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ محو سوال بے آواز شدت سے رونے لگی۔

''وقار بھائی سے بدلے کی آگ میں مجھے کیوں جلایا؟ کیا قصور تھا میرا؟ یہی کہ میں ان کی بہن تھی' انہوں نے ادینہ کو ٹھکرایا اور آپ نے مجھے اپنا کر اپنی بہن کو ٹھکرائے جانے کا بدلہ لیا۔ کیسی اعلیٰ ظرفی ہے آپ کی' آپ میں اور وقار بھائی میں کوئی فرق نہیں ہے' ہاں البتہ میری اور ادینہ کی قسمت میں ضرور فرق ہے' وہ ایک جھٹکے کے بعد سنبھل گئی تھی اور میری ساری زندگی جھٹکوں میں گزرے گی''۔ مہ روش سوال جواب کی کیفیت میں گھری تھی۔

''یہی نہیں......آپ نے میرے اعتبار کا خون کیا' میرا استعمال کرنے کے لیے محبت کا جال پھینکا۔ کیوں مراد! مجھے محبت کے نام سے متنفر کرنا چاہا آپ نے؟ اگر بدلہ ہی لینا تھا تو صرف بدلہ لیتے' کیوں کسی کی بے وفائی سے میرے جذبات کو میرے دل میں دفن کر دیا؟ کیوں محبت کا غلط استعمال کیا آپ نے؟ مجھ سے محبت بدلے کے لیے ضروری تو نہ تھی''۔ گزرتا ایک ایک منٹ صدیوں پر محیط تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی مگر سوالات نظر کے سامنے تھے۔

''وقار بھائی کے کیے کی سزا تو آپ نے دے دی مگر میں آپ کی ناکام محبت کی خطاوار بن کر چپ نہیں رہوں گی' میری بے بسی میں کسی پر واضح نہیں ہونے دوں گی''۔ یکدم کسی سوچ نے اس کے دماغ میں ہلکورہ لیا تو وہ پرعزم مگر بھیگی آواز میں کہتی ہتھیلی سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔

''بدلے کی ایک بازی تو آپ جیت گئے مگر دوسری میں آپ کو نہیں جیتنے دوں گی' عروش کی بے وفائی کا بدلہ میں اپنی محبت کو بے مول کر کے آپ کو نہیں لینے دوں گی' ایک چال کے بعد دوسری چال آپ کی کامیاب نہیں ہو سکتی''۔ سوچتے ہوئے وہ اٹھی اور منہ دھو کر واپس بیڈ پر آ گئی۔

''آج رات کی حقیقت اور آپ کی اصلیت دن کے اجالے میں کھو جائے گی' میں تقدیر کے لکھے پر یقین کرتی ہوں اور میرا یقین ہے کہ میری چپ مجھے ثابت قدم اور آپ کو متزلزل کرے گی''۔ آنکھیں موند کر اوپر بازو رکھتی وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ دن بھر کی جسمانی اور کچھ دیر پہلے والی ذہنی تھکاوٹ سے اس کی کوشش جلد ہی کامیاب ہوئی تھی' باقی رات شانت گزری۔

اگلی صبح کا اجالا ہر سو پھیل چکا تھا۔ سات بجے کے قریب مراد منصور کی آنکھ کھلی اور پہلے خیال کے ساتھ ہی اس نے اپنے اطراف میں نظر دوڑائی جہاں مہ روش ابھی تک سو رہی تھی' وہ نگاہ غلط اس پر ڈال کر اٹھا اور واش روم کی طرف بڑھا۔ تین سال بعد اس نے پرسکون رات گزاری تھی۔ شاور لینے کے بعد ڈریس چینج کرتا وہ اب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا تھا' شیشے سے ہو کر اس کی نگاہوں کا محور مہ روش ہی تھی جو چندھیائی آنکھوں کو کھولتی کسمسا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

''گڈ مارننگ!'' مراد نے بال سیٹ کرنے کے بعد برش واپس رکھتے ہوئے مڑ کر بہت خوشگوار انداز میں اسے مخاطب کیا۔ گزری رات والا تلخ روپ فی الوقت سائیڈ میں رکھ کے یوں ظاہر کرنا چاہا جیسے رات بہت دلنشیں بتائی تھی

اس نے مہ روش کے لیے۔ آواز پر مہ روش نے ناگواری سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا اور دانستہ اوپر نہ دیکھا۔

''اوہو......اتنا غصہ''۔ مراد لطف اندوز ہوا' مسکرا کر کہتا اس کے برابر جا بیٹھا' اس کے بیٹھتے ہی وہ اٹھنے لگی' مراد نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ابھی تو شروعات ہیں مسز مراد منصور!'' پھر طنزیہ کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی بات جاری رکھی۔

''آگے آگے بس دیکھتی جانا ہوتا ہے کیا''۔ اس کی بات پر ماہی نے بنا کوئی تاثر دیئے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کی۔

''رات تو کافی شاندار گزری ہو گی تمہاری......؟'' مراد نے اسے زچ کرنے کے لیے ہاتھ پر گرفت اور زیادہ مضبوط کرتے ہوئے ہونٹ اس کے کان کے قریب لے جا کر رازدارانہ پوچھا۔ سوال پر وہ اندر تک سلگ اٹھی تھی' مگر ضبط کر گئی۔ سامنے کھڑا شخص مکمل تیاری میں تھا ایسے میں وہ ایسا کوئی جملہ ادا نہیں کرنا چاہتی تھی جو اس کی اس کھیل میں نااہلی پر پہلے ہی قدم سے بزدلی کی مہر ثبت کر دیتا۔ مراد کے اصل روپ نے رات کو اسے اندر تک خوفزدہ کر دیا تھا۔

''اور سرپرائز پسند آیا کہ نہیں؟'' مراد اسے تنگ کرنے کی غرض سے پھر سے پوچھنے لگا۔ ماہی نے اب بھی کوئی رسپانس دینا گوارا نہ سمجھا' خاموش رہی' ہاتھ اس کا مسلسل حرکت میں تھا مگر مقابل کے مضبوط شکنجے میں اس کی حیثیت لاچار پھڑپھڑاتی چڑیا سے زیادہ اس لمحے کچھ نہ تھی۔

''بے یقینی' غصہ' خاموشی...... چچ ڈیئر! تمہارے ساتھ یہ کھیل کھیلنے میں بہت مزہ آئے گا''۔ وہ ڈھٹائی سے کہتا مسکرایا۔

کمرے میں اس کی آواز وقفے وقفے سے گونج رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ ماہی دل میں شکر بجا لائی۔ مراد نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ فوراً واش روم کی طرف بڑھی کہ فوراً اسے کسی کا سامنا اس کے چہرے کے تاثرات نہیں کر سکتے تھے۔ مراد کے سامنے بھی بڑی مشکل سے وہ خود کو سنبھالے کھڑی تھی۔ اس کے واش روم جانے کے چند ثانیوں بعد مراد نے قدم آگے بڑھائے اور دروازہ کھولا۔

''گڈ مارننگ''۔ ادینہ ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ اندر آئی۔

''گڈ مارننگ''۔ مراد آہستگی سے کہتا صوفے پر جا بیٹھا۔

''ماہی کہاں ہے؟''

''واش روم''۔ جواب دیتے ہوئے مراد نے چہرے پر بشاشت لائی۔

''ناشتہ تیار ہے میں پوچھنے آئی ہوں' ناشتہ یہیں کمرے میں لاؤں تم دونوں کے لیے یا باہر سب کے ساتھ کرو گے؟'' ادینہ اس سے پوچھنے لگی۔

''میں تو باہر ہی کروں گا تم مہ روش سے پوچھ لینا''۔ وہ سرسری بولا۔

''اوکے میں کچھ دیر میں آتی ہوں' پھر ماہی سے پوچھ لوں گی''۔ ادینہ نے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا اور چلی گئی۔

وہ موبائل میں مصروف ہوا۔ دس پندرہ منٹ بعد واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز اسے سنائی دی۔ اس نے موبائل واپس جیب میں رکھا اور مہ روش کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ لب سیئے آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی۔ کوئی خاص تاثرات اس نے واضح نہیں کیے تھے' نہ ہی خوشی و شرم و حیا کی لالی اس کے رخساروں پر بکھری

تھی۔ ایک رات کی دلہن‘ وہ اپنی شادی کے دوسرے ہی دن سادہ سے پنک سوٹ میں شوہر کے بالکل سامنے کھڑی دانستہ نظریں بچاتی خود کو اردگرد سے انجان ظاہر کررہی تھی۔

”گڈ مارننگ ماہی!“ وہ دونوں خاموش ہی تھے جب کچھ دیر بعد ادینہ واپس کمرے میں آتے ہی اس کی طرف بڑھتے ہوئے خوشگواریت سے بولی تھی۔

”گڈ مارننگ“۔ ماہی نے اس کی طرف اسمائل پاس کی۔ ادینہ نے اس سے ناشتے کے لیے پوچھا تو اس نے بھی باہر ہی سب کے ساتھ کرنے کو ترجیح دی اور خود کو بالکل نارمل رکھا۔

”ماہی! تم یہ ڈریس پہن لو“۔ ادینہ نے الماری سے بھاری کامدار سوٹ نکال کر اسے مخاطب کیا۔

”ابھی نہیں ناشتے کے بعد“۔ اس نے منع کیا۔ ادینہ نے او کے کہتے ہوئے سوٹ ایک سائیڈ پر رکھا‘ مراد اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں باہر جا رہا ہوں‘ تم دونوں آ جانا“۔ کہتے ہوئے نکل گیا۔ ماہی نے اس کے جاتے ہی ریلیکس فیل کیا۔

”گفٹ کیا ملا؟“ ادینہ اس کے قریب آئی۔

”رِنگ“۔ ماہی نے ہاتھ اس کے سامنے کیا۔

”صرف رنگ؟“ وہ چونکی۔

”کتنا بدھو ہے مراد‘ قسمت سے اتنی خوبصورت بیوی ملی ہے جسے اس نے رنگ پر ہی ٹرخا دیا۔ یار ماہی! اسی وقت ہاتھوں ہاتھ لیتی اسے“۔ ادینہ کی بات پر مہ روش بظاہر فوراً مسکرائی مگر اندر اٹھتی ٹیس برداشت کرنا اسے بہت تکلیف دہ لگا تھا۔

”صرف رنگ نہیں مراد نے تو مجھے بہت کچھ دیا ہے‘ میری توقعات کے خلاف‘ میری خواہشات سے زیادہ‘ وہی سمیٹ لوں تو میرے لیے کافی ہوگا“۔ دل ہی دل میں کہتی بالوں کو پونی میں قید کرنے لگی۔

”اچھا مراد نے تعریف وغیرہ بھی کی یا وہاں بھی کنجوسی دکھا گیا؟“ ادینہ پُر مزاح لہجے میں مزید پوچھنے لگی۔

”نہیں...... بہت زیادہ کی ہے“۔ گزری رات کے اثر سے نکلتی وہ ادینہ کے سامنے اسی لہجے و انداز میں بولی جیسے نئی نویلی دلہن شادی کے دوسرے دن اپنی مسکراہٹ سے اپنی خوشی کا اظہار کرتی ہے۔ ادینہ اس کی بات پر مسکرائی۔

”چلیں......“ مہ روش نے اگلے ہی پل سوالیہ اسے پوچھا کہ مبادا وہ پھر کوئی شوخ و شریر سا سوال نہ کرلے...... جواب دینا اس کے لیے ابھی تھوڑا مشکل تھا۔

”ہاں“۔

دونوں آگے پیچھے باہر نکلیں۔ مہ روش نے کلثوم پھپھو اور شاہدہ پھپھو کو سلام کیا اور ڈائننگ ٹیبل پر مراد کے برابر سیٹ سنبھالی کہ وہ سیٹ خاص اس کے لیے رکھی گئی تھی۔ ناشتہ ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران اختتام کو پہنچا تو ادینہ نے مہ روش کو تیار ہونے بھیجا۔ سعید احمد کے گھر سے صبح کال آئی تھی کہ لڑکیاں ناشتہ لے کر آ رہی ہیں مگر کلثوم پھپھو نے منع کر دیا کہ زحمت کی کوئی ضرورت نہیں‘ آپس کی ایک ہی بات ہے‘ سو وہ لوگ ناشتہ لانے پر منع کرنے سے لنچ کے لیے فورس کرنے لگے تو مجبوراً کلثوم بیگم کو ماننا پڑا۔ پریشے اور باقی کزنز آنے والی تھیں۔

مہ روش کو تیار ہونے کے لیے فوراً سے جانا پڑا تھا۔

☆............☆

فلک کے ارادے نیک اور عزم مضبوط‘ حوصلہ بلند تھا۔ دلجمعی سے سیکھنے کی چاہ میں امی اور تائی جان کے ساتھ

کچن میں مصروف رہتی جو کہ گھر بھر کے افراد کیلئے خوش آئند بات تھی‘ کبھی اسے اپنے کہے پر عمل پیرا دیکھ کر مطمئن تھے کہ ایسے میں آصفہ بیگم کو موسمی بخار نے اپنے شکنجے میں لیا‘ سو اُن کی کمی پوری کرنے کیلئے وہ فل ٹائم فہمیدہ بیگم کے ساتھ رہنے لگی۔ کھانا وغیرہ تو امی ہی بناتیں مگر وہ ان کی ہیلپ کر دیتی‘ فہمیدہ بیگم پکانے کے دوران اسے گائیڈ کرتی رہتیں۔ اس وقت بھی رات کے کھانے کے بعد برتن دھو کر امی سے ترکیب پوچھی اور گرین ٹی بنا کر آصفہ بیگم کے کمرے کی طرف گئی۔

”گرین ٹی“۔ اندر داخل ہوتے ہی باآواز بلند بولی تو مشارب شاہ اور آصفہ بیگم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

”تم نے بنائی ہے؟“ مشارب نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں...... خاص تائی جانے کے لیے“۔ آصفہ بیگم کی طرف کپ بڑھاتے ہوئے وہ محبت بھری اُدا سے بولی۔ جب سے وہ بیمار ہوئی تھیں تب سے فلک کام کے علاوہ ان کا بھی بھرپور خیال رکھ رہی تھی۔

”جیتی رہو“۔ آصفہ بیگم نے اس کے سر پر مشفق ہاتھ پھیرا۔

”خاص امی کے لیے بنائی ہے تو کیا میرا پینا ممنوع ہے“۔ مشارب نے اس کی بات پکڑی۔

”جی نہیں...... اگر ممنوع ہوتا تو تمہارے لیے کپ نہ لاتی‘ مجھے پتہ تھا کہ تم تائی جان کے پاس ہی ہوگے“۔ فلک نے وضاحت دی۔

”مطلب اب تمہیں پھر تھینکس کہنا پڑے گا“۔ وہ ہنسا۔

”جی ہاں......“ وہ بھی آصفہ بیگم سمیت مسکرائی۔

”تو پھر مس فلک شاہ! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اپنے قیمتی وقت سے کچھ پل نکال کر اتنی زبردست شاندار سی چائے ہمارے لیے بنائی“۔ وہ تفصیلی شکر بجا لایا۔

”ہاں چائے تو واقعی لاجواب بنائی ہے تم نے“۔ آصفہ بیگم نے بھی اسے سراہا۔ فلک کی ہر اچھی بری کوشش کو ان سمیت سب سراہتے ہوئے پسندیدگی کی سند سے نوازتے کہ یوں وہ جوشیلے انداز میں مزید لگن سے کام میں جت جاتی تھی۔

”تو تائی جان جلدی سے پی کر ٹھیک ہو جائیں آپ‘ چچی آپ کے بغیر کچن میں بالکل مزہ نہیں آتا‘ میں نے سوچا تھا آپ سے نئی نئی طرح کی ڈشز سیکھوں گی‘ آپ کی طرح اچھے اچھے کھانے بناؤں گی مگر میرے سوچتے ہی آپ بیمار ہو گئی ہیں‘ اب جلدی سے ٹھیک ہو جائیں بس“۔ فلک کہتے ہوئے آخر میں استحقاق سے بولی۔ مشارب اس کے انداز پر ہنسا۔ یہی باتیں تو اسے فلک کی پسند تھیں۔ گھر کے ہر فرد خصوصاً بڑوں سے محبت و احترام اس کی شخصیت کا بہترین خاصہ تھیں۔ آصفہ بیگم نے پیار نثار کرتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے ساتھ لگایا۔

”جس طرح تم نے میرا اتنا خیال رکھا ہے میں تو ابھی سے بہتر محسوس کر رہی ہوں‘ بالکل ٹھیک ہو گئی ہوں میں‘ بخار بھی نہیں رہا‘ تم تیار رہنا کل سے میں کچن میں تمہارے ساتھ رہوں گی“۔

”مجھے بہت خوشی ہوگی“۔ وہ ان کی بات پر مسکرائی۔

”تم سے زیادہ چچی جان کو خوشی ہوگی۔ سچ میں یار فلک! تم اتنی جلدی لائن پر آ جاؤ گی‘ آئی مین کام اور گھرداری کے معاملے میں سدھر جاؤ گی‘ ہم میں سے کسی کو امید نہیں تھی“۔ مشارب بولا ساتھ ہی کپ ہونٹوں سے لگایا۔

”کیوں؟“ فلک نے خشمگیں نگاہوں سے سوالیہ اسے دیکھا۔

”تمہاری باتیں‘ کام سے بھاگنا اسی امید کی طرف اشارہ تھا“۔ وہ غیر سنجیدہ تھا۔ فلک نے اسے مصنوعی خونخوار

نظروں سے گھورا۔

''مگر مجھے یقین تھا کہ ہماری فلک سب کچھ سیکھ سکتی ہے' اور دیکھو سیکھ بھی چکی ہے' فہمیدہ ویسے ہی پریشان رہتی تھی' میں نے کتنی دفعہ اسے سمجھایا کہ گھر کی بچی ہے گھر میں ہی رہے گی مگر ماں ہے ناں' بیٹی کے مستقبل کی فکر کب پرسکون رہنے دیتی ہے' اس کی ایک ہی خواہش ہے کہ فلک اسی عمر میں رکھ رکھاؤ سیکھے گی تو آئندہ کی زندگی سہل انداز میں گزرے گی''۔ آصفہ بیگم اپنا وثوق ظاہر کرتیں فہمیدہ شاہ کی فکرمندی بتانے لگیں۔ فلک ان کی بات پر خاموش رہی۔

''ہاں تو چچی جان کی فکر جائز تھی' لڑکیوں کو سب کچھ سیکھنا چاہیے' جانے آگے کیسا سسرال ملے' کیسے لوگ ہوں' کون جانتا ہے؟'' البتہ مشارب اب سنجیدہ ہوا۔ فلک کو ایک دوست اور کزن کی حیثیت سے اس نے ہمیشہ دل کے بہت قریب پایا تھا اور اپنے معاملے میں اس کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد سے فہمیدہ بیگم کی طرح وہ بھی فکرمند رہتا۔ فلک شاہ کو کہاں وہ اداس یا پریشان حال دیکھ سکتا تھا۔

خود سے زیادہ فلک کی خوشیاں اس کے لیے زیادہ اہم اور معنی رکھتی تھیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے کبھی فلک کو بتایا نہیں مگر اکثر اسے سمجھانے کی کوشش کرتا تھا' مگر اب سے پہلے وہ کوئی بات سمجھنا ہی کہاں چاہتی تھی۔ مشارب کی بات پر آصفہ شاہ نے بغور اسے اور پھر فلک کو دیکھا۔

''تم ہمیشہ ایسی ہی باتیں کرنا' آگے کیا ہوگا' کیوں ہوگا' کیسا ہوگا' کون جانے...... مجھ سے متعلق ہر بات کو مستقبل کے آئینے میں کیوں دیکھتے ہو؟'' جو اپنے مخصوص انداز میں مشارب سے مخاطب گویا لڑنے کے موڈ میں تھی۔ اس کی بات اور دونوں کی تکرار سے آصفہ بیگم پُرسوچ انداز میں مسکرائی تھیں۔

''تو کیوں نہ دیکھوں؟ آتا جاتا کچھ ہے نہیں تمہیں اور میں فکر نہ کروں گا تو کون کرے گا''۔ وہ برجستہ اسے چھیڑنے کے لیے سپاٹ بولا۔

''کیوں نہیں آتا' امی سے پوچھ لو سب سیکھ لیا ہے میں نے''۔ فلک کو پٹنگے لگنے میں دیر نہ لگی' مصمم ارادہ باندھنے کے بعد وہ ابھی سے چپ رہنے کی غلطی نہ کر سکتی تھی کہ خود پر کسی کا شک ابھی ڈالنا نہیں چاہتی تھی' البتہ دل کو پورا یقین تھا اس کے احساسات میں شدت ہے جو مشارب کے جذبات کو محسوس کر سکتے ہیں۔ گھر والوں کی طرف سے تو وہ شروع سے ٹینشن فری تھی۔ بھلا دونوں کے رشتے پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

''خاک سب سیکھا ہے تم نے' کپڑے تو تم ابھی تک پریس نہیں کرتی' صبح جب میں آفس جا رہا تھا تب بھی تم عثمان سے اسی سلسلے میں تو تو' میں میں کر رہی تھیں' کیا تھا وہ سب؟'' مشارب نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''وہ جو بھی تھا تم کو اس سے کیا؟'' آصفہ بیگم اس کی بات و انداز پر محظوظ مسلسل ان دونوں کو کھوجتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں کہ دل کی خواہش کو سوچ کے مثبت ہونے سے انہوں نے پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔

''دیکھ لیں امی! اسی لیے میں کہتا ہوں یہ کبھی نہیں سدھر سکتی''۔ مشارب کو اس کی کھنچائی کا موقع ملا۔

''اور کتنا سدھروں تمہارے لیے My Love''۔ جس کا فلک نے آصفہ بیگم سے پہلے دل میں جواب دیا۔

''یہ جیسی بھی ہے ہمیں بہت عزیز ہے۔ فہمیدہ کی ضد' فکر اور خواہش کی وجہ سے میں اس کے ساتھ ہوں ورنہ اسے کوئی کام کرنے کی کیا ضرورت ہے' پھولوں سی نازک ہے ہماری فلک۔ اللہ تعالیٰ اس کا نصیب اچھا اور زندگی سہل کرے زندگی نے تو اپنی رفتار سے گزرنا ہے گزرے گی''۔

گھر کی اکلوتی لڑکی سب کو عزیز تھی' سو آصفہ بیگم نے بیٹے کا ساتھ دینے' اسے تنگ کرنے کے بجائے دعائیہ کہا تو

فلک نے مسکراتے ہوئے مشارب کو انگوٹھا دکھایا۔

''اب میں کیا کہوں!'' مشارب نے اگلے ہی لمحے ہتھیار ڈالے۔

''تم کچھ نہ کہو بس خاموش رہو''۔ فلک فوراً بولی۔

''دیکھ لیں امی اسے' سب باتیں ایک طرف اس میں تو ذرا بھی لحاظ نہیں' پورے پانچ سال دو مہینے بڑا ہوں اس سے مگر یہ مجھے تم کہتی ہے' کبھی بھولے سے ''آپ'' اس کے منہ سے نہیں نکلا''۔ جس پر مشارب شاہ نے ایک سرا پکڑ کر دوسرا سرا آصفہ بیگم کے ہاتھ تھمانا چاہا' ساتھ ہی خالی مگ ٹرے پر رکھا۔ آصفہ بیگم بھی چائے ختم کر چکی تھیں۔ فلک نے اسے گھورا۔

''آپ جناب تو تب کہوں جب تم پانچ سال اور دو مہینوں کے ساتھ گھنٹوں' منٹوں اور سیکنڈوں کا حساب بھی دو''۔ پھر جھٹ اپنے مخصوص انداز میں سابقہ جملہ دہرایا۔

''سچ میں فلک! تمہارا اوپر والا پورشن عقل سے پیدل ہے''۔ مشارب اس کی ہزار بار دہرائی بات پر زور سے ہنسا' فلک نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور تمہارا ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے''۔ پھر کہتے ہی کپ ٹرے میں رکھتی بیڈ سے اترنے لگی۔ وہ دونوں اس کی بات پر مسکرائے۔ آصفہ شاہ کو اپنا وثوق پختہ محسوس ہونے لگا تھا۔

''پاگل''۔ مشارب نے اسے مزید چڑانے کے لیے با آواز بلند کہا اب کے فلک نے اس کی بات کو نظرانداز کیا مگر دل میں ضرور اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''تمہارے پیار میں پاگل ہوں اور اپنی محبت سے تمہیں بھی پاگل نہ کر دیا تو پھر کہنا''۔ اور خاموش نظروں سے زیرلب مسکرائی۔

''اوکے تائی جان! پھر صبح ملاقات ہوگی' اللہ حافظ اینڈ گڈ نائٹ''۔ آصفہ بیگم سے کہتی وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

''میں بھی ہوں یہاں''۔ تو مشارب نے فوراً پیچھے سے آواز دی۔

''اوہ سوری..... گڈ نائٹ''۔ فلک سرعت سے پلٹ کر گویا ہوئی۔

''گڈ نائٹ''۔ وہ مسکرایا۔

فلک کمرے سے باہر نکل آئی۔ لبوں پر بڑی دلنشیں مسکراہٹ تھی۔ باہر نکلنے سے پہلے وہ دانستہ مشارب شاہ کو نظرانداز کرکے تائی جان سے مخاطب ہوئی تھی' یہ جاننے کیلئے کہ کیا مشارب خود سے اسے بلائے گا یا نہیں اور اب اپنے اندر پہلے وثوق کے سائے اسے گہرے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

''آئی ایم ویری ہیپی مشارب اینڈ تھینکس' مجھے شدت سے اس دن کا انتظار رہے گا جب تم باقاعدہ مجھ سے اعتراف محبت کرو گے' لو یو سو مچ''۔ سیڑھیاں اترتی وہ بڑے ترنگ سے سوچے جا رہی تھی۔

''مشارب بیٹا!'' فلک کے جانے کے بعد وہ جانے کے لیے اٹھ رہا تھا جب آصفہ بیگم نے اسے پکارا' وہ بڑھتے قدموں کو روک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''جی امی''

''[illegible] تم سے ضروری بات کرنی ہے''۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔ مشارب اثبات میں سر ہلا کر واپس [illegible] سے سنبھالنے لگا۔

"کہیے امی!" اور سوالیہ مگر محترم نظروں سے انہیں دیکھتا بولا۔
"بیٹا! میں چاہتی ہوں کہ میری زندگی میں تمہارا گھر آباد ہو"۔ وہ سنجیدہ تھیں۔
"جی امی!" مطلب سمجھنے کے باوجود وہ حیران ہوا۔ متعجب نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔
"غم خوشی زندگی کا حصہ ہے' انسان کی بہت سی خواہشات ہوتی ہیں مگر سب سے بڑی خواہش اولاد کی زندگی' خوشی' آبادی اور اس کی اگلی نسل کو دیکھنا ہے اور میں بھی اپنی زندگی میں تمہاری شادی کروانا چاہتی ہوں۔ تمہاری بیوی کو اپنی نظروں کے سامنے اس گھر میں چلتا پھرتا دیکھنا اور تمہارے بچوں کو اپنی گود میں کھلانا چاہتی ہوں"۔ وہ خاصی تفصیل سے تمہیدی انداز میں اپنی خواہش کا اظہار کرنے لگیں۔
"ہاں پر اتنی بھی کیا جلدی ہے امی!" جواباً وہ اتنا ہی بولا۔ کچھ ذہن میں بات بھی انتظار کی گردش کر رہی تھی۔
"جلدی کہاں بیٹا! ماشاء اللہ تم بڑے ہو گئے ہو' برسر روزگار ہو' کوئی کمی نہیں ہے تم میں"۔ وہ بولیں۔ جان نثار کرتی نظریں اپنے خوبرو سپوت پر گاڑے گویا وہ ابھی کے ابھی اسے راضی کرنے کے موڈ میں تھیں۔
"ہاں پر امی! ابھی نہیں"۔ اور وہ کسی بھی وجہ سے ہی سہی مگر ابھی انہیں ٹالنے کی تگ و دو کرنے لگا۔
"ابھی کیوں نہیں؟ مجھے زندگی سے کبھی کبھار ڈر لگتا ہے' سانسوں کی مہلت کب تک رہے کون جانتا ہے اور آج کل کیا پتہ چلتا ہے' چھوٹی سی بیماری جان لے لیتی ہے"۔ وہ صاف بولیں۔
"امی! اللہ آپ کو صحت دے' ہمارے لیے سلامت رکھے اور آپ تو اتنی باہمت ہیں' ہر ایک کو مشکل میں حوصلہ دیتی ہیں اور خود موسمی بخار سے گھبرا رہی ہیں' کچھ نہیں ہوگا آپ کو۔ پلیز ایسی باتیں نہ کریں"۔ ان کی بات پر وہ بولا۔ ماں کے لیے لہجے میں تفکر تھا۔
"پر بیٹا......!" جواباً وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر مشارب نرمی سے انہیں ٹوک گیا۔
"پلیز امی......!" اور آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ تھامے پھر بات جاری رکھی۔
"آپ کی خواہش سر آنکھوں پر لیکن تھوڑا انتظار کرلیں"۔
"ایک دو مہینے؟" تھوڑے انتظار کو انہوں نے سوالیہ لے کر پوچھا۔
"نہیں......!" وہ ہنسا پھر بتایا۔
"تین سال"۔
"تین سال کا عرصہ تمہیں تھوڑا لگتا ہے؟"
"بہت تھوڑا تو نہیں لگتا پر زیادہ بھی تو نہیں ہے"۔ وہ انہیں قائل کرنا چاہتا تھا۔ انتظار کا فیصلہ کرنے کے بعد ذہن میں سوچ پختہ تھی۔
"بہر میں لڑکیاں تو دیکھنا شروع کر سکتی ہوں' کیا پتہ ابھی پسند آئے کہ نہیں اور تم دیکھنا ایسی لڑکی میں اپنے بیٹے کے لیے ڈھونڈوں گی جو تمہیں دیکھتے ہی پسند آئے گی' تمہارے ساتھ میٹھی باتیں کرتی سب کو اچھی لگے گی"۔ وہ کہتے ہوئے ساتھ بیٹے کو دیکھ رہی تھیں جو ایسے مسکرائے جا رہا تھا جیسے ماں نے اس کے دل کی سن لی ہو' اگلے ہی پل وہ سنجیدہ سا ہوا کہ ابھی بات کا رخ اور موقع دونوں مناسب تھے' جبھی انہیں اجازت طلب نظروں سے دیکھتا بولا۔
"امی! ایک بات کہوں؟"
"ہاں کہو"۔

جاری ہے



طوبیٰ گل

افسانہ

لمحوں کی خطا

"وہ وقت بھی دیکھا تقدیر کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی"

صفہ اپنے لان کے ایک تنہا گوشے میں بیٹھی ہوئی تھی، یادوں کا ریلا اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا' ایک فضول سی ضد کی اس نے اپنے ساتھ' اپنے گھر والوں اور صفہ کے معصوم دل کو سزا دی' یہ سوچ بنا کہ وہ تو صفہ کے دل کا تاجدار بادشاہ ہے اس کے بنا زندگی گزارنا صفہ کے لئے ناممکن تھا' وہ صرف اس کا محبوب ہی نہیں اس کا سگا تایا زاد اور منگیتر بھی تھا' اس کے بھیا طہٰ کا اور طلحہ کا ہم عمر اور ان کا بیسٹ فرینڈ' دن میں کئی بار فقط اسے دیکھنے کے بہانے وہ طہٰ اور طلحہ سے ملنے آتا' سب اس کا خوب مذاق اڑاتے لیکن اس کے کان پر جوں بھی نہ رینگتی' لیکن اتنے پیار کے باوجود وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا' آنسوؤں کا ایک سمندر صفہ حسن کی آنکھوں سے بہنا شروع ہوا تو اس پر بند باندھنا مشکل ہو رہا تھا وہ بھی کھل کر رونا چاہتی تھی۔

یہ ان دنوں کی بات تھی جب صفہ نو برس اور طلحہ اور طہٰ پندرہ برس کے تھے' پاپا اور بابا جو کہ تایا تھے ایک ہی گھر میں رہتے تھے' انہی دنوں دادو نے عدن اور صفہ کی منگنی کر دی' عدن اپنی والدین کی اکلوتی اولاد نرینہ تھا اس کی ایک بہن فضا گھر میں سب سے بڑی بیٹی تھی' ہر پل ہر لمحہ صفہ عدن کی ...

ہاسپٹل بنانے کا شوق تھا وہ سرجن بن کر خدمت خلق کرنا چاہتا تھا اس نے بابا کو ناراض نہ کرنے کے لئے بزنس پر بھی توجہ دے دی لیکن بابا چاہتے تھے کہ وہ صرف بزنس کو دیکھے' عدن ایسا کرنا اپنی تعلیم کی بے حرمتی سمجھتا تھا' اس موضوع کو لے کر بابا ہر وقت عدن کو جلی کٹی سناتے وہ خاموشی سے سنتا اور مما سے شکوے کرتا' ایک دن بابا نے غصے میں اس کو بہت برا بھلا کہا' اس دن مما جو کہ تائی تھیں اور ممی' دادو کو لے کر پھپھو کے گھر گئی ہوئی تھیں' طہٰ بھائی انہیں لے کر گئے تھے صفہ کچن میں شاہ کی چائے بنا رہی تھی اچانک اسے بہت شور سنائی دیا' وہ جلدی سے باہر آئی تو عدن پہلی بار بابا سے بحث میں الجھا تھا وہ بابا کو مسلسل دلائل دے رہا تھا' اور بابا کچھ بھی سننے کے لئے تیار نہیں تھے۔

"تم صاف یہ بات کیوں نہیں کرتے کہ تمہیں اپنے باپ سے چڑ ہے اس کی بات تمہیں نہیں ماننی' تم جیسا ناخلف بیٹا تو میرے گھر میں نہ ہی ہوتا تو میں اللہ کا شکر ادا کرتا' یاد رکھو اگر تم ایک ہفتے کے اندر اندر اسپتال سے ریزائن نہیں دو گے تو اس گھر میں تمہاری کوئی جگہ نہیں' میں تمہیں ساری جائیداد سے عاق کر دوں گا"۔ بابا غصے سے چلائے صفہ خوفزدہ ہو کر دیوار سے چپک گئی۔

"تو ٹھیک ہے ایک ہفتے بعد ہی کیوں مجھے آج ہی نکال دیں' میں خود بھی ... نہیں چاہتا ... جا رہا ہوں اس گھر سے ... عدن ...

''پلیز عدن...... رک جاؤ میری خاطر' مما کی خاطر پلیز''۔ وہ روتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑ گئی۔

''صفہ......! میں دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جاؤں لیکن رہوں گا صرف تمہارا یہ میرا وعدہ ہے' میرا انتظار کرنا' صرف تمہارے لئے لوٹوں گا''۔ اس کے ماتھے پر اپنا لمس بخشا اور چلا گیا' صفہ کتنی دیر وہیں بیٹھی روتی رہی۔

☆......☆......☆

تین سال گزرنے کے باوجود عدن کا کچھ پتہ چلا نہ وہ لوٹ کر آیا۔ اب تو بابا' دادو اور پاپا کو صفہ کی فکر لگ گئی' انہوں نے اس کے جذبات کی قدر کی اور عدن کا انتظار کیا لیکن کب تک؟ آخر ایک دن پاپا نے دوسری اچھی جگہ شادی کی بات چلائی' صفہ نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا اور ایک ہفتہ اسپتال میں ایڈمٹ ہو کر آئی لیکن بے سود...... پاپا نے اس کا رشتہ اپنے دوست کے بیٹے جمال سے طے کر لیا' وہ سارا دن روتی رہتی۔

''بھیا! میں اس فیصلے کو سرے سے مانتی ہی نہیں یہ غلط ہے' بھیا! میری زندگی میں عدن کے علاوہ کسی کا گزر نہیں' آپ پاپا کو منع کر دیں ورنہ میں مر جاؤں گی''۔ وہ روتے ہوئے طلحہ بھیا سے بولی۔ تقریباً دو سال پہلے حسن کا دوسرے شہر ٹرانسفر ہو گیا' دادو بھی ان کے ساتھ آ گئیں کیونکہ عدن والے واقعہ کے بعد وہ بڑے بیٹے سے سخت خفا تھیں' جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے ویسے ویسے اس کی جان سولی پر لٹکتی جا رہی تھی' نہ کوئی آہ سن رہا تھا نہ فریاد اور تو اور اس کے اتنے زیادہ اچھے پاپا جانی بھی اس کی بات نہیں سن رہے تھے' ابھی شادی میں ایک ہفتہ باقی تھا کہ اچانک صفہ کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا' ڈاکٹرز کہہ رہے تھے کہ اگر ان کو اڑتالیس گھنٹے تک ہوش نہ آیا تو یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھیں گی' حسن اپنی بیٹی سے سخت شرمندہ تھے وہ کسی بھی صورت اس کو زندہ حاصل کرنا چاہتے تھے اس کی پیار کی شدتوں کے ساتھ جو وہ اپنے پاپا سے کرتی تھی' بابا اپنی جگہ سخت شرمندہ تھے کیونکہ ان کی ایک بیٹے کی غلطی سے کسی کی جان پر بن گئی' اچانک طلحہ لوٹ آیا جو تقریباً ایک سال سے آؤٹ آف کنٹری تھا لیکن وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ...... بلکہ عدن بھی اس کے ساتھ تھا'

سب حیران ہوئے لیکن بے تحاشا خوش بھی' عدن صرف دادو سے ملا اور اندر آئی سی یو میں چلا گیا' بابا سخت شرمندہ ہوئے کہ یہ ان کی وجہ سے ہوا لیکن پاپا نے ان سے کہا۔

''جوان خون ہے آپ کچھ مت کہیں یہ ہم سے ناراض ہے ہم خود ہی اسے منائیں گے' زیادہ دیر ہم سے خفا نہیں رہ سکتا''۔

☆......☆......☆

صفہ جس دن ڈسچارج ہو کر گھر آئی عدن نے اسی دن پاپا سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا' کہ انہوں نے اس کی امانت میں خیانت کے بارے میں سوچا بھی تو کیسے......؟

''دادو! صفہ صرف میری ہے میں اسے بہت چاہتا ہوں' لیکن میں بے وجہ مسئلہ نہیں بننا چاہتا اس لئے بہتر ہے کہ اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیں' بابا سے آپ بات کریں مجھے کل رات تک جواب چاہئے' رخصتی اسی ہفتے کے اندر اندر ہو گی''۔ دادو حیران و پریشان کھڑی رہ گئیں۔ پھر دونوں بیٹوں کو بلا کر بات کی۔ حسن نے بھائی کو سمجھایا۔

''بھائی صاحب! ہم پہلے ہی اپنی اپنی بے جا ضد کی وجہ سے بہت غلطیاں کر چکے ہیں اب اور نہیں' میں یوسف سے معذرت کر لوں گا' جمال کے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں اب اور ضد نہیں' اولاد جب ٹھیک کہہ رہی ہو تو والدین کو ان کی بات مان لینی چاہئے بصورت دیگر وہ جو کچھ کریں والدین کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے''۔ پاپا اور بابا ان کی بات سے متفق ہو گئے۔

جنت پیلس میں آج رنگوں کی بارات تھی' ہر طرف خوبصورت آنچل' خوبصورت پھول اور رنگینیاں تھیں کیونکہ آج صفہ رخصت ہو کر جنت پیلس آ رہی تھی' لیکن آج وہ بہت مطمئن تھی اور اس پر یہ احسان اس کے جان سے پیارے بھائی طلحہ نے کیا تھا اور اس احسان کے بدلے عدن نے اپنی بیٹی طلحہ کو دینے کا وعدہ کر لیا اور اس عجیب و غریب وعدے پر پہلے تو سب حیران ہوئے اور پھر قہقہوں کا طوفان جنت پیلس میں اٹھ آیا' دادو اس گھر کی خوشیاں واپس لوٹنے پر شکرانے کے نوافل پڑھنے چل دیں۔

عمارہ حامد

افسانہ

میرا نصیب

''مریم او مریم...... کہاں مر گئی ہو......؟ میری بات کیوں نہیں سنتی......؟'' شازیہ کب سے مریم کو پکار رہی تھی لیکن اس کی طرف سے جواب ندارد تھا۔ شازیہ غصے سے بیچ پا ہوتی ہوئی کچن سے اٹھ کر کمرے میں آئی تو کمرے کی حالت دیکھ کر اس کا سر چکرانے لگا' بیڈ شیٹ بیڈ سے لٹک رہی تھی اور گرنے کو بے قرار تھی تکیے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے' اس کے چاروں بچے آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو کشن مار رہے تھے جبکہ اس کی سب سے بڑی بیٹی مریم اسٹار پلس کا ڈرامہ دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ اسے اردگرد سے کوئی سروکار نہ تھا' یہ سب دیکھ کر اس کا غصے سے خون کھولنے لگا اور اس نے دو تین تھپڑ مریم کی کمر پر جڑ دیئے اور ساتھ ہی باقی بچوں کی بھی درگت بنادی' وہ سب ایک ساتھ فل والیم سے رونا شروع ہو گئے۔

''اے مریم! رونا بند کر اور برف توڑ کر جگ میں ٹھنڈا پانی بنا تیرے ابو آنے والے ہیں''۔ اس نے سب کو کمرے سے باہر دھکیل کر اکتائے ہوئے لہجے میں مریم کو ہدایات جاری کیں اور ان کے رونے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔

''کیا ہو گیا ہے......؟ کیوں اتنا چیخ چیخ کر رو رہے ہو......؟'' تھوڑی دیر بعد ہی اسے فاروق کی کرجدار آواز سنائی دی تو اس کا دل سینے میں زور سے کی طرح لرزنے لگا وہ جلدی سے کچن میں جا کر اس کے لئے کھانا نکالنے لگی۔

''پھر کب جا رہی ہو اپنے بھائی کی طرف......؟'' فاروق نے کھانا کھانے کے دوران اسے مخاطب کیا۔

''میں نہیں جاؤں گی' ان کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر تھک چکی ہوں' شرم آنے لگی ہے مجھے''۔ بظاہر وہ حوصلے سے بولی جبکہ دل میں اس کے متوقع ردعمل سے بری طرح خائف ہو رہی تھی۔

''کیسے نہیں جاؤ گی تم......؟'' فاروق نے دبنگ لہجے میں کہا اور ساتھ ہی کھانے کی ٹرے کو ٹھوکر ماری سارا کھانا زمین بوس ہو چکا تھا' شور مچاتے بچے ایک دم سہم کر چپ ہو گئے۔ پل بھر کے لئے تو وہ کانپ کر رہ گئی لیکن آج اس نے فاروق سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''خدا کے لئے فاروق! میرے صبر کو اتنا مت آزمایئے' ایسی کیا ضرورت آن پڑی ہے' بھائی بہت باتیں سناتے ہیں مجھے''۔ بات کرتے کرتے اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں کے کناروں پر ٹھہری نمی بے قابو ہو کر اس کے گال بھگونے لگی' بار بار اپنی عزت نفس کو کچلنا' اپنی ذات کی نفی کرنا یہ اس سے زیادہ کون جان سکتا تھا کہ وہ خود کئی سالوں سے یہ سب کچھ جھیل رہی تھی۔

''اچھا...... اچھا...... اب زیادہ رونے کی ضرورت نہیں' پتہ تو ہے تمہیں نئی نئی دوکان کھولی ہے' سامان ڈالنے کے لئے پیسوں کی ضرورت تو پڑتی ہے نا''۔ اسے روتا دیکھ کر وہ قدرے نرم لہجے میں بولا کہ شاید اس طرح وہ جانے کے لئے مان جائے۔

''پھر اس سے کیا ہو جائے گا......؟ آپ دکان پر سامان ڈالیں گے اور آپ کی دکان خوب چلے گی' ہے نا......؟ نہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا' ہمیشہ کی طرح یہ پیسے بھی آپ اپنی عیاشیوں میں اڑا لیں گے' کتنی دفعہ ایسے ہی دعوے کر کے آپ میرے بھائیوں سے پیسے بٹور چکے ہیں' پیسے آ کر لگ بھی جاتے ہیں اور آپ صرف دکانوں کا کرایہ ہی دے پاتے ہیں کیونکہ جب تک خود ٹک کر دکان پر نہیں بیٹھیں گے تو دکان چلے گی کیسے......؟'' وہ آج پھٹ پڑی تھی۔ کئی دنوں سے دل و دماغ میں ایک لاوا سا تھا جو پک رہا تھا اور آج زبان کے رستے بہہ گیا تھا۔

تڑاخ...... اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہنے کے لئے لب وا کرتی فاروق کا زناٹے دار تھپڑ اس کے رخسار پر اپنی انگلیاں ثبت کر چکا تھا اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔

''بدتمیز' جاہل عورت! زبان چلاتی ہے میرے آگے' لاکھوں میں تیرے بھائیوں کی مہینے کی کمائی ہے اس میں سے تھوڑے پیسے تجھے دے دیں گے تو مر نہیں جائیں گے' میں دیکھتا ہوں کیسے نہیں جاتی تو''۔ یہ کہہ کر وہ غصے سے تن فن کرتا باہر چلا گیا۔ اور وہ جو آج دل میں بڑے دعوے کر رہی تھی کہ فاروق سے آج دوبدو بات کرے گی' گال پر ہاتھ رکھے بری طرح رو دی' بچے حالانکہ آئے دن ایسے تماشے دیکھتے تھے پھر بھی بری طرح سہم کر ایک دوسرے کو ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے جبکہ مریم ماں کے پاس بیٹھی



اس کے آنسو پونچھنے کے ساتھ ساتھ خود بھی رونے لگی۔

☆

فاروق کا اس کے ساتھ شروع ہی سے ایسا ہتک آمیز رویہ تھا' ہر وقت روک ٹوک کرنا' طنز کرنا' بات بات پر اس کو مارنا اس کی سرشت میں شامل تھا' اس کے مزاج میں مستقل مزاجی مفقود تھی' وہ طبیعتاً سست' کاہل اور کام چور تھا' ہر کام کرنا اسے دشوار لگتا کیونکہ اسے محنت کی عادت نہ تھی اور جو انسان خود نکما ہوتا ہے وہ ہمیشہ دوسرے کے پیسے پر نظر رکھتا ہے اور یہی حال فاروق کا تھا' وہ شازیہ کو کئی بار میکے بھجوا کر پیسے منگوا چکا تھا ہمیشہ اس وعدے کے ساتھ کہ وہ پیسے واپس کردے گا' لیکن اس نے کبھی پیسے واپس نہیں کئے تھے' شازیہ کو ہر وقت اپنے بھائیوں کا سامنا کرتے ہوئے احساس ندامت گھیرے رکھتا اب تو اس کے دونوں بھائیوں کا رویہ اس سے تلخ ہوتا جارہا تھا' وہ ان کی نظروں میں اپنے لئے واضح ناگواریت محسوس کرتی تھی اور اب تو اس کی بھابیوں نے بھی دبے دبے لفظوں میں کئی دفعہ اس کے لئے اپنی ناپسندیدگی آشکار کردی تھی' تب سے ہی اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اب کبھی بھی اپنے بھائیوں سے کچھ نہیں مانگے گی' لیکن فاروق اب پھر اسے مجبور کررہا تھا ایک بار پھر بھائیوں کی تلخ باتیں سننا اور بھابیوں کی تمسخرانہ نگاہوں کا سامنا کرنے کا تصور ہی اس کے لئے سوہان روح تھا۔

☆

"میری شاہد سے بات ہوئی ہے فون پر' میں نے اسے تمہاری آمد کے متعلق بتادیا ہے' تم آج شام کو ہی ریحان کو لے کر چلی جاؤ' وہ چھوٹا ہے باقی بچے ادھر ہی رہنے دو میں ان کا خیال رکھ لوں گا"۔

اگلے دن ناشتہ کرتے ہوئے فاروق اس سے ایسے بات کررہا تھا جیسے کل کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو اور یہ تو اس کا ہمیشہ سے معمول رہا تھا کہ وہ اسے جی بھر کے زدوکوب کرتا اور چند گھنٹوں بعد ہی سب کچھ بھول جاتا کیونکہ وہ ان پست سوچ رکھنے والے مردوں کی صف میں آتا تھا جو بیویوں پر رعب جمانا اور ہاتھ اٹھانا اپنی خوبی سمجھتے ہیں۔

"اگر آپ کہتے ہیں تو ان کی طرف سے ہو آؤں گی لیکن میں پیسوں کے متعلق بات نہیں کروں گی"۔ وہ ناشتے سے ہاتھ روک کر اسے جانچتی نظروں سے دیکھتا اس کے تاثرات نوٹ کرنے لگا' اس کا چہرہ اس وقت بالکل سپاٹ تھا اور وہ خاموشی سے ریحان کو پراٹھا کھلانے میں مصروف تھی۔

"بس اب کوئی بحث نہیں' میرا دماغ خراب نہ کرو' تم آج شام کو جارہی ہو"۔ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اگر جاؤں گی تو پیسے نہیں مانگوں گی"۔ وہ پھر گویا ہوئی تو فاروق کے جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی' وہ مشتعل ہوکر اٹھا اور اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اسے جھٹکا دے کر چارپائی سے اٹھایا' وہ درد سے بلبلا اٹھی' بچے ڈر کے ایک دوسرے سے چمٹ گئے۔

"تو پھر اپنا سارا سامان باندھ لو' اگر تم پیسے لے کر آؤ گی تو واپس آجانا ورنہ اپنی یہ منحوس شکل لے کر خالی ہاتھ میرے گھر آنے کی ضرورت نہیں اور ہاں اگر تم ان سے پیسوں کے متعلق بات نہیں کروگی تو میں تم سے اور تمہارے بچوں سے جان چھڑانے میں لمحہ بھر کی بھی دیر نہیں لگاؤں گا"۔ اسے وارننگ دیتے ہوئے اس نے دوبارہ اسے اسی چارپائی کی طرف دھکیل دیا جہاں وہ پہلے بیٹھی تھی اور خود سکون سے ناشتہ کرنے لگا۔ پھر اسے کچھ پتہ نہ چلا کہ کب وہ ناشتہ کرکے باہر چلا گیا......؟ ڈری سہمی مریم نے ناشتے کے برتن اٹھانا شروع کئے......؟ اسے پتہ تھا تو اتنا کہ اس کا دماغ سائیں سائیں کررہا ہے اور وہ پتھر کی مورتی بنی اپنے شریک سفر کے الفاظ پر غور کرتی رہ گئی تھی اور اپنی جگہ پر جیسے منجمد سی ہوگئی تھی۔ فاروق اس کے ساتھ بہت برا سلوک کرتا' جی بھر کے ڈانٹ پھٹکار کرتا لیکن کبھی اسے اتنی سنگین دھمکی نہیں دی تھی۔

کیا اس شخص کے سینے میں دل نام کی کوئی چیز ہے یا صرف پتھر رکھے ہوئے ہیں۔ دکھ کی انتہاؤں کو چھوتی وہ بس اتنا ہی سوچ سکی تھی۔

☆

"آج صبح فاروق بھائی کا فون آیا تھا وہ شاہد سے کہہ رہے تھے کہ آج شازیہ باجی آئیں گی"۔ زوبیہ نے اپنی دیورانی کو خبردار کیا۔

"اچھا...... کہیں شازیہ باجی پیسے لینے تو نہیں آرہی ہیں......؟" سونیا نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"یقیناً وہ پیسے لینے آرہی ہیں اور ان کا کام بھی کیا ہے' ساری عمر ہوگئی ہے بھائیوں کی کمائی پر نظر رکھی ہوئی ہے اب تو پیچھا چھوڑ دیں ہمارے اپنے بھی خرچے ہیں"۔ زوبیہ نے تنک کر کہا۔

"تو اور کیا...... ان کا بس چلے تو یہ ہمارے گھر پر بھی قبضہ کرلیں ویسے اگر فاروق بھائی لالچی طبیعت کے ہیں تو شازیہ باجی بھی کم نہیں ہیں وہ انہیں سمجھا تو سکتی ہیں لیکن میں تو ان کی ڈھٹائی پر حیران ہوتی ہوں کیسے روز پیسے مانگنے آجاتی ہیں' میں ان کی جگہ ہوتی تو مرجاتی لیکن یوں بھائیوں کو تنگ نہ کرتی"۔

"یہ تو ان کو سوچنا چاہئے نا ہمارے شوہر کوئی حرام تو نہیں کماتے' سارا دن محنت کرتے ہیں"۔ شازیہ کو لگا جیسے کسی نے اس کے دل پر خنجر سے وار کردیا ہو' اس کی بھابیاں کتنے آرام سے اس کی ذات کی دھجیاں بکھیر رہی تھیں' وہ جو ابھی سفر طے کرکے آئی تھی دروازہ کھلا دیکھ کر اندر داخل ہوگئی' اس کی بھابیاں اس کی آمد سے بے خبر کچن میں محو گفتگو تھیں اور ان کی آوازیں لاؤنج میں آرہی تھیں وہ دونوں شاید رات کے کھانے کی تیاری کررہی تھیں وہ شام کو گھر سے نکلی تھی اب ہر طرف رات اپنی سیاہی پھیلا چکی تھی۔

"بس میں یہیں سے واپس ہوجاتی ہوں مجھ سے اتنی ذلت برداشت نہیں ہوتی"۔ وہ سوچ رہی تھی۔

"اگر تم نے ان سے پیسوں کے متعلق بات نہیں کی تو میں تم سے اور تمہارے بچوں سے جان چھڑوانے میں لمحہ بھر کی بھی دیر نہیں لگاؤں گا"۔ اس سے پہلے کہ وہ مڑنے کے لئے قدم بڑھاتی فاروق کے کہے گئے لفظوں کی بازگشت نے اس کے پاؤں جکڑ لئے' اس نے بے بسی سے لاؤنج کی کھڑکی سے باہر ہر طرف اپنے پر پھیلائے تاریکی کو دیکھا بالکل ایسی ہی رات کی چادر اس کے چاروں طرف تنی ہوئی تھی۔

"تم دونوں کا کوئی قصور نہیں ہے' قصور تو میرے نصیب کا ہے' جہاں سے تم مجھے دیکھ رہی ہو میں انتہائی بے غیرت اور ڈھیٹ قسم کی عورت نظر آرہی ہوں لیکن تم کیا جانو کہ میں ایک مشرقی بیٹی ہوں جو اپنا گھر بچانے اور اپنے باپ کا شملہ اونچا رکھنے کے لئے ہر طرح کے سمجھوتے کے لئے تیار ہوئی ہے' جو اپنے بچوں کی خاطر اپنا آپ تج دیتی ہے' یہ تمہارا نصیب کہ تمہارا ہاتھ دینے والوں میں سے ہے اور یہ میرا نصیب کہ میرا ہاتھ لینے والوں میں سے ہے' میری طرح تم مجبوریوں کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی نہیں ہو' تم کیا جانو کہ اپنا گھر بچانے کے لئے میں خود کرچی کرچی ہوگئی ہوں اور میری ذات آبلہ پا ہوچکی ہے لیکن پھر بھی میں اپنا بھرم رکھے ہوئے ہوں' میں تو تمہیں وہ اپنے زخم دکھا بھی نہیں سکتی جنہوں نے میری روح کو زخم زخم کردیا ہے کیونکہ روح کے زخم بظاہر نظر نہیں آتے لیکن وہ اندر ہی اندر وجود کو گھائل کرتے رہتے ہیں"۔ اس نے دل ہی دل میں ان سے مخاطب ہوکر تلخی سے سوچتے ہوئے اپنی آنکھوں سے لڑھکتے نمکین پانی کو خاموشی سے اپنی ہتھیلیوں پر جذب کیا۔

"امی! چلنا نہیں کیا......؟" اس کا سب سے چھوٹا بیٹا ریحان جو اس کے ساتھ آیا تھا اتنی دیر سے ماں کو ایک ہی جگہ پر کھڑے دیکھ کر اکتا کر بولا تو وہ جیسے حال کی دنیا میں واپس آئی۔

"چلو بیٹا! آپ کی سونیا مامی اور زوبیہ مامی کچن میں ہیں اس طرف چلتے ہیں"۔ اس نے لہجے میں بشاشت پیدا کی اور اپنی انا اور خودداری کو ایک طرف کرکے اپنے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ کا ماسک چڑھایا اور ریحان کا ہاتھ تھام کر اپنے قدم لاؤنج کے دائیں طرف بنے کچن کی طرف بڑھادیے۔

☆

قسط نمبر 11

سلسلے وار ناول

اعتبارِ عشق

''ضرور چلوں گی آپ کے ساتھ لیکن ابھی نہیں بعد میں''۔ وہ شرماتے ہوئے بولی۔ نفیس کو اس کی شرم و حیا پر اسکی اس کیفیت پر بے اختیار ہنسی آئی' اس نے ایک مکا ان کے بازو پر رسید کر دیا' وہ ہنستے رہے۔ اس نے آہستہ آہستہ البم



کی تصاویر کو نگاہوں میں نقش کرتے ہوئے ان لمحات کو یاد کرتے ہوئے صفحہ پلٹ دیا۔
"کیا کھڑے کھڑے پورا البم دیکھو گی' آؤ بیٹھ جاؤ"۔ نفیس نے لان چیئرز کی طرف آتے ہوئے کہا تو عینی نے البم ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"آپ پلیز...... یہ البم ایک منٹ کیلئے پکڑ لیں"۔
"البم کیوں ہم آپ کو کیوں نہ پکڑ لیں' چلیں آرام سے بیٹھیں"۔ نفیس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنا دوسرا بازو اس کے گرد پھیلا کر اسے آرام سے کرسی پر بٹھا دیا' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
"تھینک یو"۔
"اٹس مائی پلیژر"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے اور اس کے پیچھے کرسی کی بیک پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے اور تصاویر پر اس کے ساتھ ساتھ تبصرہ کرنے لگے۔ آخری صفحے پر صرف ایک تصویر لگی تھی' تین تصویروں کی جگہ خالی تھی۔ ایک نوجوان لڑکے نے نومولود بے بی کو گود میں اٹھا رکھا تھا اور اس کا چہرہ خوشی سے مسکرا رہا تھا۔
"نفیس! یہ کس کی تصویر ہے؟" عینی نے پوچھا۔
"بوجھو تو جانیں"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے تو چند لمحے وہ تصویر کو غور سے دیکھتی رہی' پہچان لیا۔
"ارے یہ آپ ہیں ناں نفیس! بہت ینگ ہیں' آپ ہی ہیں ناں"۔ اس نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولے۔
"ہاں یہ میں ہی ہوں' اب یہ بتاؤ کہ یہ بچی کون ہے؟"
"کون ہے؟" اس نے اُن کا چہرہ دیکھا۔
"یہ تم ہو"۔ نفیس نے اس کی تھوڑی پکڑ کر مسکراتے ہوئے انکشاف کیا۔
"میں......" وہ اتنی حیران ہوئی کہ اس کی آنکھوں کا حسن' چہرے کی معصومیت اور رعنائی دوچند ہو گئی۔ نفیس کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔
"ہاں تم...... یہ تصویر نعیم نے کھینچی تھی ایسی اور بھی تین چار تصویریں ہیں' اس وقت تم صرف تین گھنٹے کی تھیں جب میں نے تمہیں پہلا پیار کیا تھا' تمہیں اپنے سینے سے لگایا تھا"۔ انہوں نے اس کے قریب ہی نیچے لان میں بیٹھ کر اس کی کرسی پر بازو رکھتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بتایا تو وہ مذاق سے بولی۔
"اس کا مطلب ہے کہ شروع دن سے ہی آپ کی نیت میں فتور تھا"۔
"کیا کہا فتور؟" نفیس نے اس کا ہاتھ زور سے دباتے ہوئے کہا۔
"اور کیا جبھی اس چھوٹی سی بچی کو بیوی بنا کر لے آئے"۔
"یہ چھوٹی سی بچی بڑی اور بالغ ہو گئی تھی' جبھی میں نے اسے بیوی بنایا تھا اور فتور...... ارے ہمارے دامنِ دل پر تو کنول کے بعد آپ ہی کی صورت اور محبت نقش ہوئی ہے' بہت پاکیزہ تھا ہمارا پیار آپ کے لیے' تب بھی اور اب بھی...... اتنی ہی پاکیزگی ہے ہماری محبت میں آپ کے لیے جتنی اس رشتے کے تقدس کے حوالے سے ہونی چاہیے"۔ نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"مجھے پتا ہے' یقین ہے' میں نے تو مذاق میں کہا تھا"۔ عینی نے ان کا ہاتھ تھام کر پیار سے کہا۔
"تو میں نے کب مائنڈ کیا ہے جانو!" وہ محبت سے بولے تو وہ انہیں پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی' نفیس بھی اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

"نفیس! میری ایک بات مانیں گے"۔ چند لمحوں بعد اس نے نرم اور مدھم لہجے میں کہا۔
"ضرور مانیں گے' آپ کہہ کر تو دیکھیں"۔ وہ محبت سے بولے۔
"نفیس! اگر مجھے کچھ ہو جائے تو......"
"عینی پلیز! کچھ مت کہنا"۔ نفیس نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔
"نفیس! آپ نے کہا ہے کہ آپ میری بات مانیں گے' پلیز......" وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی تو انہوں نے آہستگی سے کہا۔
"کہو"۔
"نفیس! بیٹا ہو یا بیٹی اگر میں نہ رہوں تو آپ میرے بچے کو ثوبیہ بھابی کی گود میں دے دیجیے گا اس کی پرورش کے لیے"۔
"عینی! میں...... اسے کیا سمجھوں؟" وہ شاک کی کیفیت میں بمشکل بول سکے۔
"میری التجا سمجھ لیں یا وصیت"۔ اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا' نفیس کا تو بہت دیر تک کچھ بولنے کا حوصلہ ہی نہ پڑا۔ وہ صدمے کی کیفیت میں بس اس کی صورت دیکھتے رہے۔ ان کا جسم اس کی اس بات پر زرد اور ٹھنڈا ہو گیا تھا۔
"نفیس! پلیز کچھ کہیے ناں آپ...... مانیں گے ناں میری بات؟" عینی نے ان کے رخسار پر اپنا ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا تو اس کے لمس کی حدت نے ان کے حواس بحال اور بیدار کیے۔
"عینی! بہت حوصلہ ہے تمہارا جو اتنی بڑی بات تم نے اتنی آسانی سے کہہ دی۔ عینی جانی! ایسا کچھ نہیں ہوگا' ڈرو مت' اپنے دل سے خوف نکال دو' تمہیں ہر حال میں زندہ رہنا ہے میرے لئے' تمہیں بچے کی فکر ہے اور مجھے پہلے تمہاری فکر ہے' ایسی باتیں کر کے میرا حوصلہ مت آزماؤ"۔ وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے سینے سے لگا کر پرنم لہجے میں بولے۔
"پلیز نفیس!" عینی نے ملتجی لہجے میں کہا۔
"اوکے...... اوکے"۔ وہ بمشکل اپنے آنسو ضبط کر کے اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے بولے۔
"تھینک یو نفیس! آئی لو یو ویری مچ"۔ وہ بھیگے لہجے میں بولی۔
"محبت کرنے والوں سے ایسی جان لیوا باتیں کرتے ہیں کیا؟" وہ تڑپ کر بولے۔
"آئی ایم سوری نفیس! لیکن کبھی کبھی ایسی باتیں کرنا پڑتی ہیں' آپ کو دکھ دینا میرے لئے موت سے کم نہیں ہے"۔ وہ ان کے ہاتھوں کو اپنے چہرے سے مس کرتے ہوئے بھیگتی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی' نفیس اسے دیکھتے رہ گئے۔

☆

"ممی! دیکھا آپ نے عینی کس طرح نفیس کو اپنی اداؤں سے ساری دنیا سے بے نیاز کیے بیٹھی ہے اور نفیس کو دیکھیں کس طرح اسے پکڑ کر بٹھا رہے تھے' کیسے اسے اپنے ساتھ لگا کر چل رہے تھے' ہنس بول رہے تھے"۔ کنول اور سلمیٰ بیگم نے ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے نفیس اور عینی کو دیکھ لیا تھا۔ اب کنول غصے' حسد اور انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے سلمیٰ بیگم سے کہہ رہی تھی۔
"شکر کرو کہ وہ اپنی بیوی سے یہ رومانس جھاڑ رہا ہے اگر کسی اور کو بانہوں میں لئے پھرتا تو تم کیا کر لیتیں؟" سلمیٰ بیگم نے کھڑکی کے سامنے سے ہٹتے ہوئے کہا۔

''ممی! میں نے اب تک جو کچھ عینی کے ساتھ کیا ہے اس کی جگہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو کب کی گھر چھوڑ کر جا چکی ہوتی اور نفیس سے طلاق لے چکی ہوتی' مگر یہ عینی تو یہ...... انتہائی ڈھیٹ ہے' میری کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا اس پر اور نفیس کی توجہ اور محبت اسے اور بھی نکھار بخشتی جا رہی ہے۔ ممی پلیز! اس کا کوئی بندوبست کریں' میں اب عینی کو مزید اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتی''۔ کنول نے انتقامی اور حاسدانہ لہجے میں غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا تو سلمیٰ بیگم نے آرام سے کہا۔

''تم کیوں کڑھتی ہو' سب معاملہ سیٹ ہو جائے گا' جو آخری ترکیب ہم نے سوچی تھی اب اس پر عمل کرنا ہے' دیکھنا تو سہی وہ کیسے یہ گھر چھوڑ کر بھاگتی ہے''۔

''ممی! گھر چھوڑ کر وہ میکے جا بیٹھے گی اور جب تک وہ میکے میں رہے گی نفیس اسے وہاں سے منا کر لے آئیں گے''۔ کنول نے خدشہ ظاہر کیا۔

''ارے تم ان تصویروں کا کمال دیکھنا' نفیس تو کیا وہ اپنے میکے والوں کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی' اسے اپنی عزت عزیز ہو گی تو یہاں سے اتنی دور چلی جائے گی کہ پھر کبھی نفیس کی زندگی میں آنے کا سوچے گی بھی نہیں اور اگر نفیس وہ تصویریں دیکھ لیں تو اسے جان سے ہی مار ڈالیں گے''۔

''ممی! نفیس کو کچھ نہیں ہونا چاہیے' بس سیدھی طرح عینی کا پتہ صاف ہونا چاہیے' لیکن جلدی اب تو اس کی ڈلیوری کے بھی چند دن رہ گئے ہیں' کسی بھی وقت کام ہو سکتا ہے''۔ کنول نے رازدارانہ اور مدھم لہجے میں کہا تو وہ آہستہ سے بولیں۔

''عینی کا کام تو ڈلیوری یا اس سے پہلے ہی تمام ہو سکتا ہے مگر ہم اس کی موت اپنے سر کیوں لیں اور اگر وہ اس طرح مر گئی تو نفیس میاں تو اس کی موت کا روگ اپنے جی کو لگا لیں گے' اس کی محبت میں ہی تڑپتے رہیں گے' اس کی محبت نفیس میاں کے دل سے نکالنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ عینی زندہ رہے اور وہ اس سے نفرت کرنے لگیں اور اسے اپنی زندگی سے بے دخل کر دیں اور بے دخل تو خیر ہم کر ہی دیں گے' نفرت خود بخود نفیس میاں کو ہو جائے گی عینی سے''۔

''ممی! نفیس کو وہ تصویریں عینی کے یہاں سے جانے کے بعد دکھانی ہیں کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ نفیس جذبات اور غیرت میں آ کر کوئی انتہائی قدم اٹھا لیں اور بات گھر سے باہر' کوٹھی سے کوٹھڑی تک پہنچ جائے''۔ کنول نے آہستہ سے کہا۔

''تم بے فکر رہو' نفیس میاں صرف تمہارے ہو کر رہیں گے' یہ بتاؤ وہ کہیں جائیں گے دو چار دن کیلئے؟'' سلمیٰ بیگم نے آہستہ آواز میں رازداری سے پوچھا۔

''لاہور جانے کا کہہ تو رہے تھے شاید پرسوں جائیں''۔

''تو ٹھیک ہے پرسوں وہ لاہور جائیں گے اور ادھر ہم عینی کو چلتا کریں گے''۔

''نہیں ممی! اس طرح تو نفیس کو شک ہو جائے گا کہ میرے پیچھے ضرور سازش کے ذریعے عینی کو نکالا گیا ہے۔ مجھ پر تو انہیں بہت اعتبار ہے لیکن آپ کے آنے سے وہ ضرور شک میں پڑ جائیں گے اور دوسرا یہ کہ وہ کمبخت عینی' نفیس کے بغیر اس گھر میں ایک دن نہیں ٹکتی۔ نفیس شہر سے باہر جائیں یا سارے دن کیلئے فیکٹری اور آفس کے کام سے باہر رہیں تو وہ محترمہ اپنے میکے جا بیٹھتی ہیں' نفیس واپسی پر اسے ساتھ لے آتے ہیں' مجال ہے جو کمبخت نفیس کے پیچھے یہاں رہ جائے۔ نفیس تو گھر بھی کئی بار فون کر کے اس کی خیریت پوچھتے ہیں' وہ تو ان کے بغیر ایک سانس بھی نہیں لے

سکتی''۔ کنول نے جلے دل کے ساتھ انہیں تفصیل بتائی تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''پھر تو ہمارا کام اور بھی آسان ہو گیا' ادھر ہم عینی کو گھر سے باہر کریں گے' اُدھر وہ ہمیشہ کیلئے دنیا سے باہر ہو جائے گی اور اب تو اس کی حالت ایسی ہے کہ وہ اپنے محبوب شوہر سے جدائی کا صدمہ ویسے ہی برداشت نہیں کر پائے گی اور ملکِ عدم سدھارے گی۔ ہم آج کل میں نہ سہی دو چار دن بعد اپنی منصوبہ بندی پر عمل درآمد کر لیں گے''۔

''ممی! نفیس کو ذرا بھی شک نہیں ہونا چاہیے''۔ کنول نے فکرمندی سے کہا۔

''ارے نہیں ہو گا تم کیوں فکر کرتی ہو' میں آئی کس لئے ہوں سنبھال لوں گی سب اور جیسے میں کہوں اب ویسے ہی کرنا''۔ سلمیٰ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''جی ممی!'' وہ مطمئن ہو کر مسکرا دیں۔

⟡⋯⋯☆⋯⋯⟡

اگلی دوپہر کو عینی کو کنول نے بریانی اور چکن پکانے کا آرڈر دیا تھا سو اسے اس حالت میں بھی کچن میں جا کر کام کرنا پڑا۔ سلمیٰ بیگم نے نظر بچا کر بریانی میں نمک بہت تیز ڈال دیا تھا اور چکن قورمے میں مرچیں ڈال آئی تھیں۔ زبیدہ نے رات کیلئے آلو قیمہ پکایا تھا اور عینی نے سادہ چاول زیادہ بوائل کر لئے وہ بھی رکھ دیئے۔ ٹیبل پر البتہ کنول کی کہی ہوئی ڈشز رکھی گئی تھیں۔ نفیس کو کنول نے دوپہر کے کھانے پر گھر آنے کیلئے کہا تھا۔ ان کی ساس صاحبہ آئی تھیں اس لئے وہ لنچ کرنے گھر آ گئے۔ سب نے کھانا شروع کیا تو نمک کی زیادتی سب ہی کو محسوس ہوئی' عینی بھی حیران ہوئی پھر سلمیٰ بیگم کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر معاملہ سمجھ گئی' چکن میں مرچیں تیز تھیں' بچے سوسو کرنے لگے۔

''یہ آج کھانا کس نے پکایا ہے؟'' نفیس نے بریانی کا لقمہ بمشکل حلق سے اتار کر پوچھا۔

''عینی نے پکایا ہے میرے آنے کی خوشی میں''۔ سلمیٰ بیگم نے بتایا۔

''خوشی میں یا غصے میں''۔ کنول بظاہر لہجہ خوشگوار بنا کر بولیں۔

''اتنا تیز نمک اور سالن میں مرچیں اتنی زیادہ ہیں کہ پوری دیگ پک سکتی ہے ان مرچوں میں''۔

''بیٹا! میں تو کھا لیتی مگر میرا بی پی ہائی ہو جاتا ہے تیز نمک مرچ کھانے سے۔ کنول بیٹا! تم مجھے آملیٹ ہی بنا دو میں اس سے روٹی کھا لوں گی''۔ سلمیٰ بیگم نے بہت نرمی سے کہا۔ عینی کو ان کے اس رویئے پر حیرت نہیں ہوئی البتہ نفیس حیران تھے کہ عینی سے ایسی غلطی کیسے ہو گئی؟

''چلئے ممی! میں آپ کیلئے آملیٹ بنا دیتی ہوں''۔ کنول نے پلیٹ سرکا دی۔

''میں نے تو کنول سے بہت تعریف سنی تھی تمہارے ہاتھ کے پکے کھانوں کی مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا نکلا یا شاید میری زبان ہی ایسی کڑوی کسیلی ہو رہی ہے''۔ سلمیٰ بیگم نے عینی کو دیکھتے ہوئے کہا' وہ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی شرمندہ ہو گئی۔

''زبیدہ! رات کیلئے جو سالن پکایا ہے وہ لے آؤ اور جو سادہ چاول ابلے رکھے ہیں وہ بھی لے آنا اور چٹنی کے بغیر سادہ دہی بھی''۔ عینی نے زبیدہ سے کہا' وہ خود بھی نمک مرچ تیز ہونے پر حیران ہو رہی تھی کیونکہ جب اس نے چکھا تھا تب تو بالکل صحیح ذائقہ تھا' بعد میں تیز کیسے ہوا وہ سوچ رہی تھی۔

''ابھی لائی عینی بی بی!'' زبیدہ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ نفیس نے ابلے ہوئے چاولوں میں چکن قورمہ ملا کر کھایا تو انہیں بہت مزہ آیا۔ روشی اور شان نے بھی ایسا ہی کیا' ساتھ دہی بھی ڈال لی اور... تینوں تو مزے سے کھانے لگے۔

"آنٹی! آپ بھی کھائیں اس طرح سادہ چاولوں میں تیز مرچوں کا پتا نہیں چل رہا ہے، بہت لذیذ ڈش بن گئی ہے"۔ نفیس نے سلمیٰ بیگم سے کہا۔

"نہیں بیٹا! تم کھاؤ میں سینڈوچ کھالوں گی، چلو کنول"۔ وہ کنول کے ساتھ کچن کی طرف چلی گئیں۔

"کھانے میں نمک مرچ کیسے تیز ہوگئیں"۔ نفیس نے عینی سے پوچھا۔

"ابھی تو صرف کھانے میں نمک، مرچ تیز ہوا ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟" وہ مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولی تو انہوں نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں صرف تمہیں تندرست اور سلامت خوش و خرم دیکھنا چاہتا ہوں، سمجھیں"۔

"جی سمجھ گئی آپ کھانا کھائیں"۔

"تم بھی کھاؤ اور تم سے کس نے کہا تھا کہ کچن میں جا کر کھانا پکاؤ"۔

"ممی نے کہا تھا"۔ روشی نوالہ چباتے ہوئے بولی۔

"کمال کرتی ہیں کنول بھی، خود پکا لیتیں اپنی ممی کیلئے کھانا اور ملازمہ کس لیے رکھی ہے، اب دوبارہ میں تمہیں اس کنڈیشن میں کچن میں کام کرتے نہ دیکھوں، اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں، تمہیں خود احتیاط کرنی چاہیے۔ اتنی محنت بھی کی اور نمک مرچ بھی غلطی سے زیادہ ڈال دیا۔ کیا واقعی تم نے زیادہ نمک مرچ ڈالا تھا"۔ نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں"۔ اس نے جواب دیا۔

"پھر زیادہ کیسے ہوگیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"پتا نہیں"۔ وہ بولی تو شان نے کہا۔

"مجھے پتا ہے نانو نے چپکے سے نمک، مرچ ڈال دیا تھا جب ماما آپ کا فون سننے کیلئے باہر گئی تھیں"۔

"او گاڈ! سلمیٰ آنٹی بھی حد کرتی ہیں، فساد اور عناد کی جڑ ہیں، ان کے آنے سے مجھے بڑی کوفت ہوتی ہے"۔ نفیس نے تاسف سے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"آہستہ بولئے وہ سن لیں گی اور پھر سنا بھی دیں گی"۔ عینی نے ان کی کلائی پر ہاتھ رکھ کر مدھم آواز میں کہا تو وہ مسکرا دیے۔

☆

نفیس آفس جانے کیلئے تیار ہو رہے تھے۔ عینی بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھی انہیں پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی، اس کا دل بہت افسردہ اور خوفزدہ ہو رہا تھا۔ زبیدہ نے کنول اور سلمیٰ بیگم کی گفتگو اسے رات ہی بتائی تھی۔ وہ تو جیسے بے بس اور بے دل سی ہو رہی تھی۔ اسے اپنی قسمت پر رونا آ رہا تھا۔ آنے والے وقت اور حالات سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ نفیس کو بتا بھی نہیں سکتی تھی کہ انہوں نے اسے آئندہ اس قسم کی باتیں کہنے، کرنے، سوچنے سے منع کیا تھا۔ انہیں کنول پر بہت اعتبار تھا۔ وہ کیسے ان کا اعتبار توڑ دیتی؟ خود ٹوٹ رہی تھی مگر توڑنے والے کا نام زبان پر نہیں لا سکتی تھی۔ وہ بہت بے بس اور مجبور سمجھ رہی تھی خود کو، کنول اور سلمیٰ بیگم کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو کر اس گھر سے نکلنا، نفیس کی نظروں سے گرنا اسے کسی طور منظور نہ تھا۔ وہ اللہ سے ہی اپنے دل کا حال کہہ رہی تھی اور اسی سے مدد مانگ رہی تھی۔

"عینی میری جان! تم تو مجھے ایسے دیکھ رہی ہو جیسے پھر کبھی میری شکل دیکھنے کا موقع نہیں ملے گا"۔ نفیس

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ کر اس کے پاس آ کر نرمی سے بولے۔

"وقت اور حالات کی کسے خبر ہے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے نفیس! کہ ہم جس کو دیکھے بغیر ایک لمحہ نہیں گزار سکتے، اس کے بغیر ایک عرصہ گزارنا پڑتا ہے"۔

"پھر وہی خوفناک باتیں، کیا بات ہے؟" وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے بولے۔

"بات کہنے کی تو مجھ میں تاب نہیں
نجانے کیوں دل ڈوبا جاتا ہے
تجھ سے دوری کے واسطے میرے گرد
جال سازش کا بُنا جاتا ہے"

عینی نے دل کی بات اشعار میں کہہ سنائی۔

"عینی جانی! جہاں محبت ہو وہاں کوئی سازش کامیاب نہیں ہوتی اور جانو! تم اپنوں کے بیچ ہو کر بھی کیوں خوفزدہ ہو؟" نفیس نے اس کا ہاتھ چوم کر پیار سے کہا۔

"اس کا جواب آپ کو آنے والا وقت دے گا"۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"ڈاکٹر کے پاس لے چلوں"۔

"نہیں...... آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں اب امی کے پاس رہ لوں"۔

"مجھے اعتراض نہیں ہے میں تمہیں خود امی کے پاس چھوڑ آؤں گا لیکن ڈلیوری سے فارغ ہونے کے بعد، پھر بے شک تم وہاں ڈیڑھ ماہ تک آرام سے رہنا، او کے اب میں چلتا ہوں، میری بہت اہم میٹنگ ہے آج، فارن گروپ ہے دعا کرنا کام بن جائے، آج لنچ بھی انہی کے ساتھ کروں گا"۔ نفیس نے اسے پیار سے سمجھانے کے بعد کھڑے ہو کر کہا۔

"نفیس! آج آفس مت جائیں"۔ عینی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ملتجی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"خیریت...... تم تو ہمیشہ مجھے آفس جانے کا کہا کرتی ہو آج نہ جانے کا کیوں کہہ رہی ہو؟" انہوں نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں خیریت رہتی ہے یا نہیں رُک جایئے ناں پلیز"۔

"عینی! آج تو بہت اہم کام کرنے ہیں"۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں آج تو بہت اہم کام کرنے ہیں سب نے"۔ اس کا جملہ اور لہجہ معنی خیز تھا۔ نفیس نے وہی خوف، بے بسی، عدم تحفظ، حسرت اور چھن جانے کا دکھ اس کی آنکھوں میں دیکھا جو وہ پہلے بھی کئی بارہا دیکھ چکے تھے۔

"عینی!" انہوں نے بے چین ہو کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر کر اس کی پیشانی پر اپنے پیار کی مہر ثبت کر دی۔ عینی کو جیسے نئے سرے سے اعتبار اور حوصلہ مل گیا۔

"میں دو گھنٹے بعد واپس آ جاؤں گا فارن ڈیلی گیشن کو ٹائم دیا ہے اس لئے، عینی وقت پر انکار کرنا مناسب نہیں لگتا، باقی کام میں منیجر کو کہہ دوں گا، پریشان مت ہو، تم میرا پیار بھی ہو اور اعتبار بھی، ہر خوف اپنے دل سے نکال دو، تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا، دور بھی نہیں کر سکتا جانو! تم تو میرے دل اور روح میں بسی ہو، چلو مسکراؤ"۔ نفیس نے بہت محبت سے کہا تو وہ ان کی خوشی کیلئے مسکرا دی۔

''گڈ...... تم آرام کرو میں ڈیڑھ دو گھنٹے میں فارغ ہو کر تمہارے پاس آ جاؤں گا اور پھر ہم خوب باتیں کریں گے' شطرنج بھی کھیلیں گے اور تم مجھے ہمیشہ کی طرح مات دے دینا''۔ وہ محبت سے اسے دیکھتے مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ مجھ سے جان بوجھ کر ہار جاتے ہیں''۔ عینی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے تم سے ہارنا اچھا لگتا ہے''۔ انہوں نے ہنس کر کہا تو وہ بھی ہنس پڑی اور وہ گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے اسے اللہ حافظ کہہ کر آفس روانہ ہو گئے۔

''میری بیٹی کی سوکن! اٹھو یہاں سے اور نکل جاؤ میری بیٹی کے گھر سے''۔ نفیس کو گھر سے گئے ابھی بمشکل دس منٹ ہی ہوئے تھے کہ سلمیٰ بیگم نے عینی کے کمرے میں بہت جارحانہ انداز میں داخل ہو کر کہا۔ کنول بھی ان کے ساتھ ہی تھیں۔ عینی کی تو جیسے جان ہی نکل گئی' وہ تو مطمئن ہو گئی تھی کہ دو گھنٹے بعد نفیس آ جائیں گے اور وہ ان کے شر سے محفوظ رہے گی مگر اسے کیا معلوم تھا کہ قیامت پوچھ کر' وقت دیکھ کر نہیں آتی' وہ تو اچانک آتی ہے اور ایک لمحے میں سب کچھ تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔

''یہ گھر میرا بھی ہے''۔ عینی نے اٹھتے ہوئے کہا تو سلمیٰ بیگم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کیوں تمہارے باپ نے تمہارے نام کیا تھا یا اپنے جہیز میں ساتھ لائی تھیں''۔

''یہ میرے شوہر کا گھر ہے میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی''۔

''تمہارے تو آنے والے بھی جانے پر مجبور ہو جائیں گے تم کیا چیز ہو' یہ دیکھو اپنے شاندار کارنامے اور بتاؤ کہ کیا اب بھی نہیں جاؤ گی''۔ سلمیٰ بیگم نے تصویروں والا لفافہ اس کے سامنے پھینک کر خباثت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ...... یہ تصویریں میری نہیں ہیں''۔ عینی نے جونہی پہلی تصویر دیکھی اس کا دل بند ہوتے ہوتے رہ گیا وہ چیخ کر بولی۔

''اپنی شکل بھی نہیں پہچانتیں' آئینہ دیکھ لو''۔ کنول نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''یہ جعلی ہیں' بکواس ہیں یہ سب آپ نے مجھے بے عزت کرنے کیلئے یہ سازش تیار کی ہے' لندن سے یہ تصویریں بنوائی ہیں''۔

''بالکل درست کہا تم نے مائی ڈیئر انوسینٹ عینی! لیکن یہ ثابت کون کرے گا کہ یہ تصاویر جعلی ہیں' دیکھنے والا تو سب سے پہلے تمہیں گولی سے اڑائے گا''۔ کنول نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا''۔ عینی خوف اور بے بسی سے چیخی۔ ان تصاویر میں اس کے ساتھ وکی' بنٹی کے علاوہ ایک اور شخص بھی تھا جسے اس نے کبھی دیکھا تک نہیں تھا۔ پوز انتہائی واہیات تھے۔ اسے اپنی اور اپنے خاندان کی عزت سربازار نیلام ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی پاکیزگی کو کس قدر بے ہودگی کی تصویر بنا دیا تھا' وہ تو شرم سے ہی مری جا رہی تھی۔

''اگر تم یہاں رہیں تو ایسا ضرور ہوگا ہم یہ تصاویر نفیس کو دکھا دیں گے پھر تم خود سوچو کہ وہ تمہیں پیار دینے کی بجائے مار دیں گے اور خود بھی پھانسی چڑھ جائیں گے' تمہاری اور تمہارے میکے کی بدنامی اور ذلت الگ ہوگی''۔ کنول نے اسے ان تصاویر کے نقصانات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے' میری ماں تو مر جائے گی اور نفیس کی نفرت یا موت میں نہیں سہہ سکوں گی' پلیز مجھ پر رحم کریں' میں نے کیا بگاڑا ہے آپ کا؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''اس سوال کا جواب میں تمہیں ہزار بار دے چکی ہوں' پہلے تو تم اکیلی تھیں' اب جائیداد میں ایک اور حصے دار کی آمد ہے اور میں تمہاری اولاد کو اس گھر میں آنے نہیں دوں گی' دفع ہو جاؤ یہاں سے ابھی اور اسی وقت ورنہ تمہارے یہ ناکردہ گناہ تمہاری موت اور ذلت کا سبب بن جائیں گے''۔ کنول نے تلخ اور بے رحم لہجے میں کہا۔

''آپ میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہیں' اللہ تو دیکھ رہا ہے ناں وہ میرے ساتھ انصاف کرے گا' آپ مجھے اس گھر سے تو نکال رہی ہیں لیکن نفیس کے دل سے نہیں نکال سکیں گی' بلکہ خود ان کے دل سے نکل جائیں گی اپنی ان سازشوں کی وجہ سے''۔ عینی نے نفیس کا دیا ہوا البم اٹھا کر سینے سے لگا کر روتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولیں۔

''نفیس کے دل سے میں نہیں تم نکلو گی' تمہارے جانے کے بعد میں نفیس کو یہ تصاویر دکھا دوں گی اور تم خود بخود ان کے دل سے نکل جاؤ گی' سامنے اس لئے نہیں دکھاؤں گی کہ مجھے نفیس کی زندگی عزیز ہے اور میں نہیں چاہتی کہ وہ تمہیں قتل کر کے جیل چلے جائیں' اس لئے اب تم جاؤ یہاں سے اور کبھی ادھر کا رخ بھی مت کرنا''۔

''سوائے اپنے کپڑوں کے یہاں سے کچھ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے''۔ سلمیٰ بیگم نے غصے سے کہا تو اس نے کپڑوں کا وہ بیگ اٹھا لیا جو میرہ بیگم نے اس کے اور اس کے آنے والے بچے کیلئے تیار کیا تھا۔ نفیس کا دیا ہوا البم اور اپنا ہینڈ بیگ اس نے بیگ میں رکھا اور بیگ اٹھایا تو وہ پھسل کر نیچے گر گیا' اس کے ہاتھوں پیروں میں تو جان ہی نہیں رہی تھی بیگ کیسے اٹھاتی؟ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے زبیدہ کو آواز دی' وہ پہلے ہی دروازے سے لگی ان کی باتیں سن رہی تھی فوراً اندر چلی آئی۔

''یہ بیگ باہر پہنچا دو''۔ عینی نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور وہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ عینی نے کمرے کو آخری بار الوداعی نظروں سے دیکھا اور دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

''اور سنو دلہن رانی! میکے جانے کی غلطی مت کرنا''۔ کنول نے طنز سے کہا۔

''تو اور میں کہاں جاؤں گی؟'' اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

''ہماری طرف سے جہنم میں جاؤ مگر نفیس کے سامنے جانے کی حماقت مت کرنا اور اگر تم میکے گئیں تو نفیس وہاں بھی جائیں گے تمہیں لینے' تم سے ملنے اور میں وہ تصاویر تمہارے بھائی جان کو دکھا دوں گی تو جانتی ہو کیا ہوگا؟ تمہارا بھائی تمہیں قتل کر دے گا' آخر غیرت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ تمہاری ماں اس صدمے سے ہی مر جائے گی' بھابی بیوہ اور بھتیجا بھتیجی یتیم ہو جائیں گے' گھر کا واحد کماؤ مرد پھانسی چڑھ جائے گا' بہنیں سسرال سے میکے آ بیٹھیں گی۔ ظاہر ہے ایک بدکردار بہن اور قاتل بھائی کی بہنوں کو کون شریف آدمی اپنے گھر میں بسا کے رکھے گا۔ ذلت' بدنامی' رسوائی' جگ ہنسائی اور تھو تھو تمہارے گھر کا مقدر بن جائے گی' گھر کا چولہا بجھ جائے گا''۔ کنول نے بہت ہی بھیانک اور دلدوز نقشہ کھینچا تھا اس کے سامنے' وہ صدمے اور خوف سے چیخ اٹھی۔

''بس کریں' خاموش ہو جائیں' مجھے اتنا ذلیل مت کریں' جا رہی ہوں میں۔ آپ کو' نفیس کو تو کیا میرے میکے والوں کو بھی کبھی خبر نہیں ہوگی کہ میں کہاں ہوں' زندہ بھی ہوں یا مر گئی۔ ایک احسان کریں مجھ پر' یہ تصاویر میرے میکے والوں کو مت دکھائیے گا آپ کو اپنے بچوں کی قسم ہے کنول آپا! میرے میکے میں یہ تصاویر مت بھیجیے گا پلیز''۔

''ٹھیک ہے یہ احسان میں تم پر ضرور کروں گی' میرا مقصد تو تمہیں نفیس کی زندگی سے نکالنا ہے سو وہ پورا ہو رہا ہے' تم بے فکر ہو کر جاؤ''۔ کنول نے بہت تکبر آمیز اور احسان جتانے والے انداز میں کہا۔

''شکریہ''۔ عینی نے بھیگتے لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل آئی جہاں زبیدہ کھڑی رو رہی تھی۔ عینی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بمشکل قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مت روؤ' بے حسوں کے درمیان رونے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا"۔

"آپ کہاں جائیں گی عینی بی بی!" وہ روتے ہوئے بولی۔

"جہاں تقدیر لے جائے گی"۔ وہ اس کے سہارے باہر آتے ہوئے بولی۔

"شوکت چاچا سے کہیں کہ کوئی ٹیکسی لے آئیں میرے لئے' پیدل کہاں چل سکوں گی میں"۔

"شوکت کو بڑی بیگم صاحبہ نے صاحب کے جاتے ہی بازار بھیج دیا تھا"۔

"پوری منصوبہ بندی کی گئی ہے مجھے اس گھر سے بے گھر کرنے کیلئے' خیر اللہ مالک ہے۔ زبیدہ بی بی! آپ نفیس صاحب کا خیال رکھئے گا"۔ عینی نے خود کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

"اور آپ کا خیال کون رکھے گا؟" آمنہ بھی روتی ہوئی اس کے پاس چلی آئی۔

"اللہ ہے ناں...... جب کوئی ساتھ دینے اور خیال رکھنے والا نہیں ہوتا تب اللہ ساتھ دیتا اور خیال رکھتا ہے' تم میرے لئے دعا کرنا کہ اللہ مجھے حوصلہ مند اور باہمت بنا دے اور آمنہ! اپنا وقت ضائع مت کرنا' پڑھائی جاری رکھنا اور امتحان ضرور دینا"۔ عینی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"عینی باجی! آپ مجھے بہت یاد آئیں گی"۔ آمنہ نے روتے ہوئے کہا۔

"میں جب بھی تمہیں یاد آؤں میرے لئے اللہ سے دعا کرنا"۔

"یہ کیا رونا دھونا لگا رکھا ہے' چلو زبیدہ اندر کام کرو' چلو لڑکی! تم بھی' کوئی جنازہ نہیں جا رہا عینی کا جو یوں ٹسوے بہائے جا رہے ہیں"۔ کنول نے باہر آ کر غصیلے لہجے میں کہا تو عینی نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جاؤ تم لوگ میں بھی چلی ہی جاؤں گی"۔ وہ روہانسی ہوگئی۔

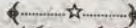
"عینی کا جنازہ ہی تو جا رہا ہے"۔ عینی نے دل میں کہا۔

"عینی بی بی! ہم آپ کیلئے کیا کریں؟" زبیدہ نے روتے ہوئے کہا۔

"صرف دعا"۔ وہ بولی اور گیٹ سے باہر قدم نکالا۔

"عینی بی بی! میں صاحب کو سب سچ بتا دوں گی"۔

"نہیں زبیدہ بی بی! پیار سچا ہو تو دل خود ہی اعتبار بن جاتا ہے۔ جاؤ اللہ حافظ"۔ عینی نے مدھم آواز میں کہا تو وہ اس کا بیگ رکھ کر روتی ہوئی اندر چلی گئی۔ عینی نے اسکول کے بچوں کو لے جانے والی ٹیکسی کھڑی دیکھی تو اس کے ڈرائیور سے بات کر کے ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ اسے کہاں جانا تھا اس کی منزل کہاں تھی اسے نہیں معلوم تھا' وہ تو صرف اتنا جانتی تھی کہ اسے جلد از جلد اس کالونی اور علاقے کی حدود سے باہر نکلنا ہے کیونکہ نفیس جلد آنے کا کہہ کر گئے تھے اور اب وہ ان کا سامنا کرنے کی پوزیشن سے آؤٹ کر دی گئی تھی۔



"ممی! وہ تو چلی گئی ٹیکسی میں بیٹھ کر اب آگے کیا کرنا ہے؟" کنول نے عینی کو ٹیکسی میں بیٹھ کر جاتے ہوئے دیکھا تھا اور اب اندر آ کر سلمٰی بیگم سے پوچھ رہی تھیں۔

"کرنا کیا ہے وہی جو تمہیں سمجھایا ہے' نفیس میاں آتے ہی ہوں گے جونہی وہ دروازے کے قریب پہنچیں تم شروع ہو جانا۔ اپنا اسکرپٹ مت بھول جانا ورنہ ڈرامہ فلاپ ہو جائے گا"۔ سلمٰی بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ڈرامہ فلاپ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ممی! آخر میں بھی آپ ہی کی بیٹی ہوں"۔ کنول نے مسکراتے

ہوئے کہا تو دونوں ہنس پڑیں۔ اسی وقت نفیس کی گاڑی کا ہارن بجا تو دونوں کی ہنسی کو بریک لگ گئی۔

"ممی! نفیس اتنی جلدی گھر آ گئے' وہ تو دو گھنٹے بعد آنے کا کہہ کر گئے تھے"۔

"شکر ہے کہ وہ جا چکی ہے' بس اب تم نفیس کے آتے ہی اپنی اداکاری کا کمال دکھانا شروع کر دینا"۔ سلمٰی بیگم نے جلدی سے کہا اور کنول نے فوراً گلیسرین اپنی آنکھوں میں لگالی۔ آمنہ گیٹ کھول آئی تھی۔ نفیس گاڑی لاک کر کے تیزی سے اندر بڑھ گئے۔ وہ میٹنگ جلد ختم کر کے آئے تھے عینی کی وجہ سے' جونہی وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچے کنول کے رونے اور بولنے کی آواز پر ٹھٹک کر رک گئے۔

"ممی! عینی نے اچھا نہیں کیا وہ ہمارے منہ پر کالک مل کر چلی گئی ہے' اب میں نفیس کو کیا جواب دوں گی' میں نے تو نفیس کی خوشی کی خاطر انہیں عینی سے شادی کی اجازت دی تھی' اسے اپنے ہاتھوں سے دلہن بنا کر اس گھر میں لائی تھی' اتنی محبت سے رکھا تھا میں نے اسے اور نفیس کتنا چاہتے تھے اسے لیکن اس نے کیا صلہ دیا' ہمیں' ہماری چاہت اور محبت کا' اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ چلی گئی۔ وہ بچہ بھی اسی کا ہے۔ اس نے تو مجبوراً نفیس سے شادی کی تھی' اب جب وہ ذلیل آدمی اسے دوبارہ مل گیا تو فوراً بھاگ گئی اس کے ساتھ' یہ بھی نہ سوچا کہ ہماری عزت مٹی میں مل جائے گی' مذہب کا بھی پاس نہ کیا۔ نفیس کو بہت دکھ ہوگا' میں کیا کروں؟ انہیں یہ منحوس خبر سناؤں گی میری تو ہمت نہیں پڑے گی نفیس کو یہ منحوس خبر سنانے کی اور نجانے وہ میرا اعتبار بھی کرتے ہیں یا نہیں"۔ کنول نے بھرپور انداز میں روتے ہوئے لہجے میں کہا' باہر کھڑے نفیس کے سر پر تو جیسے دکھوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا' آسمان گر گیا تھا' ان کا دل اور ذہن یہ ساری باتیں ماننے سے انکاری تھا جو ان کے کان سن رہے تھے۔

"تو کیوں نہیں کریں گے وہ تمہارا اعتبار؟ تمہارا کیا قصور ہے؟ تم نے تو اسے نہیں بھگایا۔ مجھے تو پہلے ہی اس کی نیت پر شک تھا مگر میری یہاں سنتا کون ہے' میں تو مفت میں بدنام ہوں' اب دیکھ لیا اعتبار کرنے اور پیار دینے کا نتیجہ؟ کیسا گل کھلا کر گئی ہیں محترمہ۔ توبہ توبہ اللہ ایسا وقت تو کسی دشمن پر بھی نہ لائے۔ ہائے بیٹا میں تو اس وقت کو رو رہی ہوں جب میں یہاں آئی تھی۔ نفیس میاں تو مجھے الزام دے دیں گے کہ میں نے ان کی چہیتی بیوی کو گھر سے نکال باہر کیا ہے"۔ سلمٰی بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

"نہیں ممی! نفیس بہت اچھے ہیں آپ پر کیوں شک کریں گے' مجھے تو یہ سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے ہیں کہ نفیس پر کیا گزرے گی یہ خبر سن کر' میں انہیں ٹوٹتا' بکھرتا نہیں دیکھ سکتی۔ انہوں نے عینی کو بے پناہ محبت دی ہے اور عینی نے ان کے لیے ذلت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ نفیس کا اعتبار توڑ دیا ہے۔ ہائے میں کیا کروں ممی؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا' وہ تو ہمیں دھکے دیتی باہر نکل گئی۔ میں نے اس گھر کی خوشیوں کیلئے اسے قبول کیا تھا لیکن وہ میرے گھر کی خوشیاں برباد کر کے چلی گئی۔ ممی! میں کیسے بتاؤں گی نفیس کو؟" کنول نے روتے ہوئے کہا تو نفیس بوجھل قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے بولے۔

"تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے میں نے ساری باتیں سن لی ہیں"۔

"س...... نفیس! آ...... آپ......" کنول نے انہیں دیکھتے ہوئے حیران ہونے کی کمال ایکٹنگ کرتے ہوئے ہکلاتے ہوئے کہا۔ نفیس کا چہرہ صدمے سے زرد ہو چکا تھا۔

"آپ آ گئے ہو بیٹا! ذرا اور پہلے آ جاتے تو یہ منحوس واقعہ نہ ہوا ہوتا"۔ سلمٰی بیگم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ممی! جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے' آج نہ ہوتا تو کل یا پرسوں ہو جاتا مگر جو ہوا ہے بہت برا ہوا ہے آپ پلیز کسی سے کچھ مت کہئے گا"۔ نفیس نے بہت حوصلے سے کہا' ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا' روح بے قرار ہو کر جسم

کے پنجرے میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔

''بیٹا! یہ کوئی کہنے کی بات ہے تمہاری اور کنول کی عزت میری بھی عزت ہے' اللہ اس کے حال پر رحم کرے' اسے نیک ہدایت دے''۔ سلمیٰ بیگم نے نفیس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے کہا۔

''نفیس! ہم نے تو اسے بہت روکنا چاہا مگر وہ......'' کنول اتنا کہہ کر پھر رونے لگیں۔

''کون تھا وہ جس کے ساتھ عینی گئی ہے؟''

''معلوم نہیں اس کا فون آیا تھا' عینی پہلے سے تیار بیٹھی تھی باہر گئی تو گاڑی لئے کھڑا تھا اسے بٹھا کر لے گیا''۔ کنول نے روتے ہوئے بتایا۔

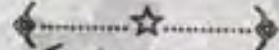
''گاڑی کا نمبر نوٹ کیا تم نے؟''

''اتنا ہوش ہی کہاں تھا ہمیں' اب کیا ہوگا؟'' کنول روتے ہوئے بولیں۔

''اللہ بہتر جانتا ہے''۔ نفیس یہ کہہ کر باہر جانے لگے۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' کنول نے کھڑے ہو کر پوچھا۔

''اسے ڈھونڈنے' اتنی جلدی تو وہ اس شہر سے باہر نہیں جا سکتی' وہ میری عزت ہے اور میں اپنی عزت کسی دوسرے کے ہاتھوں لٹتے نہیں دیکھ سکتا''۔ نفیس نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا اور تیزی سے باہر گئے' گاڑی میں بیٹھے اور گاڑی اسٹارٹ کر کے ''نفیس ولا'' سے باہر نکل گئے۔



''ابھی تو صرف کھانے میں نمک' مرچ تیز ہوا ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟''

''اس کا جواب آپ کو آنے والا وقت دے گا''۔

''پتا نہیں خیریت رہتی ہے یا نہیں' رک جایئے نا پلیز''۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں آج تو بہت اہم کام کرنے ہیں سب نے''۔

نفیس شہر کی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے اسے تلاش کر رہے تھے اور ان کی سماعتوں میں عینی کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔ انہوں نے جھٹکے سے ایک پارک کے قریب گاڑی روک دی۔ ان کا چہرہ سرخ ہو کر جل رہا تھا' غم و غصے کا اثر اتنا شدید تھا کہ ان کے ہاتھوں کی گرفت اسٹیئرنگ پر مضبوط ہونے کے باعث ان کی انگلیاں سفید ہو رہی تھیں' دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ آج کی صبح کا ایک ایک پل جو عینی کے ساتھ گزرا تھا انہیں یاد آ رہا تھا۔ دل اس کی بے گناہی کا شور مچا رہا تھا' دماغ کہہ رہا تھا کہ کنول اور سلمیٰ بیگم جو کچھ ان کی غیر موجودگی میں روتے ہوئے کہہ رہی تھیں وہ بھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ وہ عجیب الجھن میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس کا اعتبار کریں؟ اس کا جو چھوڑ کر چلی گئی؟ یا اس کا جو اس کے جانے پر اشک بہا رہی ہے؟

''عینی کے ساتھ ضرور کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے ورنہ وہ یوں نہیں جا سکتی تھی' وہ تو مجھے روک رہی تھی آفس جانے سے' اس کا ایک ایک لفظ کسی خطرے اور خوف کو ظاہر کر رہا تھا' اسے کس سے خوف آ رہا تھا؟ کون اسے اس گھر سے باہر نکلنے پر مجبور کر سکتا ہے؟ کون ہے وہ؟'' نفیس نے بے بسی سے سوچا۔

''کنول...... نہیں وہ تو خود عینی کے جانے سے رو رو کر ہلکان ہو رہی ہیں' سلمیٰ آنٹی کی باتیں بھی انہیں بے قصور ثابت کر رہی ہیں' آخر قصور وار کون ہے؟ میں نے اپنے کانوں سے جو سنا ہے اسے کیسے جھٹلا دوں؟'' وہ اپنے آپ سے بولے۔

''بعض اوقات آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا بھی سچ نہیں ہوتا بلکہ سچ پہ بڑا پردہ ہوتا ہے اور اس پردے کے پیچھے چھپے سچ کو جاننے کیلئے انسان کو اپنے فہم و ادراک کو بہت ذہانت کے ساتھ عمل میں لانا پڑتا ہے''۔ عینی کی کہی ہوئی یہ بات ان کے کانوں میں گونجی تو وہ اندر سے چونک سے گئے۔

''عینی نے یہ کیوں کہا تھا؟ اس کی معنی خیز اور ذومعنی باتوں میں کس کی جانب اشارہ ہوتا تھا...... کنول اور سلمیٰ آنٹی؟'' نفیس نے اپنے آپ سے سوال کرتے ہوئے کہا' ان کے ذہن میں ایک ایک کر کے کنول کا رویہ اور عینی کی باتوں کا ریکارڈر چلنے لگا۔

''میں عینی کو بدکردار تصور بھی نہیں کر سکتا اور کنول کو شک کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا' لیکن مجھے کنول کے رویئے اور عینی کی باتوں میں مماثلت ڈھونڈنے کیلئے کنول کو ابھی سے قصوروار نہیں ٹھہرانا چاہیے' ہو سکتا ہے کہ میرا وہم غلط ہو۔ مجھے وقت کا انتظار کرنا چاہیے لیکن عینی کہاں ہوگی اس وقت' وہ مجھ سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔ میری عینی بے وفا نہیں ہے' اس کی محبت میں کتنی معصومیت جھلکتی تھی' وہ خود سے مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتی' اس کے جانے کا سبب ضرور بہت سنگین ہوگا اور یہ سب مجھے پتا لگانا ہے اور عینی کو بھی ڈھونڈنا ہے۔ پھپھو جان کے سامنے میں کیا جواب دوں گا' کیا بتاؤں کہ میں ان کی عینی کی حفاظت نہیں کر سکا' اسے خوش نہیں رکھ سکا اور وہ کہاں چلی گئی میں نہیں جانتا؟ او خدایا! رحم کر مجھ پر میں تو عینی کی دوری سہنے کا حوصلہ نہیں پا رہا تو ان لوگوں کے سوالوں کے جواب کیسے دے پاؤں گا''۔ نفیس نے پرنم لہجے میں کہا اور اپنے آنسو پلکوں سے پیچھے دھکیلتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ساری سڑکیں' اسپتال' فلاحی مراکز سب جگہ انہوں نے عینی کو تلاش کیا مگر عینی کہیں نہ ملی۔

رات کو وہ ٹوٹے پھوٹے' لٹے لٹے سے تھکے ہارے گھر پہنچے تو کنول نے بہت محبت سے فکرمندی سے ان کا استقبال کیا۔ ان کے کپڑے نکالے' ان کیلئے سوپ بنا کر لے آئیں جو نفیس نے پینے سے انکار کر دیا۔

''نفیس پلیز! کچھ کھالیں آپ نے دوپہر بھی کچھ نہیں کھایا تھا' آپ کیوں اپنی جان ہلکان کر رہے ہیں۔ عینی تو بے وفائی کر گئی' آپ کو دکھ دے کر چلی گئی مگر میں تو ہوں ناں؟ آپ کے پاس۔ کاش میں آپ کا یہ دکھ سمیٹ سکتی' پلیز کچھ کھالیں یہ سوپ ہی پی لیں' مجھ سے آپ کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی' ابھی تو چند گھنٹے ہوئے ہیں عینی کو گئے ہوئے' ساری زندگی پڑی ہے' پلیز سنبھالیں خود کو''۔ کنول نے ان کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے روتے ہوئے کہا تو وہ دکھ بھرا سانس لے کر بولے۔

''ساری زندگی نجانے کتنے دنوں یا مہینوں پر مشتمل ہو' میں نے بہت چاہا ہے عینی کو اور یہ چاہت تو دوری سے ختم نہیں ہوگی شاید میں ہی ختم ہو جاؤں''۔

''اللہ نہ کرے نفیس! ایسی باتیں مت کریں' آپ کو میرے لئے' بچوں کیلئے زندہ رہنا ہے''۔ کنول نے ان کے شانے پر سر رکھ کر روتے ہوئے کہا۔

''ہاں اتنا حوصلہ بھی تو ملے اللہ سے' پلیز روؤ نہیں مجھ میں تمہارے آنسو سمیٹنے کا حوصلہ نہیں ہے' میں تو خود آنسوؤں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ عینی نے یہ کیا کیا؟ کیوں چلی گئی؟ اس کی تو حالت بھی ایسی نہیں تھی کہ طویل سفر کر سکے' کہاں گئی ہو گی وہ؟'' نفیس نے ان کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کمزور لہجے میں کہا۔

''آپ کیوں اس کی فکر کر رہے ہیں' جو اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے وہ موجود ہوگا اس کی فکر کرنے کیلئے' آپ اپنی فکر کریں لیں یہ سوپ پئیں میں کھانا بھی گرم کر کے لاتی ہوں''۔ کنول نے انہیں سوپ کا پیالہ پکڑا دیا اور آنسو صاف کرتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ نفیس کو عینی یاد آ رہی تھی۔

"عینی! تم کس کی سازش کا شکار ہوئی ہو؟ کہاں ہو؟ سنو میری زندگی! مجھے تم پر اعتبار ہے پلیز لوٹ آؤ' میں مر جاؤں گی میرا دل بند ہو جائے گا' عینی پلیز...... لوٹ آؤ"۔ نفیس نے سوپ کا پیالہ واپس رکھ دیا اور بے قرار ہو کر عینی کو پکار کر بولے اور پھر اٹھ کر اس کے کمرے میں آ گئے جہاں ویرانی' اداسی اور بے بسی چھائی ہوئی تھی۔ نفیس کے دل پر چوٹ سی لگی' وہ عینی کے بستر پر بیٹھے جہاں وہ سویا کرتی تھی اس جگہ وہ آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ پھیرنے لگے' ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں اور وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے پُرنم آواز میں بولے۔

"عینی! تمہیں روتے ہوئے مرد اچھے نہیں لگتے نا' تم نے کہا تھا کہ تم مجھے رونے نہیں دو گی' تو پلیز واپس آ جاؤ ورنہ میں رو پڑوں گا' مجھ سے یہ آنسو نہیں سنبھالے جاتے' مجھے مت رلاؤ عینی! واپس آ جاؤ"۔

"نفیس! آپ یہاں آ گئے' چلئے کھانا کھا لیجیے"۔ کنول نے انہیں وہاں بیٹھا دیکھا تو جل گئیں مگر بہت اپنائیت سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ بولے۔

"کنول! مجھے بھوک نہیں ہے پلیز تم جا کر سو جاؤ میں یہیں سوؤں گا"۔

"یہاں آپ کو نیند نہیں آئے گی"۔

"نیند تو مجھے وہاں بھی نہیں آئے گی"۔ وہ دکھ سے بولے' کنول کو ان کی حالت پر سچ مچ دکھ ہونے لگا۔ وہ چاہتی تھیں کہ وہ جلد از جلد عینی کو بھول جائیں اور خوش رہیں۔

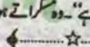
"چلیں جیسے آپ کی مرضی مگر پلیز اپنے دل کو روگ مت لگائیں اس بدکردار لڑکی کی بے وفائی کا۔ وہ تو مزے میں ہو گی آپ ناحق اس کیلئے تڑپ رہے ہیں"۔ کنول نے بہت نرم لہجے میں کہا مگر نفیس کو ان کا عینی کو "بدکردار" لڑکی کہنا بہت ناگوار گزرا لیکن بولے کچھ نہیں' ہمت ہی نہیں تھی کچھ بولنے کی۔ وہ ان کے سامنے گئی تھی وہ کیا کہتے اس کی حمایت میں؟ وہ تو ابھی تک یقین اور بے یقینی کی سی کیفیت میں مبتلا تھے۔

"کھانا کھا لیا نفیس نے؟" سلمیٰ بیگم نے پوچھا۔

"نہیں ممی! وہ تو عینی کے کمرے میں جا کر اس کا سوگ منا رہے ہیں"۔ کنول نے جلتے ہوئے کہا۔

"دو چار دن سوگ منانے دو' اگر تب بھی عینی کو پاکیزہ' باوفا' باکردار اور معصوم سمجھتے رہے تو وہ تصاویر دکھا دینا' آپ ہی آپ عینی سے نفرت کرنے لگیں گے اور ہاں اب تم نفیس میاں کی خوب دلجوئی اور خدمت کرو تا کہ وہ یہی سمجھیں کہ تم ہی ان کی حقیقی خیر خواہ اور چاہنے والی باوفا بیوی ہو"۔ سلمیٰ بیگم نے انہیں مزید مشورے دیتے ہوئے کہا۔

"جی ممی! میں سمجھ رہی ہوں کے مجھے اب کیا کرنا ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولیں اور سونے کیلئے اٹھ گئیں۔



صبح بہت دیر سے نفیس کی آنکھ کھلی۔ رات بھر وہ بے قراری کے عالم میں عینی کو یاد کرتے کروٹیں بدلتے رہے تھے۔ وہ بہت بے دلی سے تیار ہوئے تو کنول ان کیلئے ناشتہ لے آئیں لیکن انہوں نے کرنے سے انکار کر دیا۔

"نہیں دل نہیں چاہ رہا"۔ نفیس نے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نفیس! کیا ہم آپ کے کچھ نہیں لگتے؟ عینی کے جانے سے کیا ہم بھی آپ کی زندگی سے چلے گئے ہیں"۔ کنول نے آنکھوں میں باقاعدہ آنسو لا کر کہا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو کنول! مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کو بھی گنوا دوں' تم سب سے میں بہت پیار کرتا ہوں اور یہ تم اچھی طرح جانتی ہو"۔ نفیس نے ان کے شانوں کو تھام کر ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

"تو ہماری خاطر اپنا خیال بھی رکھیں' چلیں ناشتہ کریں ورنہ ہم سب بھی بھوک ہڑتال کر دیں گے"۔ کنول نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر روتے ہوئے کہا۔

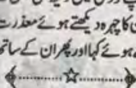
"پلیز کنول! رونا بند کرو ٹھیک ہے میں ناشتہ کر لیتا ہوں' مجھے تمہاری ناراضگی نہیں تسلی چاہیے' تمہارا ساتھ چاہیے اس تکلیف دہ صورتحال سے نکلنے کیلئے"۔ نفیس نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں نفیس! آپ خود کو تنہا مت سمجھیں۔ عینی نہ سہی میں ہوں آپ کو پیار اور توجہ دینے کیلئے' میری محبت آپ کے لئے اہم ہے تو پلیز پہلے کی طرح ہو جائیں' بھول جائیں عینی کو' ورنہ میں سمجھوں گی کہ میری محبت میں کمی اور کھوٹ ہے"۔ کنول نے پُرنم لہجے میں کہا۔

"کم آن کنول! ہمیں کبھی ایک دوسرے سے اپنی محبت کی سچائی کی گواہی دینے کی ضرورت تو پیش نہیں آئی تھی' میں تمہیں جانتا ہوں اور تم مجھے۔ آج کے بعد یہ بات مت کرنا' یہ رشتہ محض پیار کا ہی نہیں اعتبار کا بھی ہے' ہمیں ایک دوسرے کے پیار پر اعتبار کرنا ہے ہمیشہ کی طرح۔ چلو اب ناشتہ کرو میرے لئے چائے بناؤ"۔ انہوں نے ان کے شانوں کو مضبوطی سے تھام کر سنجیدگی سے کہا۔

"آئی ایم سوری نفیس! دراصل میں آپ کو دکھی نہیں دیکھ سکتی' اس لئے شاید اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ باتیں کہہ دیں' آئی ایم سوری"۔ کنول نے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"اٹس آل رائٹ"۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ان کے ساتھ چلے گئے۔



ناشتہ کر کے نفیس میڈم خدیجہ سے ملنے اسکول آئے۔

"السلام وعلیکم میڈم!" نفیس نے ان کے آفس میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"وعلیکم السلام نفیس! آؤ بیٹا کیا حال ہے؟" میڈم خدیجہ نے خوشدلی سے کہا۔

"حال تو بے حال ہو گیا ہے میڈم!" نفیس نے بے اختیار معنی خیز جملہ بولا۔

"کیا مطلب؟" میڈم خدیجہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کچھ نہیں میڈم! آپ کے پاس عینی تو نہیں آئی؟"

"عینی...... نہیں تو' کیا اس نے آنا تھا یہاں؟"

"جی...... جی ہاں وہ کہہ تو رہی تھی کہ آپ سے مل کر میکے جائے گی' میں یہاں سے گزر رہا تھا سوچا اسے بھی ساتھ لیتا جاؤں' ہو سکتا ہے وہ سیدھی میکے ہی چلی گئی ہو"۔ نفیس نے اپنی شکست خوردہ اور تکلیف دہ کیفیت چھپاتے ہوئے فوراً بہانہ بناتے ہوئے کہا تو میڈم خدیجہ نے مسکرا کر کہا۔

"بہت دن ہو گئے ہیں اس سے ملاقات نہیں ہوئی' مجھے تو اسکول اور گھر کے کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی' انشاء اللہ وقت نکال کر آؤں گی کسی دن اور آپ کا بزنس کیسا چل رہا ہے؟"

"اب تو لگتا ہے جیسے سب کچھ رک سا گیا ہے"۔ وہ عینی کی جدائی کے غم میں کھوئے ہوئے بولے تو میڈم خدیجہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"نفیس بیٹا! کوئی پریشانی ہے کیا؟"

"جی میڈم! آپ دعا کیجیے یہ پریشانی ختم ہو جائے' سب کچھ بہتر ہو جائے"۔

"آمین! اور آپ مجھے آنٹی کیوں نہیں کہتے' میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ عینی مجھے اپنی نشاء کی طرح عزیز ہے اور اس کے رشتے سے آپ میرے داماد بھی ہوئے اور بیٹے بھی۔ آپ مجھے آنٹی کہا کریں اور میرے لائق کوئی کام ہو ضرور بتایئے گا"۔ میڈم خدیجہ نے پورے خلوص سے کہا۔

"بہت شکریہ آنٹی! مجھے آپ کی دعائیں چاہئیں اور بچوں کی پڑھائی سے تو آپ مطمئن ہیں ناں؟" نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں نے ان کی کلاس ٹیچر سے پوچھا تھا ماشاء اللہ بچے اپنی پڑھائی میں کلاس فیلوز کے برابر ہیں اور کلاس ٹیسٹ میں ہمیشہ اول یا دوم پوزیشن حاصل کرتے ہیں"۔ میڈم خدیجہ نے خوشی سے بتایا۔

"تھینکس گاڈ......اوکے آنٹی! اجازت دیجئے"۔ وہ کھڑے ہو گئے اور باہر چلے گئے۔

"وہ خود نہیں گئی اسے جانے پر مجبور کیا گیا ہے؟" ان کے دماغ نے کہا۔

"کون مجبور کر سکتا ہے اسے؟" وہ خود سے سوال کر رہے تھے۔

"اس کی باتیں یاد کرو خود ہی سمجھ جاؤ گے کہ وہ ظالم ہاتھ کس کا ہے؟" ان کے دماغ نے مشورہ دیا تو ان کے ذہن میں عینی کی باتیں پھر سے گونجنے لگیں۔

"سلمٰی آنٹی آ گئی ہیں"۔

"اب تو وہ کچھ کرنے کے ارادے سے یہاں آئی ہیں"۔

"یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے اور دکھائے گا"۔ وہ سوچنے لگے۔

"اس کا مطلب ہے کہ عینی کے گھر سے جانے میں سلمٰی آنٹی کا ہاتھ ہے' میں کیوں اعتبار کے حصار میں قید رہا' کیوں نہیں سمجھنے کی کوشش کی میں نے عینی کی باتوں میں چھپے مفہوم کو۔ محض اس خیال سے اپنے شک کا اظہار نہ کیا کہ اگر وہ شک ہی نکلا تو کنول ہرٹ ہو جائے گی اور مجھے نادم ہونا پڑے گا اس کے سامنے۔ کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا' اسی وقت بات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کی ہوتی' آج حالات بہت مختلف ہوتے۔ میرے اپنوں نے مجھے دھوکا دیا' دکھ دیا ہے' میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ عینی معصوم ہے' بے گناہ ہے' وہ بہت پیار کرتی ہے مجھ سے' میرے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتی۔ اللہ کرے کہ وہ پھپھو جان کے پاس ہو"۔ نفیس نے "عظیم ہاؤس" کے قریب اپنی گاڑی روک دی اور دیر تک سوچوں میں گھرے رہنے کے بعد ہارن بجایا۔ سمیرہ بیگم نے گیٹ کھولا تو وہ گاڑی باہر ہی لاک کر کے خود اندر چلے گئے۔

"السلام وعلیکم پھپھو جان!" انہوں نے انہیں دیکھتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! جیتے رہو' آؤ اندر آ جاؤ"۔ سمیرہ بیگم نے ان کے سر پر دستِ شفقت پھیر کر کہا تو وہ خاموشی سے ان کے ساتھ اندر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

"السلام وعلیکم نفیس بھائی!" ثوبیہ بھابی نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"وعلیکم السلام بھابی! کیا حال ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے آپ سنائیں' کچھ پریشان پریشان سے دکھائی دے رہے ہیں"۔ ثوبیہ بھابی نے ان کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"نفیس بیٹا! کیا بات ہے تم عینی کو ساتھ نہیں لائے"۔ سمیرہ بیگم نے شفقت سے پوچھا۔

صدف سعد

ردا کی ڈائری

سحر انجم کی ڈائری سے

سیما سراج کی نظم

دیکھ گردشِ زمانہ میں
کوئی فرق نہیں آیا
سورج کی کرنیں
آج بھی
دیوار سے اتر کر
میری کھڑکی تک آتی ہیں
چاند بھی
ساری رات میرے صحن میں چمکتا ہے
مرجھائے ہوئے پھولوں کی جگہ
تازہ گلاب کھلتے ہیں
فرق صرف اتنا ہوا ہے
وہ لڑکی
جو سرِ شام
تمہاری آہٹ کی منتظر رہتی تھی
رات بھر
اپنے بکھرے ہوئے خوابوں کی
کرچیاں چنتی رہتی ہے

ریحانہ نور چمن کی ڈائری سے

نازیہ کنول نازی کی نظم "بنت حوا"

دنیا کے لئے "رونق بازار" ہوئی ہے
خود اپنے لئے باعث آزار ہوئی ہے
ہو کر کبھی کالی' کبھی کاری' کبھی ونی
فرسودہ روایات کا شکار ہوئی ہے
بیٹی جنے کو کوسنے اس کا نصیب ہیں
بیٹے کو جن کے بھی سدا خوار ہوئی ہے
اپنی مرضی' کبھی اس کی نہیں رہی
یہ خون کے رشتوں پہ ہی نثار ہوئی ہے
زندہ کبھی زمین میں دیا جاتا ہے اس کو گاڑ
ہو کر کبھی ستی یہ نذر نار ہوئی ہے
جیون کے ہر اک موڑ پر خود کو مٹا کر
اس بنت حوا کی سدا ہار ہوئی ہے
صدیوں پرانی بات ہو یا آج کا قصہ!
ہر عہد کی عورت سدا لاچار ہوئی ہے
اپنے کبھی جذبے کبھی ارمان دفنا کر
بھائی تو کبھی باپ پر نثار ہوئی ہے
کر کے فنا خود کو رکھتی ہے سب کو خوش
وائے نصیب پھر بھی گنہگار ہوئی ہے
ہے حسن کائنات اور جنت کا وسیلہ
پھر بھی یہ ہمیشہ تار تار ہوئی ہے
ہر رشتے نے تکلیف سے اس کو کیا دوچار
ہر آن مصائب سے ہمکنار ہوئی ہے

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

نوشی گیلانی کی غزل

اب کس سے کہیں اور کون سنے جو حال تمہارے بعد ہوا

اس دل کی جھیل سی آنکھوں میں اک خواب بہت برباد ہوا
یہ ہجر ہوا بھی دشمن ہے اس نام کے سارے رنگوں کی
وہ نام جو میرے ہونٹوں پر خوشبو کی طرح آباد ہوا
اس شہر میں کتنے چہرے تھے کچھ یاد نہیں سب بھول گئے
اک شخص کتابوں جیسا تھا وہ شخص زبانی یاد ہوا
وہ اپنے گاؤں کی گلیاں تھیں دل جن میں ناچتا گاتا تھا
اب اس سے فرق نہیں پڑتا ناشاد ہوا یا شاد ہوا
بے نام ستائش رہتی تھی ان گہری سانولی آنکھوں میں
ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا دل اب جتنا بے داد ہوا

حنا تبسم کی ڈائری سے

قتیل شفائی کی غزل

اس ادا سے بھی ہوں میں آشنا تجھے اتنا جس پہ غرور ہے
میں جیوں گا تیرے بغیر بھی مجھے زندگی کا شعور ہے
نہ ہوس مجھے مئے ناب کی نہ طلب صبا و سحاب کی
تری چشم ناز کی خیر ہو مجھے بے پیئے ہی سرور ہے
جو سمجھ لیا تجھے بے وفا تو پھر اس میں تیری بھی کیا خطا
یہ خلل ہے میرے دماغ کا یہ مری نظر کا قصور ہے
کوئی بات دل میں وہ ٹھان کے نہ الجھ پڑے تری شان سے
وہ نیاز مند جو سر بہ خم کئی دن سے تیرے حضور ہے
میں نکل کے بھی ترے دام سے نہ گروں گا اپنے مقام سے
میں قتیل جور و ستم سہی مجھے تم سے عشق ضرور ہے

تعظیم ملک کی ڈائری سے

عبیداللہ علیم کی غزل

بنا گلاب تو کانٹے چبھا گیا اک شخص
ہوا چراغ تو گھر ہی جلا گیا اک شخص
تمام رنگ مرے اور سارے خواب مرے
فسانہ تھا کہ فسانہ بنا گیا اک شخص
میں کس ہوا میں اڑوں کس فضا میں لہراؤں
دکھوں کے جال ہر اک سو بچھا گیا اک شخص
پلٹ سکوں میں نہ آگے ہی بڑھ سکوں جس پر
مجھے یہ کون سے رستے لگا گیا اک شخص
محبتیں بھی عجب اس کی نفرتیں بھی کمال
مری طرح کا ہی مجھ میں سما گیا اک شخص
وہ ماہتاب تھا مرہم بدست آیا تھا
مگر کچھ اور سوا دل دکھا گیا اک شخص
کھلا یہ راز کہ آئینہ خانہ ہے دنیا
اور اس میں مجھ کو تماشا بنا گیا اک شخص

نورین نور کی ڈائری سے

محسن نقوی کی غزل

بچھڑ کے مجھ سے کبھی تو نے یہ بھی سوچا ہے
ادھورا چاند بھی کتنا اداس لگتا ہے
یہ ختم وصل کا لمحہ ہے رائیگاں نہ سمجھ
کہ اس کے بعد وہی دوریوں کا صحرا ہے
کچھ اور دیر نہ جھڑنا اداسیوں کے شجر
کسے خبر تیرے سائے میں کون بیٹھتا ہے
یہ رکھ رکھاؤ محبت سکھا گئی اس کو
وہ روٹھ کر بھی مجھے مسکرا کے ملتا ہے
کچھ اس قدر بھی تو آساں نہیں ہے عشق تیرا
یہ زہر دل میں اتر کر ہی راس آتا ہے
میں تجھ کو پا کے بھی کھویا ہوا سا رہتا ہوں
کبھی کبھی تو مجھے ٹھیک تو نے سمجھا ہے
اسے گنوا کے میں زندہ ہوں اس طرح محسن
کہ جیسے تیز ہوا میں چراغ جلتا ہے

☆☆☆☆☆
☆☆☆

اشعار

عانیہ نیازی .... ربوہ

دنیا کا تو آغاز وفاؤں سے ہوا تھا
جنت کی دل آویز فضاؤں سے ہوا تھا
اک بھول کو کہتے ہیں خطا کیا ہے مناسب
تہمت ہے کہ آغاز خطاؤں سے ہوا تھا

فرزانہ شوکت .... کراچی

وہ آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے
ڈھونڈتا تھا جسے وقت کی دیوار گرا کر
وہ تو خوشبو ہے اجالا ہے سحر کا پھر بھی
شام بن کر میری آنکھوں میں اتر جاتا ہے

شمع پروین .... فیصل آباد

سحر کے خواب کا مجھ پر اثر کچھ دیر رہنے دو
کسی کے حال کی مجھ کو خبر کچھ دیر رہنے دو
بڑے ہیں ان سے نادیدہ پرانے بام و دروازے
نئے شہروں میں ویران گھر کچھ دیر رہنے دو

دھنک ناز .... کراچی

اپنی رسوائی ترے نام کا چرچا دیکھوں
اک ذرا شعر کہوں اور میں کیا کیا دیکھوں
نیند آ جائے تو کیا محفلیں برپا دیکھوں
آنکھ کھل جائے تو تنہائی کا صحرا دیکھوں

صبا رضا .... ہری پور ہزارہ

سجدے میں گئی تو مجھے رخ یار نظر آیا
جب سر اٹھایا تو کچھ بھی ہاتھ نہ آیا

طوبیٰ رضا .... بہاولپور

ابھرتی ہیں راہوں سے کرنوں کی لہریں
سسکتی ہیں پرچھائیاں میرے دل میں
وہی نور کی بارشیں کاخ و کو پر
وہی جھٹپٹے کا سماں میرے دل میں

ماہ رخ خان .... لیہ

اسیر بزم ہوں خلوت کی جستجو میں ہوں
میں اپنے آپ سے ملنے کی آرزو میں ہوں
مری سرشت میں رنگِ بہار ہے لیکن
بہت دنوں سے کسی باغ بے نمو میں ہوں

حنا نسیم .... کراچی

اس کی مرضی کے سوا اے چشم تر کیا مانگتے
مانگنے والے دعائے بے اثر کیا مانگتے
شہر یاروں نے دیا موقع نہ عرض حال کا
ورنہ ہم صحرا بسر شیشے کا گھر کیا مانگتے

رفعت حسن .... حیدر آباد

بادباں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا
میں سمندر دیکھتی ہوں تم کنارہ دیکھنا
یوں بچھڑنا بھی بہت آساں نہ تھا اس سے مگر
جاتے جاتے اس کا وہ مڑ کر دوبارہ دیکھنا

سحر انجم .... کراچی

سکوت وشت تنہا کی فقط اتنی کہانی ہے
کوئی ہے جیت پر حیراں میں اپنی مات میں گم ہوں

.... ☆☆☆ ....

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

دنیا پرست عابد:

بیان کیا جاتا ہے' ایک شخص کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ بہت زیادہ نیک ہے' ہر وقت اللہ پاک کی عبادت کرتا رہتا ہے' بادشاہ نے اس کی شہرت سنی تو اس کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارا دل چاہتا ہے آپ کی زیارت کریں۔ ہو سکے تو کسی دن ہماری یہ خواہش پوری کیجیے اور ہمارے دربار میں تشریف لائیے۔

یہ شخص عبادت گزار تو واقعی تھا لیکن اس کی یہ ساری محنت صرف لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے تھی۔ بادشاہ کا پیغام ملا تو دل میں بہت خوش ہوا۔ سوچا بادشاہ ضرور انعام و اکرام سے نوازے گا۔ یہ سوچ کر اس نے فیصلہ کیا کہ بادشاہ کے پاس جانے سے پہلے کوئی ایسی دوا پی لینی چاہیے جس سے کسی قدر کمزور ہو جاؤں' مجھے نحیف و نزار دیکھ کر بادشاہ کو یقین آ جائے گا کہ میں واقعی بہت زیادہ عبادت کرتا ہوں۔

اپنے دل میں یہ فیصلہ کر کے اس نے ایک دوا پی لی لیکن اس سلسلے میں اس سے غلطی یہ ہوئی کہ کمزور کر دینے کی دوا کی جگہ ایسا زہر پی لیا جو آدمی کو فوراً ہلاک کر دیتا ہے چنانچہ وہ ریاکار زاہد فوراً ہلاک ہو گیا۔

وضاحت: حضرت سعدیؒ نے حکایت میں دنیا پرست عابدوں کی مذمت کی ہے اور ایک ریاکار کی مثال دے کر یہ بتایا ہے کہ ایسی ہر ایک بات جو صرف مخلوق کو خوش کرنے کے لیے ہو زہر پینے کی مانند ہے کہ اس کا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔ عبادت کی اصل روح اور اصل مقصد تو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ انسان کا رشتہ اس طرح استوار ہو جائے کہ کوئی اور رشتہ ویسا مضبوط نہ ہو۔

حضرت سعدیؒ کی کتاب گلستان سعدی سے انتخاب

نائلہ اسحاق......لاہور

جیب کترا

دہلی میں ایک جیب کترا تھا جس کا انگوٹھا قینچی کے پھل کی طرح دودھارا تھا۔ اس نے کلمے کی انگلی بھی پتھر پر گھس گھس کر شیشے کی مانند سخت کر لی تھی۔ بس جہاں اس کی انگلی لگ جاتی تو قینچی کو پیچھے چھوڑ دیتی تھی۔ ایک صاحب کوئی باہر کے خواجہ حسن نظامی کے ہاں آئے اور شکایت کی کہ "دہلی کے جیب کتروں کی بڑی سنی تھی۔ آج ہمیں دہلی کے بازاروں میں پھرتے چار دن ہو گئے لیکن کسی کو مجال نہیں ہوئی کہ ہماری جیب کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ لے"۔

خواجہ صاحب نے اس چابک باز کو بلوایا اور ان صاحب سے چابک باز کا آمنا سامنا کرایا۔ اس ہنر مند نے

مسکرا کر کہا: "خواجہ صاحب! میرے شاگردوں نے ان صاحب کا حلیہ بتایا تھا۔ چار دن سے انگرکھے کے اندر کی جیب میں پیتل کے آٹھ ماشے وزن کے سکے ڈالے گھوم رہے ہیں اور وہ بھی گنتی کے چار۔ آپ ہی بتائیے کہ کون جعلی سکوں پر اپنی نیت خراب کرے گا"۔

اخلاق احمد دہلوی کی کتاب "پھر وہی اپنا بیان" سے اقتباس

انتخاب: سیما......ملتان

اس ماہ کی کرنیں

☆ بڑے کام کرو بڑے وعدے نہ کرو۔

☆ ہنس مکھ آدمی کو ہر کوئی خوش آمدید کہتا ہے۔

☆ زبان بند رکھنا سب سے بڑی عبادت ہے۔

☆ زخم کھانا بڑی بات نہیں بلکہ زخم کھا کے مسکرانا عظمت کی دلیل ہے۔

☆ زندگی میں حرارت پیدا کرنے والی چیز اعتماد ہے۔

☆ علم دل کو ایسے سیراب کرتا ہے جیسے بارش خشک زمین کو سیراب کرتی ہے۔

☆ دنیا کی سب سے مہنگی ترین چیز دوستی ہے۔

فرزانہ شوکت......کراچی

اس ماہ کی نظم

وہ دور جن بھر مہینوں سے سدا ممتاز لگتا ہے
مارچ کس لیے آخر ہمیشہ خاص لگتا ہے
بہت سہمی ہوئی صبحیں اداسی سے بھری شامیں
وہ دوپہریں روئی روئی سی وہ راتیں کھوئی کھوئی سی
سرمئی شاموں کا' وہ کم روشن اجالوں کا
کبھی گزرے حوالوں کا' کبھی مشکل سوالوں کا
بچھڑ جانے کی مایوسی' ملن کی آس لگتا ہے
مارچ کس لیے آخر ہمیشہ خاص لگتا ہے

ناصر عباس......کراچی

اس ماہ کا ڈراپ سین......!

جب سورج نے اپنا سنہرا مکھڑا دکھایا تو مرغے کی سریلی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ سب سے پہلے اس نے اپنے حسین و جمیل چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور پھر جلدی جلدی ناشتہ حلق سے نیچے اتارا۔ اس کے بعد پورے دن کا سب سے اہم کام یعنی آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ہر روز کی طرح اپنے آپ کی تعریفیں کیں۔ اپنی بڑی بڑی سیاہ خمار آلود آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا کر اپنے حسن کو چار چاند لگا دیے۔ خوب بناؤ سنگھار کرنے کے بعد اپنا خاص سامان یعنی منی بیوٹی پارلر اپنے پرس میں رکھا اور اپنی جاب پر روانہ ہو گئی۔

آج کے شیڈول کے مطابق وہ ایک کشادہ سڑک کے کنارے کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے "اپنے خاص انداز میں" ایک خوبصورت بلیک کار کو ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا لیکن وہ نہ رکی۔ شاید اس کار میں بیٹھے ہوئے شخص کو جلدی تھی۔

خیر اس نے تین چار کاروں کو رکنے کا اشارہ کیا لیکن وہ بھی نہ رکیں۔ شاید اس کے لیے آج کا دن خراب تھا۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور بڑی جرات کے ساتھ وہ دور سے آتی وہائٹ کار کے سامنے کھڑی ہو گئی' مجبوراً کار کو رکنا ہی پڑا۔ پھر وہ بڑے پیارے اور دلکش انداز میں دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی ہوئی کار

میں بیٹھے ہوئے شخص کے پاس گئی اور بڑی حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور معصوم سی شکل بنا کر اپنا حسین ہاتھ بڑے دلفریب انداز میں لہرا کر اس بیچارے اجنبی شخص کے سامنے کر کے کہا۔

''آئے ہائے! اللہ کے نام پر کچھ دیتا جا''۔

ایس امتیاز احمد...... کراچی

اس ماہ کی خوبصورت بات

شیشہ اور دوست میں صرف ایک ہی فرق ہوتا ہے:

ویسے تو دونوں نازک ہی ہوتے ہیں
مگر
شیشہ غلطی سے ٹوٹتا ہے اور
دوست غلط فہمی سے!

وریشا خان...... حیدر آباد

اس ماہ کے موسم کی دعا

پھر ڈسنے لگی ہیں سانپ راتیں
برساتی ہیں آگ پھر ہوائیں
پھیلا دے کسی شکستہ تن پر
بادل کی طرح سے اپنی بانہیں!

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: دھنک ناز...... کراچی

اس ماہ کا لطیفہ

بیوی: ''اگر میں گم ہو جاؤں تو تم کیا کرو گے؟''

شوہر جو اپنی بیوی سے بہت عاجز تھا: ''میں اخبار میں اشتہار دوں گا''۔

بیوی: ''کیا لکھو گے؟''

شوہر: ''جس کو ملی اس کی......''

عانیہ نیازی...... ربوہ

اس ماہ کی غزل

اگر خود اپنے مراتب سے آشنا ہو جائے
ذرا سی دیر میں انساں کیا سے کیا ہو جائے
نہ جانے کتنے دلوں سے اُمڈ پڑے آنسو
خدا کرے یہ مرا ساز بے صدا ہو جائے
کسی کتاب کسی رہنما کی حاجت کیا
ہر ایک نقص اگر شعر میں روا ہو جائے
عجب رسمِ زمانہ ہے اس کو کیا کہئے
جو دوسروں کو ملائے وہی برا ہو جائے
فریب حسن کا وطیرہ' دروغ ہے مسلک
کہیں انہی سے ہمارا نہ سامنا ہو جائے
ہمارے گھر کی جو دشمن بنی ہوئی ہے ابھی
چلے ہوا تو پریشاں یہی گھٹا ہو جائے

شاعر: نصیر کوٹی

انتخاب: رومانہ توقیر...... اسلام آباد

اس ماہ کا شکوہ

روزِ حشر میں بے خوف گھس جاؤں گا جنت میں
وہاں سے آئے تھے آدم وہ میرے باپ کا گھر ہے

جوابِ شکوہ

ان اعمال کے ساتھ تو جنت کا طلبگار ہے کیا
وہاں سے نکالے گئے تھے آدم تو تیری اوقات ہے کیا

شاعر: ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

انتخاب: مسز ریما نور رضوان...... کراچی

☆☆☆☆☆

خوشبو

ارشادِ ربانی

شیطان انسان کا دشمن ہے:

''لوگو! زمین میں جو کچھ حلال اور پاک چیزیں موجود ہیں' اس میں سے کھاؤ (پیو) اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو' درحقیقت وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○ وہ تو تمہیں بس بری اور فحش باتوں کا حکم دیتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ تم اللہ کے نام پر ایسی باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں کہ وہ اللہ نے فرمائی ہیں ○ (شیطان انسان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈال کر اسے ایمان سے ہٹانے کی کوششوں میں مصروف رہتا ہے۔ یہاں واضح کر دیا گیا ہے کہ حقیقت میں شیطان ہی ہمارا دشمن ہے۔ اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل پیرا رہیں اور ایسی باتیں کہنے سے گریز کریں جن کے من جانب اللہ ہونے کی کوئی سند نہیں ہے)''

(سورۃ البقرہ 2۔ ترجمہ آیات 168 تا 169)

رابعہ فاطمہ...... لاہور

خلیل جبران کے افکار

☆ زندگی شب و روز ہمارے دونوں رخساروں کو چومتی رہتی ہے لیکن صبح و شام ہمارے اعمال پر خندہ زن رہتی ہے۔

☆ ہم میں سے کچھ روشنائی کی مثال ہیں اور کچھ ورق کی مثال۔ اگر سیاہی نہ ہوتی تو سفیدی بہری رہ جاتی اور سفیدی نہ ہوتی تو سیاہی اندھی رہ جاتی۔

☆ عقیدہ یا ایمان ایک علم ہے جو صرف دلوں کے اندر رہتا ہے اور یہ دلائل اور ثبوت سے ماورا ہے۔

خلیل جبران کے افکار

انتخاب: بسمہ علی...... سکھر

دوستی

☆ دوستی کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ منفی سوچ اور بدنیتی پر قائم دوستی کبھی پائیدار نہیں ہوتی۔

☆ دوستی صرف ہاتھ بڑھانے کا نام نہیں بلکہ ساتھ نبھانے کا نام ہے۔

☆ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کا ہاتھ تھامتے ہیں لیکن اسے تکمیل تک پہنچانے والے لوگ عموماً کم ہوتے ہیں۔

☆ سچی دوستی کے حصول کیلئے انسان کو بڑے کٹھن امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے۔

☆ دوستی کانچ کی ایسی دیوار ہے جو ذرا سی ٹھیس پہنچنے پر چکنا چور ہو جاتی ہے۔

☆ سچی دوستی کا اندازہ دوست کی نیت سے

دیا جا سکتا ہے۔

فرزانہ شوکت...... کراچی

ہنس لیں

ڈاکٹر پٹھان سے: "آپ کا ایک گردہ فیل ہو گیا ہے۔"

پٹھان روتے ہوئے: "کتنے نمبروں سے......"

ڈاکٹر: "آپ کے شوہر کو آرام کی ضرورت ہے۔"

بیوی: "یہ میں انہیں کس وقت دوں؟"

ڈاکٹر: "بی بی یہ آپ نے کھانی ہیں......"

طوبیٰ رضا...... بہاولپور

ماں نہیں ملے گی......!

حافظ ابن مقیمؒ نے دیکھا...... ایک ماں دروازے میں کھڑی اپنے بچے کو مار رہی تھی وہ ساتھ آٹھ سال کا بچہ تھا۔ مارتے مارتے اچانک ماں نے بچے کو دھکا دے کر گھر سے باہر نکال دیا۔ وہ بری طرح رو رہا تھا۔ ادھر ماں کہہ رہی تھی "تو نافرمان ہو گیا ہے' میری کوئی بات نہیں مانتا تو میرے گھر سے چلا جا' میں تیری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی"۔ اتنا کہہ کر ماں نے کھٹ سے دروازہ بند کر لیا۔

دروازہ بند ہوتے دیکھ کر بچہ کچھ دیر تو روتا رہا' پھر اس نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے جب وہ گلی کی نکڑ پر پہنچا تو یکا یک رک گیا اور کچھ سوچنے لگا' پھر وہ پلٹا اور اپنے گھر کے دروازے پر آ کر بیٹھ گیا۔ وہ تھکا ہوا تھا' اسے نیند آنے لگی اور پھر وہ سو گیا۔ کافی دیر بعد اس بچے کی ماں نے کسی ضرورت کے تحت دروازہ کھولا تو دیکھا اس کا بچہ دہلیز پر سر رکھے سو رہا ہے۔ اس کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا' اس نے بچے کو بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور کہنے لگی: "میری نظروں سے دور کیوں نہیں ہو جاتا۔ یہاں کیوں پڑا ہے"۔ ماں کی بات سن کر بچے کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے اور بولا: "امی جان آپ نے دھکا دے کر گھر سے نکالا تو میں سوچنے لگا کہ کہیں چلا جاتا ہوں' بھیک مانگ کر گزارہ کر لوں گا یا محنت مزدوری کر کے کھانا کھا لیا کروں گا۔ یہ سوچ کر میں گلی کی نکڑ تک گیا تھا کہ خیال آیا مجھے دنیا میں کھانا پینا تو مل جائے گا' ماں نہیں ملے گی' ماں اور اس کی محبت اگر ملے گی تو اسی گھر سے ملے گی' یہ سوچ کر میں واپس آ گیا ہوں۔ مجھے ماں چاہیے' ماں کی محبت چاہیے' میں آ گیا ہوں اگر اب آپ دھکے دے کر نکالیں گی بھی تو میں نہیں جاؤں گا"۔ جب ماں نے بیٹے کی یہ باتیں سنیں تو اس کا دل موم ہو گیا' ممتا اس کے ارادوں پر غالب آ گئی' اس نے کہا: "بیٹے! تمہارے دل میں احساس ہے کہ ماں کی محبت اور شفقت تمہیں کہیں سے نہیں مل سکتی تو ٹھیک ہے تم اس گھر میں رہ سکتے ہو' میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی"۔

حافظ ابن مقیمؒ یہ سارا ماجرا دیکھ کر مسکرانے لگے۔ وہ بچہ اپنی ماں کو چھوڑ کر کہیں جانے کیلئے تیار نہیں تھا تو ہم اپنے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کے در پر سوالی بن کر کیسے جاسکتے ہیں؟

ایس امتیاز احمد...... کراچی

جھوٹ بولنے کی سزا

ایک کمپنی کے منیجر نے چپڑاسی لڑکے پر برہم ہوتے ہوئے کہا:

"ایک ماہ کے دوران تم نے آج تیسری مرتبہ جھوٹ بولا ہے' کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہماری کمپنی میں جھوٹوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟"

"جی ہاں جناب!" لڑکے نے سر ہلایا۔

"جب وہ جھوٹ بولنے میں ماہر ہو جاتے ہیں تو انہیں سیلز مین بنا کر کاؤنٹر پر کھڑا کر دیا جاتا ہے"۔

بشریٰ طارق...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

معمولی چیز

انڈیا کے صوبے یوپی کے مشہور تاریخی شہر بجنور کی تحصیل نجیب آباد کے گاؤں حسین پور کے محلے پٹواریاں میں ایک دیہاتی سید سردار حسین نقوی شاہراہ کے درمیان چلا آ رہا تھا' عقب سے اس کے بڑے بھائی سید علمدار حسین نقوی پٹواری نے آواز بلند کر کے کہا: "میرے چھوٹے بھائی سید سردار حسین نقوی ذرا سڑک کے کنارے ہو کر چلو' پیچھے سے ٹرک آ رہا ہے"۔ دیہاتی سید سردار حسین نقوی بے ساختہ بولے: "بڑے بھائی سید علمدار حسین نقوی صاحب! آپ بے فکر رہیں جی! میرے اوپر سے ہوائی جہاز گزر جاتے ہیں یہ تو معمولی چیز ہے"۔

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی...... کراچی

دکھ' سکھ

تمام تر تعریفیں اس "اللہ" کے لیے ہیں جو
برداشت سے زیادہ "دکھ" نہیں دیتا
مگر......
اوقات سے زیادہ
"سکھ"
ضرور دیتا ہے......

مسز رضیہ نور رضوان...... کراچی

محبت

محبت ایک ریاضی کا سوال ہے
اس میں دوستوں کو جمع کرو
دشمنوں کو نفی کرو
خوشیوں کو ضرب کرو
اور غموں کو تقسیم کرو تو
آپ کے پاس جواب
پڑتال میں دونوں طرف
برابر کا آئے گا

ثمرین اسلام الدین...... کراچی

زندگی گزارنے کے چار اچھے طریقے

1: اس کو کبھی غلط مت کہو جو تمہیں چاہتا ہے۔
2: اس کو مت چھوڑو جس کو تمہاری ضرورت ہو۔
3: اس پر کبھی الزام مت لگاؤ جو تم پر اعتبار کرتا ہو۔
4: اسے کبھی مت بھلاؤ جو تمہیں ہر وقت یاد کرتا ہو۔

فضول خرچی

"حمزہ! تم کچھ پڑھ رہے ہو؟" کنجوس باپ نے شاہ خرچ بیٹے سے پوچھا۔

"نہیں پاپا"۔ بیٹے نے مختصر جواب دیا۔

"کیا تم کچھ لکھ رہے ہو؟" باپ نے پھر دریافت کیا۔

"نہیں پاپا! میں کچھ سوچ رہا ہوں"۔ حمزہ نے جواب دیا۔

"تو پھر خدا کیلئے چشمہ اتار دو' تمہاری یہ فضول خرچی کی عادت کسی دن دیوالیہ کر دے گی"۔ کنجوس باپ نے دھاڑتے ہوئے کہا۔

فرزانہ عمر دراز...... کراچی

☆☆☆☆☆

ایک یاد

کبھی پرند کی اڑان تھی اس میں
کبھی عجب کشش جان تھی اس میں
کبھی خوشبو کی مہک تھی اس میں
کبھی فرشتوں کی صفت تھی اس میں
کبھی ہر خوف کا ٹکراؤ تھا اس میں
کبھی خاموش فضا تھی اس میں
کبھی چال میں تیز رفتاری اس میں
کبھی گرج چمک سے خوف اس میں
کبھی اللہ کے رحم پر چھوڑنا اس کو
ڈرتے ڈرتے قدم بڑھانا اس کو
گھر کے قریب ہو جانا اس کو
عجب خوشی سے اچھلتے جانا اس کو
دل کے سکون میں غوطے کھانا اس کو
ان یادوں کو دہرانا اس کو
اب بھی وہیں پانا اس کو

فرخ سلطانہ

ہے ان کی جلد بھی گوری مگر چہرے پہ وحشت ہے
نہ جانے کیوں مجھے اب بھی یہ بیگانے سے لگتے ہیں
ملنساری، اخوت جو مسلمانوں میں ہوتی ہے
نہیں ہیں یہ مسلماں پر مسلمانوں سے لگتے ہیں
ہے عورت جنسِ ارزاں چوک شاہراہوں پہ بجتی ہے
نہ جانے کیوں یہ عاشق مجھ کو پروانے سے لگتے ہیں
ترقی کے لیے اپنی گزر جاتے ہیں ہر حد سے
جنونی ہیں یہ پاگل ہیں یہ دیوانے سے لگتے ہیں
غزل کی روح بھی اپنے وطن پر والہ و شیدا
یہاں کے لوگ مجھ کو جانے پہچانے سے لگتے ہیں

سلمیٰ غزل

لوگ تو......

آئینوں کی ادا نہ اپناؤ
آئینے تو خفا بھی ہوتے ہیں
درد کی انتہا نہ سمجھاؤ
درد بے انتہا ہوتے ہیں
خود کو شامل کرو نہ لوگوں میں
لوگ تو بے وفا بھی ہوتے ہیں

فرزانہ شوکت

غزل

دیارِ غیر میں آ کر ہوا احساس یہ مجھ کو
یہ چہرے جتنے ہیں یہ انجانے سے لگتے ہیں

غزل

چلو کہیں چل کے یہ قصہ تمام کر آئیں

دل کی دھڑکنیں سب ان کے نام کر آئیں
سلام نذر کریں چاند بادشاہ کے حضور
جبینِ شوق کو عالی مقام کر آئیں
وہ روشنی ہے تو پھر کیوں نہ آج ان کے سپرد
جہانِ دید کا سارا نظام کر آئیں
چلو کہ لفظ کا جوہر کہیں تلاش کریں
چلو نگارِ سخن سے کلام کر آئیں
چلو نگاہِ کرم کی کرامتیں دیکھیں
چلو بہشت میں اک شب قیام کر آئیں
چلو کہ راہِ طلب میں گنوا کے جاں اپنی
وصالِ یار کا کچھ اہتمام کر آئیں

ناصر عباس

غزل

اندھیری شب کے دامن میں روشنی کیسی
اداس دل ہو تو پھر زندگی میں ہنسی کیسی
دے گیا وہ خوب ہمیں ترکِ الفت یہ سزا
ہمارے لیے اب زمانے میں پھر خوشی کیسی
تیری یادوں کے تصور میں کھلے ہیں پھول بھی
مہکتی ہوئی ہواؤں میں پھر یہ نغمگی کیسی
حسن بہاراں سے وہ کبھی ہمکنار نہ ہوا
بجھی بجھی سی نگاہوں میں یہ بہاروں کی دلکشی کیسی
گلشن میں شاخِ تمنا کی طرح ہیں جاوید
پھر میرے لیے یہ اداؤں کی تازگی کیسی

محمد اسلم جاوید

التماس

آج برسوں کے بعد
اے مرے دلربا

شب کی دہلیز پر
چاند نکلا ہے پھر
کچھ ستاروں کے ساتھ
مسکراتے ہوئے
دل دکھاتے ہوئے
چاندنی رات ہے
غم کی بہتات ہے
دل ترے پاس ہے
کس کو احساس ہے
اشک آنکھوں میں اپنی چھپائے ہوئے
زخم کھائے ہوئے
منتظر ہے نظر
پھر تمہارے لئے
آ بھی جاؤ ذرا
مسکراؤ ذرا
دیکھ لوں میں تجھے
پیار سے اک نظر
مسکراتے ہوئے
اس سے پہلے کہ جب
رات ڈھل جائے اور
دن نکل آئے پھر
آ بھی جاؤ ذرا
آ بھی جاؤ ذرا

حکیم خان حکیم

غزل

سب اپنے تھے مگر اپنے نہیں تھے

ہری شاخیں تو تھیں پتے نہیں تھے
ہر اک پتھر براہ راست آیا
کسی کھڑکی میں بھی شیشے نہیں تھے
سب ہی کچھ تھا مری قسمت میں لیکن
نجومی کے لئے پیسے نہیں تھے
بڑا ناداں تھا پتھر کا زمانہ
کھلونے بھی تو مٹی کے نہیں تھے
وہی بے جا تصرف تھا نظر کا
فلک پر چاند اور تارے نہیں تھے
ہوئے بے سایہ جب ہم دوپہر میں
تو ہمسائے بھی ہمسائے نہیں تھے
لگے تھے بن کے پتھر مرے سر میں
انہوں نے پھول جو پھینکے نہیں تھے
گلابوں کو ہدایت کون کرتا
ہم کانٹوں سے جب الجھے نہیں تھے
اچھا ہوا خود کھنچ گئے وہ امتیاز
مرے حالات بھی اچھے نہیں تھے
ایس امتیاز احمد

میرے صنم

تم سے مل کر توڑ دی میں نے ہر قسم تمہاری قسم
تم ہی تم ہو ہر قسم سے بڑھ کر میرے صنم
موسم آئے موسم جائے ہم نہ بدلیں کھاؤ قسم!
تھام کے میرا ہاتھ صنم یونہی ساتھ رہو گے جنم جنم
میری خوشیاں تیرے اندر ایسے جیسے سات سروں کی سرگم
تنہا ہوں یا جگ ساتھ ہو میرے تیری راہ میں میرے قدم
تم نے چھیڑا تو تم نہ روٹھو ہو کے رہو بس میرے صنم
سوتے جاگتے میرے اندر بھی ایک دعا ہو کر رہے سنگم
تھام کے میرا ہاتھ صنم یونہی ساتھ رہو گے جنم جنم
میرا ہاتھ دل پر رکھ کر کھاؤ قسم "میرے صنم"
سیما سحر

غزل

جزیرۂ نیند سے بے دخل کیے گئے
فقط جرم محبت میں یہ سزا دیئے گئے
روبرو جب کبھی ہم ان کے ہوئے
قفل لب پہ ہزاروں لگ گئے
آگِ ہجر میں جلتے رہے صدا
ہائے! کس طرح سے ہم جیئے گئے
ان کی یاد جب سے ہمسفر ہوئی
مری تنہائی کے مٹ سب گلے گئے
وہ پہلی بوند محبت کے برسنے سے
نجانے کتنے خواب ہم بُنے گئے
میرے مقتول نے حساب درد مانگا ہے
اسے کیا خبر کے کتنے آنسو بہہ گئے
اپنے ہرجائی کے ہر غم سمیٹتے رہے
دان اپنی ہر خوشی کرتے گئے
دارالشفاء میں کوئی طبیب نہ ملے گا
جو دلدل عشق میں غزل پھنس گئے
ثمیرا غزل

زندگی

زندگی ہے آس کا نام
زندگی ہے سانس کا نام
زندگی دلوں میں دھڑکن کی آواز ہوتی ہے
زندگی آن ہوتی ہے
زندگی شان ہوتی ہے
زندگی دکھ و خوشی کا پیغام دیتی ہے
زندگی یاد ہوتی ہے
زندگی شاد ہوتی ہے
زندگی دلوں کو ہنسانے کا خواب ہوتی ہے
زندگی آزمائش ہوتی ہے
زندگی فرمائش ہوتی ہے
زندگی آخری سفر کی آزمائش ہوتی ہے
فریدہ جیلانی ناز

غزل

زندگی کے آخری سفر پر جب میں جاؤں گا
سفید لباس میں بہت دلکش نظر آؤں گا
سب رو رہے ہوں گے میرے لئے مگر
میں صرف تیرے لئے مسکراؤں گا
تیری راہوں سے جب گزرے گا جنازہ میرا
دو پھول مجھ پہ رکھ دینا میں مہک سا جاؤں گا
میں سفید لباس میں بہت دلکش نظر آؤں گا
تم ایک بار مجھے اپنا چہرہ ضرور دکھا دینا
تمہارے سامنے میں ہنستے ہوئے لحد میں اتر جاؤں گا
پھر میں سفید لباس میں بہت دلکش نظر آؤں گا
پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی

دعا

بس ...
ایک چھوٹی سی دعا ہے
کہ
جن لمحوں میں
"تم"
ہنستے ہو......
وہ
لمحے کبھی "ختم" نہ ہوں......
نوشی

نظم

چاہتوں کے سفر میں
محبتوں کے دیس میں
کسی اور بھیس میں
جو تمہیں ملا تھا
وہ میں نہیں
کوئی اور تھا
روحان دانش

شاخِ گل

کوئی شاخِ گل ہلاؤ میرے دل میں چاہت جگاؤ
میں بھول گئی ہوں گھر کا رستہ مجھے میرے گھر پہنچاؤ
میرے چارہ گر میرے رہنما کوئی حسین داستاں سناؤ
دل میں اک درد سا ٹھہر گیا ہے مجھے کچھ تو رلاؤ
ہے خشک پتوں کا شور کچھ سنائی نہیں دیتا
انہیں ہٹاؤ میری راہ میں کوئی دیا جلاؤ
کوئی اپنا احساس دو مجھے کوئی حل سمجھاؤ
گر گیا ہے گھر میرا اُسے پھر سے سجا کر بناؤ
میرے سر پہ آنچل دو مجھے پھر سے تم بہلاؤ
میں تھک گئی ہوں کاتب تقدیر اب تو منزل دکھلاؤ
صائمہ

☆☆☆

سندیسے

عائشہ الیاس .... کراچی

السلام وعلیکم آپی! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ سب سے پہلے کچھ ردا پر تبصرہ کرلوں' ماشاء اللہ سے ردا کامیابی کی طرف بڑھ رہا ہے' سچ بتاؤں آپی! تو میں نے ردا پہلے کبھی باقاعدگی سے نہیں پڑھا پر اب پڑھتی ہوں کیونکہ اب لگتا ہی اتنا اچھا ہے' اس لئے نہیں کہ اس میں' میں لکھتی ہوں بلکہ اس لئے کہ اس میں اب بہت خوبصورت تحریریں چھپتی ہیں۔ ردا میں کافی اچھی رائٹرز کا اضافہ ہوا ہے' ماشاء اللہ سب ہی اپنے طور پر بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ آپی! میں خاص کر آپ کی تعریف کرنا چاہوں گی آپ کا نیا ناول بہت ہی خوبصورت ہے۔ آپ بہت خوبصورت منظر نگاری کررہی ہیں خاص طور پر ماہم اور باجی کا سین تو بہت خوبصورتی سے بیان کرتی ہیں۔ آپ کے الفاظ کا چناؤ اور منظر نگاری بہت عمدہ ہے' اللہ آپ کو بہت کامیابی سے نوازے۔ آپ سے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ اب آتی ہوں میں اپنی طرف۔ آپی! آپ کا بہت بہت زیادہ شکریہ آپ نے میری تحریر کو بہت خوبصورتی کے ساتھ جگہ دی۔ میں قسط وار ناول لکھنے کی اجازت لینا چاہتی ہوں۔

اب اجازت چاہوں گی۔

عانیہ نیازی .... ربوہ

پیاری آپی! کیسی ہیں آپ؟ ردا کے پورے اسٹاف کو سلام۔ اس ماہ کا شمارہ بہت ہی زبردست تھا۔ آپی! آپ کے ناول کیلئے میں کیا کہوں' میرے پاس الفاظ نہیں ہیں' اتنا خوبصورت ناول ہے آپی کہ مجھے تو بس انتظار ہی رہتا ہے کہ جلدی سے ردا ہاتھ میں آئے اور میں اس کو پڑھوں' کہانی بہت خوبصورتی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ شازیہ مصطفیٰ جی کے سلسلے وار ناول کی تو کیا ہی بات ہے۔ حرما کو آخر آپ نے ذیشان کے ساتھ رخصت کروا ہی دیا۔ اب کہانی میں دلچسپی اور بڑھ گئی ہے۔ نائلہ طارق کے سلسلے وار ناول میں شیث کا کردار اور خوبصورتی سے نکھر کر سامنے آرہا ہے۔ سباس گل کیا بات ہے آپ کی۔ آپ نے تو کنول کے کیے کرائے پر پانی ہی پھیر دیا لیکن ان کی چالاکیاں اور منصوبہ بندی تو آگے بڑھتی ہی جارہی ہے' اس ناول کے اختتام کا انتظار ہے کہ کس طرح سے سباس گل انصاف کرتی ہیں عینی کے ساتھ؟ انعم خان کے ناول میں علی کا کردار بہت ہی اٹریکٹ کررہا ہے۔ کافی دنوں بعد نایاب جیلانی کی تحریر پڑھنے کو ملی۔ ان کے مکمل ناول

کی اسٹوری بہت زبردست تھی۔ روشنی فاطمہ جب بھی لکھتی ہیں بہت اچھا لکھتی ہیں۔ باقی ساری رائٹرز جیا قریشی' ثمرین اسلام' سعدیہ خان آفریدی' ریما نور رضوان' نجف بتول' ثنا خان صنعا سب ہی کی تحریریں اچھی تھیں۔ ریما نور کی تحریر آج کل کے ماحول کے حساب سے پرفیکٹ تھی۔ مستقل سلسلے سارے ہی اچھے تھے۔ اب اجازت چاہوں گی۔

بشریٰ طارق .... ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوئٹ آپی! بہت محبت کے ساتھ پرخلوص دعاؤں سے سجا سلام۔ گوشہ آگہی میں جس طرح آپ مخاطب ہوتی ہیں سارے ہی الفاظ دل میں اتر جاتے ہیں۔ ردائے جنت تو ہماری روح تک کو سرشار کردیتا ہے۔ ردا کے تمام ہی سلسلے وار ناولز بہت خوبصورتی سے ردا کی شان میں مزید اضافہ ہی کرتے جارہے ہیں۔ کسی ایک کی تعریف کرنا بھی بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ مکمل ناول' ناولٹ اور افسانے سب ہی اس ماہ کے اچھے لگے۔ مستقل سلسلوں میں ڈائری سے لے کر سنگھار تک رنگ ہی رنگ بکھرے پڑے تھے۔ سعدیہ عابد کی ڈائری اور ساجدہ کی ڈائری کا انتخاب بہت عمدہ تھا۔ اشعار کا انتخاب بھی اچھا تھا۔ اس ماہ کا اقتباس رومانہ توقیر کا انتخاب زبردست تھا۔ خوشبو تو پورا ہی مہکتا رہتا ہے۔ ذرا پھر سے کہنا میں نئے لکھنے والوں کا بھی خاطر خواہ اضافہ ہورہا ہے۔ دوستوں کے نام پیغام پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔ باتیں صحت کی' کچن اور سنگھار بھی اچھا تھا۔ آپی! آپ کا بہت شکریہ کہ آپ میری تحریروں کو ردا میں جگہ دیتی ہیں۔

راحیلہ سمیع .... اسلام آباد

سوسوئٹ آپی! سرورق بہت ہی خوبصورت جھلملاتا ہوا خوشگوار موسم کا اثر چھوڑ گیا۔ سلسلے وار ناولز سے لے کر مکمل ناول' ناولٹ اور افسانے سب ہی بہت اچھے تھے۔ روشنی فاطمہ کا افسانہ اچھا لگا۔ ردا کی بہت اچھی بات یہ ہے کہ اس میں نئی رائٹرز کا اضافہ ہورہا ہے۔ نائلہ طارق کا سلسلے وار ناول ''سانس' سڑک اور سکوت'' کی اسٹوری بہت اچھی چل رہی ہے۔ اس کہانی میں موموکا کردار بھی بہت دلچسپ ہے۔ انعم خان کی کہانی میں ایک طرف ماہی کی اسٹوری بہت دلچسپ ہے تو دوسری طرف علی کی۔ انعم خان کا لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے۔ سباس گل کی کہانی ہمارے معاشرے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آج بھی ہمارے گھروں میں ایسی کہانیاں پائی جاتی ہیں۔ دوستوں کے نام پیغام ایک بہت خوبصورت کالم ہے۔ وشز پڑھ کر ہمیشہ ہی اچھا لگتا ہے۔ اب اجازت دیجئے اگلے ماہ مکمل تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی' شکریہ۔

دھنک ناز .... کراچی

آپی السلام وعلیکم! نہایت مصروفیت کے باوجود بھی میں ردا میں خط لکھنے کے لئے ٹائم نکال لیتی ہوں۔ مصروفیت کی وجہ میرے فورتھ ایئر کے ایگزام تھے۔ امی سے ہر وقت ڈانٹ پڑتی ہے کہ پیپرز سر پر ہیں اس کے باوجود ڈائجسٹ پڑھنے کا شوق کم نہیں ہوتا۔ کیا کروں ردا ہے ہی اتنا اچھا کہ کوئی بھی سلسلے وار ناول میں مس نہیں کرتی ہوں۔ آپی! میرے رزلٹ کیلئے دعا ضرور کیجئے گا۔ اب آتی ہوں ردا کی طرف۔ ویلڈن آپی! رگِ جاں سے جو قریب تھے

کی کہانی اپنی عمدگی سے آگے بڑھتی نظر آ رہی ہے' بچ آپی! سارے ہی کردار بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ شازیہ جی! آپ تو ہمیشہ ہی کمال کرتی ہیں۔ نائلہ طارق! آپ کی کہانی میں سب کچھ ہے پڑھنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ سباس گل صاحبہ! دیکھتے ہیں اس کہانی کا انجام کیا ہوتا ہے' انتظار رہے گا۔ انعم خان کا مکمل ناول میں علی کا کردار بہت دل کو چھوتا ہے۔ اس کی حالت پر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ نایاب حسین کا مکمل ناول بہت اچھا لگا۔ جیا قریشی' ریما نور' ثمرین اسلام الدین اور باقی ساری ہی رائٹرز نے اچھی کہانیاں تخلیق کیں۔ روشنی فاطمہ کا انداز بہت ہی اچھا ہے۔ ثنا خان صنعا کا افسانہ ''خدا حافظ'' میں امامہ کا کردار اچھا لگا۔ آپی! بہت دنوں سے کسی رائٹر کا انٹرویو شائع نہیں ہوا ہے۔ آخر میں میری دعا ہے کہ ردا ہمیشہ ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے' آمین۔

نادیہ اظہر .... سکھر

آپی! سب سے پہلے تو ڈھیروں دعائیں آپ کیلئے۔ آپی! آپ کا بہت شکریہ آپ نے دوستوں کے نام پیغام میں مجھے جگہ دی' جس کی وجہ سے مجھے مزید حوصلہ ملا کہ میں خط لکھ سکوں کہ آپ میرا یہ خط ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈالیں گی۔ میں ردا بہت عرصے سے پڑھ رہی ہوں اور سباس گل میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ اس کے علاوہ ردا میں سب ہی رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں۔ خاص کر آپی کا انداز تحریر اور منظر نگاری دل میں اتر جاتی ہے کہ پڑھنے والا اس منظر میں کھو سا جاتا ہے۔ گوشہ آگہی میں بھی آپ کا انداز دل کو بہت اچھا لگتا ہے آپ اس خوبصورتی سے بات کہہ جاتی ہیں کہ پڑھنے والوں پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ ردا کے سارے ہی کالم بہت خوبصورت ہیں کس کس کی تعریف کروں؟ خوشبو میرا فیورٹ کالم ہے اور سنگھا تو ہے ہی اس لئے کہ ہم ساری فرینڈز اسے ضرور پڑھتی ہیں اور آزماتی بھی ہیں۔ آپی! یہ خط ردا میں شامل کر کے میری حوصلہ افزائی ضرور کیجیے گا' بہت شکریہ۔

صائمہ ناز .... ٹوبہ ٹیک سنگھ

ڈیئر صالحہ آپی السلام وعلیکم! مجھے پوری امید ہے کہ آپ اور ہمارے ردا کی پوری ٹیم خیریت سے اور شادو آباد ہو گی اور میری طرف سے آپ سب کو ایک بار پھر دل کی گہرائیوں سے السلام وعلیکم!

کچھ دنوں کے بعد لکھ رہی ہوں امید ہے آپ سب مجھ سے ناراض نہیں ہوں گے۔ چاہنے کے باوجود میں حاضری نہیں دے سکی' کئی بار لکھ کر رکھا مگر پوسٹ نہیں کر سکی اور آج رات کے ایک بجے تھکن سے چور آپ سب کی محبت سے مجبور ہو کر لکھنے بیٹھی ہوں۔ امید ہے کہ اسے پوسٹ کر سکوں گی۔ ردا کے سب ہی نئے سلسلے نظر سے گزرے جنہیں دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک اور دل میں سرور سا اتر گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ردا کو اتنی ترقی دے کہ آسمان کی بلندیوں کو چھولے' ایسے کہ پھر اس تک کوئی اور نہ پہنچے (آمین ثم آمین) کچھ تحریریں بھیج رہی ہوں پلیز ضرور شامل کیجیے گا' شکریہ۔

صنوبر خرم .... کمالیہ

پیاری آپی! بہت خلوص سے یہ خط لکھ رہی ہوں اسے ضرور شامل کیجیے گا۔ میں ردا کی مستقل

قاری ہوں' میں کچھ تحریریں بھیج رہی ہوں اسے پلیز ضرور ردا میں جگہ دیجیے گا۔ اس ماہ کا شمارہ بہت ہی دلکش لگا۔ ہر رائٹر کی کہانی اپنی جگہ بہت عمدہ ہے۔ سلسلے وار ناول بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ ردا کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ گوشہ آگہی سے لے کر مستقل سلسلے سارے ہی اپنی جگہ جگمگاتے ہیں۔ ردائے جنت بہت ہی معلومات سے بھرپور سلسلہ ہے جسے پڑھ کر دل کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔ باتیں صحت کی' دوستوں کے نام پیغام سلسلے بہت اچھے لگتے ہیں۔ دوستوں کے نام پیغام یہ کالم آگے بھی جاری رکھئے گا' اب اجازت دیجیے۔

ثمرین اسلام الدین .... کراچی

السلام وعلیکم آپی! اللہ سبحانہ تعالیٰ سے آپ کی خیریت و کامیابی مطلوب چاہتی ہوں' یقیناً آپ خیریت سے ہوں گی۔ جب بھی شائستہ جی سے بات ہوئی آپ سے بھی بات کرنی چاہی مگر ہمت نہیں ہو سکی' سویٹ آواز کی مالک شائستہ جی بہت اچھے طریقے سے بات کرتی ہیں۔ ردائے جنت کو پڑھا نظر بد اور جادو کا حوالہ کافی پُر اثر تھا۔ واقعی نظر بہت کاری ہوتی ہے ہم نے اپنے بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ نظر پتھر کو بھی توڑ دیتی ہے' اس کے متعلق معلومات ذہن میں نقش ہو گئیں۔

اس کے بعد سارے افسانے پڑھے وہ اس لئے بھی کہ اس ماہ ہمارا افسانہ بھی شائع ہوا تھا (اس کیلئے شکریہ) افسانے زیادہ تر پرانی رائٹرز کے تھے۔ روشنی فاطمہ کا افسانہ .... بھی دل پر اثر کرنے والا اچھا تھا۔ خدا حافظ میں واقعی ثنا جی نے صحیح لکھا کہ جو مسلمان ہوتا ہے ہم ان کو وہ عزت کیوں نہیں دیتے جو کہ دینا چاہیے بلکہ ان کو زیادہ اپریشیٹ کرنا چاہیے تاکہ وہ ہمارے اخلاص سے ہی ہمارے مذہب کے گرویدہ ہو جائیں۔ غرض تمام افسانے چاہے وہ محبت کا جادو ہو یا جیت محبت کی' کوئی نہ کوئی اصلاح لیے ہوئے تھے۔

ناولٹ پڑھ کر ہمارے منہ سے بھی یہی نکلا ایسا بھی ہوتا ہے۔ مکمل ناول میں اس دل میں بسے ہو تم ایک کی گاڑی سسرال کے اسٹیشن تک پہنچ گئی جبکہ دونوں کی بھی جلد ہی پہنچ جائے گی۔ جبکہ مبشرہ وہ تو لگتا ہے علی کو بھول گئی ہے مگر اب لگ رہا ہے اپنی غلطی کا اس کو احساس ہونا شروع ہو گیا ہے۔ فلک تو مشارب کے پیار میں ہی ڈوب چکی ہے' چلو ایک کام تو اچھا کروایا محبت نے اور لگتا ہے وہ کامیاب ضرور ہو جائے گی انگلش میں۔

میری زندگی میں تم ہو کہانی اچھی تھی۔ ایسے لوگوں پر بہت غصہ آتا ہے جو دوسروں کی زندگی برباد کرتے ہیں جیسے آپی کے ناول کی سمیعہ۔

اعتبار عشق میں کنول کی ماں کی انٹری سے بہت ڈر لگا کہ کیا ہو گا؟ نفیس جی' عینی کو اس کے میکے بھیج دو نہیں تو بے چاری کا جینا دوبھر کر دیں گی دونوں۔

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے' چلو ایک کی نیا پار لگ گئی یہ بھی کارستانی شہران کی لگ رہی ہے' وہ تو نیکسٹ منتھ پتہ چل جائے گا' حرما پر افسوس ہوا لیل ماہ اب تم ہوشیار ہو جاؤ۔

سانس' سڑک اور سکوت' شیث پر تو لگتا ہے غلط فہمی کی پٹی چڑھی ہے اور یہ زینب کا کردار کیا عاطف کیلئے

ہے؟ مگر کہیں یہ عاطف (سب چیزیں ایک سی شیث کے جیسی پسند کرتے ہیں) کہیں سارہ کو تو پسند نہیں کر رہے؟ موصوف کو رد کو بھئی' کوئی تو ان کو بتادو کہ سارہ' شیث کی محبت ہے۔

اب بات کرتی ہوں آپی کے ناول کی جو کہ ہمیں اپنی رگِ جاں سے قریب ہونے لگا ہے۔ آپی! رومی پر پیار بھی آتا ہے اور ترس بھی' اب یہ صبا' اشمل کیلئے رومی کو بلی کا بکرا تو نہیں چننے والیں؟ ماہم کے اندر ہمیں اپنا عکس نظر آیا' واقعی جگہ سے نقل مکانی صرف جگہ کی ہی لگتی ہے بلکہ جسم سے روح کی بھی لگتی ہے ماہم کے انداز نے بہت دکھ دیا' ایسے ہی ہمارے منہ کی بات بھی سچ ہوتی ہے اور اگر یہ سچائی پاکستان کے میچ میں ہو تو ہمارے بھائی کالی زبان' بدشگون پتہ نہیں کیا کیا القابات سے نوازتے۔ ارے بھئی ہم کیا کریں ہم خود سے جان کر تو نہیں کہتے بلکہ اچانک سے کلک ہوتا ہے اور دماغ کے پردے پر بات روشن ہو جاتی ہے اور سچ بھی ہو جاتی ہے' کیا یہ چھٹی حس ہے؟ اب دیکھئے کہ اچانک ایک دفعہ ایک رشتے دار کے بارے میں سوچ آئی کہ وہ...... پھر ان کا انتقال ہو گیا جب تو سب ہی ڈر گئے کہ کیسے ہم اپنے کزن کے بارے میں ایسا ویسا نہ سوچ لیں' اب کوئی جان کر تھوڑی ایسا کرتے ہیں۔ ارے آپی! آپ تو ہمیں غلط مت سمجھئے گا بس ایسے ہی ایک بات شیئر کرلی ہے آپ سے۔ اور یہ ارج' ارے آپی! اس کو تو دل چاہا اولڈ ہاؤس خود پھینک آؤں۔ کیسے بکواس کر رہی تھی۔

آپی! زندگی کے سارے رنگ آپ کے ناول میں دکھائی دے رہے ہیں' اشمل کی ماں سے لے کر ولید کی ماں تک' صبا سے ماہم' شانزہ تک' زبردست ناول ہے سب کچھ پڑھا ہے کچھ نہیں چھوڑا۔ کچن سے سبزیوں کی بالٹی بھی بناڈالی' ابو کو پسند بھی آئی۔

ذرا پھر سے کہنا میں ناصر عباس کی نظم زبردست تھی۔ اس ماہ کے قول' ڈراپ سین' اذان کی فضیلت سب او کے والی مثال ہے۔

آخر میں ایک ریکوئسٹ ہے پلیز جو ناولٹ بھیجا تھا' 'پناہوں میں چھپالو' کب تک شائع ہوگا بتادیں پلیز۔ آپی! خط بہت کیا بہت زیادہ لمبا لکھا ہے شاید اب تک کے تمام خطوط سے زیادہ بڑا سو پلیز مائنڈ مت کیجیے اور برداشت کرنے کا شکریہ۔

سنجیدہ خان .... لاہور

سرورق بہت خوبصورت تھا۔ ردائے جنت تو روح کو تروتازہ کردیتا ہے۔ گوشہ آگہی میں آپی کے لفظوں کا چناؤ بہت عمدہ ہوتا ہے۔ ہر بار کوئی نہ کوئی میسج اور دل کو چھو لینے والی بات ضرور ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو' آپی تو ہیں ہی لفظوں کی جادوگر۔ بھئی سلسلے وار ناول پڑھ کر تو واقعی ہم پر سرور سا طاری ہو جاتا ہے۔ بہت زبردست آپی کا ناول چل رہا ہے۔ رومی کی کہانی بہت ہی اٹریکٹ کر رہی ہے۔ شازیہ جی کا سلسلے وار ناول بھی بہت اچھا لگ رہا ہے۔ نائلہ طارق' سباس گل' انجم خان' ردا کی ساری ہی رائٹرز بیسٹ ہیں۔ مکمل ناول' ناولٹ اور افسانے ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ ردا کی ڈائری اور اشعار بہت پسند آئے۔ دوستوں کے نام پیغام کالم میں سب کے پیغام پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔ ردا کیلئے بہت سی دعائیں۔

☆☆☆

صالحہ محمود

گوشہ چشم

عائشہ الیاس .... کراچی

پیاری عائشہ الیاس! آپ کو میرا سلسلہ وار ناول پسند آرہا ہے جس کیلئے بہت شکریہ۔ جہاں تک سوال ہے طویل ناول لکھنے کا تو اس کیلئے آپ کو ابھی بہت انتظار کرنا پڑے گا۔ پہلے ہی طویل لائن ہے۔

اس کے علاوہ مکمل ناول' افسانے' ناولٹ جو آپ لکھنا چاہیں اس کی آپ کو اجازت ہے۔ آپ ردا کے ساتھ منسلک رہئے اور ردا کیلئے لکھتی رہیں۔ اپنا بہت خیال رکھئے۔

عانیہ نیازی .... ربوہ

سوئٹ عانیہ نیازی! ردا پر آپ کا مکمل تبصرہ بہت ہی خوبصورت تھا۔ ردا سے آپ کی انسیت قابل قدر ہے۔

آپ بہت خوبصورتی سے کہانیوں پر اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں۔ اپنا بہت خیال رکھئے۔

رابعہ خان .... کراچی

سوئٹ رابعہ خان! آپ کی تحریر ہمیں موصول ہوگئی ہے' جلد ہی شائع کردی جائے گی' آپ کیلئے بہت سی دعائیں۔ ردا میں شمولیت کیلئے بہت شکریہ۔ ردا کا میڈ وکارنر آپ ہی کیلئے ہے۔ آپ اپنا بہت خیال رکھئے۔

بشریٰ طارق .... ٹوبہ ٹیک سنگھ

پیاری بشریٰ طارق! ہمیشہ خوش رہئے' ردا کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ پرخلوص دعاؤں کیلئے بہت شکریہ۔ آپ اسی طرح سے ردا سے جڑی رہیں' آپ کی محبتوں کی بدولت ردا مزید ترقی کرے گا۔ آپ اپنا بہت خیال رکھئے اور سندیسہ لکھتی رہئے۔

راحیلہ سمیع .... اسلام آباد

پیاری راحیلہ! تعریف کا بہت شکریہ۔ نئے کالم کی پسندیدگی کا بھی بہت شکریہ۔ ردا نئی لکھنے والی رائٹرز کیلئے ایک پلیٹ فارم کی صورت ہے۔ ہم انہیں ایک موقع ضرور دیتے ہیں۔ اپنا بہت خیال رکھئے اور آئندہ بھی خط لکھتی رہئے۔

دھنک ناز .... کراچی

سوئٹ دھنک ناز! ماشاء اللہ آپ نے فائنل ایئر کے پیپر دیئے ہیں ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں' انشاء اللہ آپ کا رزلٹ بہت اچھا آئے گا' اللہ آپ کو کامیاب کرے (آمین)

یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ ردا بہت شوق سے پڑھتی ہیں لیکن امی کی بات بھی درست ہے کہ پہلے پڑھائی پر توجہ ضرور دینی چاہیے اور بھی آپ اپنا

شوق پورا کر سکتی ہیں۔ اتنی مصروفیت کے باوجود آپ نے بہت اچھا تبصرہ لکھا ہے۔ آپ کی فرمائش نوٹ کر لی گئی ہے۔ آپ اسی طرح ردا کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھئے اور اپنا بہت خیال رکھئے۔

نادیہ اظہر .... سکھر

پیاری نادیہ اظہر! دعاؤں کا بہت شکریہ۔ آپ بھی ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیے۔ جو پیغام ہمیں مل جاتے ہیں انہیں ہم ضرور شامل کرتے ہیں۔ یہ کالم تو آپ کا اپنا ہے اور یہی بات میں لیٹرز کے لئے بھی کہنا چاہوں گی کہ جو لیٹر ہمیں ٹائم پر موصول ہو جاتے ہیں وہ شامل ہو جاتے ہیں۔

ردا اب مارکیٹ میں جلد آ جاتا ہے اس لئے قارئین سے گزارش ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے خطوط اور پیغام ارسال کریں۔ آپ اپنا بہت خیال رکھئے اور آئندہ بھی لکھتی رہیے۔

صائمہ ناز ....ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوئٹ صائمہ ناز! آپ کی تحریریں موصول ہو گئی ہیں۔ آپ کی تحریر شامل کر لی گئی ہے۔ ردا کی پسندیدگی کا بہت شکریہ۔

صنوبر خرم ....کمالیہ

سوئٹ صنوبر خرم! آپ کے خلوص کا بہت شکریہ۔ آپ کی تحریریں ہمیں موصول ہوتی رہتی ہیں۔ ردا کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ نیا سلسلہ دوستوں کے نام پیغام بالکل قارئین کی بدولت ہی آگے بھی جاری رہے گا۔

ثمرین اسلام الدین .... کراچی

سوئٹ ثمرین اسلام الدین! بالکل آپ مجھ سے فون پر بات کر سکتی ہیں۔ آپ نے جس خلوص سے یہ خط لکھا ہم نے من و عن شائع کر دیا۔

بہت اچھے طریقے سے آپ نے باریک بینی سے ہر ایک کہانی پر تبصرہ کیا ہے۔ آپ کی کہانی جلد ہی شائع ہو جائے گی۔ ناول کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

سنجیدہ خان .... لاہور

پیاری سنجیدہ خان! آپ کا خط موصول ہوا۔ ردا کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

رائٹرز تک آپ کی پسندیدگی آپ کے خط کے ذریعے پہنچ جاتی ہے۔

ردا میں شمولیت کا شکریہ۔ آپ ہر ماہ سندیسے کے ذریعے ردا کا حصہ بن سکتی ہیں۔ نئے کالم میں آپ بھی شامل ہو سکتی ہیں۔ اپنا بہت خیال رکھئے۔

سب قارئین سے گزارش ہے کہ جلد از جلد اپنے میسجز اور خط پوسٹ کریں تا کہ جلد شائع ہو سکیں۔

ہم کسی بھی قاری کا خط ردی کی ٹوکری میں نہیں پھینکتے' یہ ضرور ہے کہ اگر لیٹ موصول ہو تو شائع نہیں کیا جاتا۔

..........☆☆☆..........

دوستوں کے نام پیغام

شازیہ خان! سب سے پہلے آپ کو میرا اسلام' دوسرا آپ کی اتنی تعریفوں کا شکریہ اور میری بیٹی انائیہ واقعی میں مجھے بہت تنگ کرتی ہے اس کے جاگنے پر میں قلم کاغذ لے کر بالکل نہیں بیٹھ سکتی کیونکہ کبھی اس کے ہاتھ میں میرا پین ہوتا ہے تو کبھی کاغذ' اور ایک بات کہ یہ بیٹی بہت پیاری چیز ہوتی ہے میری دعا آپ کیلئے ہے کہ آپ کو اللہ اس تحفے سے ضرور نوازے کیونکہ انہیں سجانے سنوارنے میں بہت مزہ آتا ہے' اگر تقدیر میں آپ سے ملاقات ہوگی تو بہت خوشی ہوگی۔

صالحہ آپی! بیٹی کی مبارکباد اور نظم کیلئے بہت شکریہ اور میرا پیار بھی آپ کیلئے۔ بیٹی اب اگلے ماہ تک ایک سال کی ہونے والی ہے۔ شازیہ مصطفیٰ کو میری طرف سے شادی کی بہت مبارکباد' میری دلی دعائیں ان کے ساتھ ہیں' اب اجازت دیں۔

قمر دش شہک......کراچی

..........☆☆☆..........

پیاری کزن علینہ! ہم سب ٹھیک ٹھاک ہیں اور تمہیں اور سب گھر والوں کو بہت یاد کرتے ہیں۔ تمہیں سالگرہ کی بہت بہت مبارکباد۔ دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھنا۔

ماجدہ نسیم......حیدر آباد

..........☆☆☆..........

میری پیاری فرینڈز: عاشی' شبینہ' سلطانہ' صباحت کیسی ہو تم سب؟ صباحت کی شادی کا سن کر بہت خوشی ہوئی۔ شبینہ! تمہاری بہت یاد آتی ہے۔ سلطانہ! تمہاری ناراضگی ابھی تک دور ہوئی یا نہیں۔ عاشی! تمہارے میسجز آنا کم ہو گئے ہیں۔ مس یو سو مچ۔

مریم عامر......اسلام آباد

..........☆☆☆..........

سوئٹ نایلب حسین! ردا کے ذریعے پتہ چلا کہ وریال خان کی انگیجمنٹ آپ کے بھائی سے ہوئی ہے سن کر بہت خوشی ہوئی۔ میں آپ کی اسٹوریز بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ وریال خان کو بہت مبارکباد ہو۔ ان کے لیے بہت ساری دعائیں۔

بسمہ علی......سکھر

..........☆☆☆..........

پیاری آپی صبا! میں آپ کو بہت مس کر رہی ہوں' آپ کی بہت یاد آتی ہے' میں امی کو اب بالکل بھی تنگ نہیں کرتی۔ بس آپ اپنا بہت خیال رکھا کریں آپ کو بہت سارا پیار۔

تاجور ملک......لیہ

..........☆☆☆..........

پیاری میڈم نور جہاں! آپ میری فیورٹ ٹیچر ہیں۔ آپ سے ہم اسٹوڈنٹس نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ آپ کی مسکراہٹ ابھی تک ہمیں یاد ہے۔ آپ ہمیشہ یونہی مسکراتی رہیں۔ آپ کا لفظ لفظ دل میں اترتا ہے۔ آپ جس طرح سے اسٹوڈنٹس کو پڑھاتی ہیں انہیں سمجھاتی ہیں آپ کے دیئے گئے لیکچر اثر کرتے ہیں۔ آپ کی بہترین صحت اور زندگی کے لیے بہت ساری دعائیں۔

روزینہ طاہر...... لاہور

..........☆☆☆..........

سوئٹ ناہید آنٹی! شادی کی سالگرہ آپ کو بہت مبارک ہو۔ اس بار میں آپ کو ردا کے توسط سے وش کر رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے آپ کو اچھا لگے گا۔ آپ کی بہت یاد آتی ہے۔ فوزیہ یمنٰی آپ سب کیسی ہیں؟ نانی کو بہت سارا پیار۔

صفیہ ناز...... حافظ آباد

..........☆☆☆..........

نادیہ فضل! میں تم سے بہت ناراض ہوں' کالج کے بعد تم نے ایک بار بھی نہ مجھے فون کیا نہ ہی کوئی میسج دیا۔ تم اتنی بے وفا نکلو گی یہ میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کیا دوستی اس طرح سے ختم کر دی جاتی ہے۔

دعا جبیں...... فیصل آباد

..........☆☆☆..........

پیاری دوست ہما! ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ میری دعا ہے کہ تم اپنی زندگی میں بہت ساری خوشیاں دیکھو اور زندگی کے ہر مشکل دور کا مقابلہ کرو۔ یہ دن تمہاری زندگی میں ہر سال خوشیوں کا پیغام لے کر آئے۔ تم جہاں بھی رہو خوش رہو۔

زینت اکرم...... لاہور

..........☆☆☆..........

ردا کی رائٹرز کیلئے بہت ساری بیسٹ وشز۔ شازیہ مصطفیٰ' سباس گل' نائلہ طارق میری پسندیدہ رائٹرز ہیں۔ ان رائٹرز کی تحریریں دل میں اتر جاتی ہیں۔ سب کا ایک منفرد انداز تحریر ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ یہ آگے بھی لکھتی رہیں' اللہ ان کے قلم میں اور نکھار پیدا کرے آمین۔

نجمہ [illegible]...... [illegible]

..........☆☆☆..........

السلام علیکم ڈیئر سسٹرز اینڈ برادرز! کیسے ہیں آپ؟ یہ سوال پوچھنا تو ضروری نہیں ہے کہ روز آپ کو دیکھتے ہیں' دیکھنے میں تو بس ٹھیک ہیں اچھے ہیں (برا مت ماننا مذاق کر رہی ہوں) ڈیئر شبنم! آپ کی 5 اپریل اور شازیہ! آپ کی 4 اپریل کو سالگرہ ہے جبکہ ذلقر بھائی! آپ کی 18 اپریل اور چھوٹے بھائی زبیر! آپ کی 28 اپریل کو سالگرہ ہے میں ردا کے توسط سے آپ چاروں کو سالگرہ وش کرتی ہوں۔

So Happy Birth Day

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے اور اللہ آپ کی تمام نیک خواہشات پوری کرے اور اللہ آپ کو دونوں جہانوں کی کامیابی عطا کرے' آمین۔

آپ چاروں کیلئے میری طرف سے چھوٹی سی دعا۔

ایسی کیا دعا دوں تم کو جو
تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آئے
تمہارے صحنِ چمن میں
روز عید کی چاندنی جگمگائے
میری دعا ہے کہ تمہارے گھر کے آنگن میں
ستاروں کی مالا اتر آئے
مسرت کے ان لمحوں میں
خوشیاں تمہارے گرد جھلملائیں
اور پیاروں سے تمہارا دامن بھر جائے' آمین

فرزانہ عمر دراز...... کراچی

..........☆☆☆..........

ماہ اپریل میں میرے بھائیوں اور میری کزنز شاہین' شبنم' شازیہ کی برتھ ڈے ہے۔ میری طرف سے ان کیلئے بیسٹ وشز اور ان سب کو بھی جن کی برتھ ڈے اپریل میں ہے۔

ثمرین اسلام الدین...... کراچی

..........☆☆☆..........

باتیں صحت کی

صحت مند رہنے کیلئے بہترین اصول

اچھی صحت کے حصول کیلئے اگر ہم اپنی غذا اور چند سنہری اصولوں کا خیال رکھ لیں تو صحت مند زندگی گزار سکتے ہیں۔ وزن کی زیادتی آج کل کا اہم مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ بہت سی ایسی غذائیں ہیں جنہیں ہم کھا کر وزن کم کر لیتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ یہ ساری ہی غذائیں صحت بخش بھی ہوں۔ مندرجہ ذیل چند ضروری باتوں کا خیال رکھنے سے ہم اپنے وزن کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔

وزن کم کرنے کے طریقے

☆ صبح کا ناشتہ لازمی کریں۔ آپ کا وزن قد کے لحاظ سے ہونا چاہیے۔

☆ سردیوں میں روزانہ 8 گلاس پانی اور گرمیوں میں 10 گلاس پانی پئیں۔

☆ گھی اور تیل میں بنی ہوئی چیزیں مثلاً سموسہ' مٹھائی وغیرہ کم سے کم کھائیں۔

☆ سبزیاں' پھل اور دالیں زیادہ استعمال کریں' سبزی اور پھل اگر غذا میں زیادہ شامل ہوں تو جسم توانائی کے مناسب حصول کی بہتر اہلیت رکھتا ہے۔

☆ سلاد کا استعمال موٹے افراد کیلئے بہترین ہے۔

☆ کھانا دو ٹائم کھائیں یعنی صبح اور شام کو۔ اگر درمیان میں بھوک لگے تو کوئی پھل سیب یا گاجر کھا لیں۔

☆ شکر میں تیار کی ہوئی چیزوں کا استعمال کم سے کم کریں۔

ورزش کے ذریعے علاج

ورزش موٹاپے کا بہترین علاج ہے۔ ماہرین کے مطابق روزانہ ایک گھنٹے کی ورزش جسم کو متوازن رکھتی ہے۔ اس کو اپنا معمول بنا لیں' روزانہ ایک گھنٹے کی چہل قدمی کریں۔ چہل قدمی سے مراد تیز تیز چلنا ہے۔ ورزش نا صرف جسم کو متوازن رکھتی ہے بلکہ ذہنی افزائش کیلئے بھی بہترین ہے۔ آپ اس سے خود کو چاک و چوبند محسوس کریں گے۔

سنترے کے چھلکے سے وزن میں کمی

صبح نہار منہ ایک گلاس تازہ پانی میں ایک لیموں کا رس شامل کر کے پیتے رہنے سے جسم میں چربی کی مقدار کم ہونے لگتی ہے۔ اس کا اہم فائدہ وزن میں کمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ رس اگر نیم گرم پانی میں ڈال کر پیا جائے تو زیادہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

سبز چائے کا استعمال

سبز چائے وزن کو گھٹانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کے روزانہ کے استعمال سے جسم کا وزن تیزی سے گھٹتا ہے۔

وزن کی زیادتی بیماریوں کا سبب

بہت زیادہ وزن بڑھ جانے کی وجہ سے جسم بہت سی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے جس میں سرفہرست قلب کی بیماری ہے۔ اس کے علاوہ زیادہ وزن رکھنے والے افراد میں ذیابیطس کی بیماری بھی پائی جاتی ہے۔ اس لئے بہت ضروری ہے کہ وزن کو کم کرنے کے اصولوں پر توجہ دی جائے۔

ثریا اقبال

کچن

نرگسی کوفتے

اجزاء:

قیمہ:	1/2 کلو
انڈے:	5 عدد
پیاز:	3 چھٹانک
لہسن:	1 گٹھی
ادرک:	1/4 چھٹانک
گرم مصالحہ پسا ہوا:	1 چائے کا چمچ
سوکھا دھنیا:	1 چائے کا چمچ
سفید زیرہ:	1 چائے کا چمچ
ہرا مصالحہ:	1 چھٹانک
گھی:	1 پاؤ

ترکیب: قیمے میں چنے کی دال، لہسن چھ جو، ۔۔ پیاز آدھی گٹھی، ادرک ذرا سی، نمک مرچ حسب ذائقہ ڈال کر پکنے کیلئے رکھ دیں۔ جب دال گل جائے تو پانی بالکل خشک کر کے اتار لیں اور سل پر باریک پیس کر رکھ لیں، انڈے سخت ابال لیں (چار عدد) ہرا مصالحہ کاٹ لیں، لہسن ادرک پیس لیں، سوکھا دھنیا، سفید زیرہ بھی پیس لیں اور باقی پیاز لچھے دار کاٹ لیں۔

پیاز کو گھی میں بھون کر بادامی کر لیں اور نکال کر باریک پیس لیں۔ اسی میں پسی ہوئی ادرک، لہسن، نمک اور سرخ مرچ ڈال کر بھونیں اب سوکھا دھنیا اور سفید زیرہ بھی ڈال دیں اور دو چار چمچے چلائیں اور دہی یا ٹماٹر ڈال دیں اور خوب بھونیں۔ جب سب کچھ ایک سا ہو جائے اور سالن گھی چھوڑ دے تو اس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر پکنے دیں، کوئی آدھ گھنٹہ پکنے کے بعد گریوی اپنی پسند کی رکھ کر اوپر سے گرم مصالحہ اور کٹا ہوا ہرا دھنیا ڈال دیں۔

اب پسے ہوئے قیمے میں گرم مصالحہ اور ہرا مصالحہ ملا دیں اور انڈوں کے گرد اس کو لپیٹ کر کوفتے کی شکل میں بنا لیں۔ اب ایک فرائی پین میں گھی ڈال کر کڑکڑائیں اور ایک انڈہ پھینٹ کر اس میں کوفتے بھگو کر تل لیں، سرخ ہونے پر نکال لیں اور تیار شدہ گریوی میں ایک کوفتے کے دو بنا کر، درمیان سے کاٹ کر رکھ دیں۔ پہلے سے دیگچی میں ڈال کر رکھنے کی ضرورت نہیں، گریوی کو ڈش میں الٹ کر اس میں نرگسی کوفتے سجا کر میز پر پیش کریں۔ نرگسی کوفتے تیار ہیں۔

زعفرانی کوفتے

اجزاء:

قیمہ (باریک بغیر چربی):	1/2 کلو
پیاز:	1 پاؤ
لہسن:	8 جوے
ادرک:	آدھ چھٹانک
گرم مصالحہ پسا ہوا:	1 چائے کا چمچ
چنے بھنے ہوئے:	نصف چھٹانک
خشخاش:	نصف چھٹانک
دہی:	آدھ پاؤ
زعفران:	چوتھائی چائے کا چمچ
کیوڑہ:	4 بڑے چمچے
گھی:	1 پاؤ
نمک:	حسب ذائقہ

ترکیب: قیمہ آدھا ابال لیں اور کچا قیمہ اور ابلا ہوا قیمہ ملا کر باریک پیس لیں، اس میں نمک، سرخ مرچ، گرم مصالحہ، چنے اور خشخاش سب باریک پیس کر ملا لیں۔ پیاز باریک لچھے دار کاٹ لیں، ادرک، دھنیا، پودینہ، ہری مرچ باریک کتر کر سب ملا کر رکھ لیں۔ اب پسا ہوا قیمہ لے کر اس کے گول یا چپٹے کوفتے بنائیں اور ان کے بیچ (پیٹ میں) یہ مصالحہ بھر دیں۔ اب یہ کوفتے گھی میں سرخ کر کے نکال لیں۔

نرگسی کوفتے کی طرح اس کا سالن بھی تیار کریں۔ جب سالن تیار ہو جائے تو اس میں زعفران کیوڑے میں پیس کر ڈال دیں۔ ساتھ ہی کوفتے دیگچی میں رکھ کر چند منٹ کے لئے ڈھانپ دیں۔ پندرہ منٹ کے بعد اتار لیں۔ زعفرانی کوفتے تیار ہیں۔

آلو کا بھرتہ

اجزاء:

آلو:	1/2 کلو
پیاز:	آدھا پاؤ
گرم مصالحہ (پسا ہوا):	1 چائے کا چمچ
کھٹائی (امچور):	1 چائے کا چمچ
سیاہ زیرہ:	1/2 چائے کا چمچ
ہرا مصالحہ:	حسب ضرورت
ادرک:	حسب ضرورت
گھی:	حسب ضرورت
نمک:	حسب ذائقہ
سرخ مرچ:	حسب ذائقہ

ترکیب: آلوؤں کو ابال کر چھیل لیں، پھر انہیں سل پر باریک پیس لیں یا ہاتھ سے مسل کر بھرتہ بنا لیں، اب اس میں گرم مصالحہ پسا ہوا، زیرہ ثابت، نمک، سرخ مرچ، کھٹائی ملا دیں۔ پیاز باریک کاٹ کر وہ بھی اس میں ملا لیں۔ اب گھی میں ذرا سا زیرہ ڈال کر اوپر بھرتہ ڈال دیں اور پانچ سات منٹ بھون لیں اور اس پر کٹا ہوا ہرا مصالحہ ڈال کر اتار لیں۔ دہی میں کالی مرچ نمک ڈال کر اس کے ساتھ پیش کریں۔

دال ماش

اجزاء:

دال ماش (دھلی ہوئی):	1 پاؤ
ادرک:	آدھی چھٹانک
لہسن:	1 گٹھی
پیاز:	چوتھائی چھٹانک
نمک:	حسب ذائقہ
سرخ مرچ:	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ (پسا ہوا):	2 چائے کے چمچ
ہرا دھنیا، ہری مرچ، گھی:	3 چھٹانک

ترکیب: دال دھو کر پکنے سے چار گھنٹے پہلے بھگو دیں پھر گھی میں پیاز بھون کر بادامی کریں اور اس پر لہسن پیس کر ڈالیں، ذرا بھن جائے تو ہلدی، نمک اور سرخ مرچ ڈال کر ایک چمچہ پانی ڈال دیں اور مصالحہ بھن جائے تو دال نچوڑ کر ڈال دیں، ساتھ ہی ادرک کاٹ کر ڈال دیں اور بھونتے جائیں۔ تھوڑا بھوننے کے بعد اس میں ایک ڈیڑھ پیالی پانی ڈال دیں اور دم پر لگا دیں۔ خیال رہے کہ آنچ اتنی ہو کہ دال گل جائے لیکن دانہ ٹوٹے نہیں اور پانی خشک ہو کر گھی چھوڑ دے جب گھی نظر آنے لگے تو اس پر ہری مرچ اور ہرا دھنیا کاٹ کر ڈال دیں اور پانچ منٹ دم پر لگا رہنے دیں۔ اب اسے اتار لیں اس پر گرم مصالحہ ڈال کر کھانے کیلئے پیش کریں۔

شہلا مشائق

سنگھار

موئسچرائزر

موسم کوئی بھی ہو موئسچرائزر جلد کیلئے مفید ثابت ہوتا ہے' یہ جلد کی قدرتی نمی کو برقرار رکھتا ہے۔ اس کے روزانہ استعمال سے چہرہ شاداب اور جلد تروتازہ رہتی ہے۔ آپ گھر بیٹھے قدرتی اجزاء سے بھی موئسچرائزر تیار کرسکتی ہیں۔

انڈے اور بادام

ایک انڈے کی زردی میں ایک کھانے کا چمچہ روغن بادام شامل کریں یا پھر پانچ باداموں کو باریک پیس کر انڈے کی زردی میں ڈال دیں۔ ایک کھانے کا چمچہ شہد بھی اس آمیزے میں شامل کردیں اور ان تینوں اجزاء کو اچھی طرح سے ملا کر اپنے ماتھے' چہرے اور گردن پر لگائیں اور پندرہ منٹ تک لگا رہنے دیں۔ اس کے بعد پہلے نیم گرم پانی سے پھر ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھولیں۔

ملتانی مٹی اور شہد

دو کھانے کے چمچے ملتانی مٹی میں ایک کھانے کا چمچہ شہد اور دودھ شامل کر کے مکس کرلیں۔ اس پیسٹ کو چہرے پر لگائیں۔ پندرہ منٹ کے بعد ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھولیں۔ ملتانی مٹی چہرے کے کھلے مساموں کو بند کردے گی جبکہ شہد اور دودھ سے جلد شاداب ہوجائے گی۔

لیمن جیلی

اس موئسچرائزر کی تیاری کے لیے ایک پیکٹ لیمن جیلی کو ابلتے ہوئے پانی میں پکالیں۔ بعد ازاں اس میں ایک لیموں کا عرق بھی شامل کردیں اور اچھی طرح سے ملائیں۔ پھر ٹھنڈا کرنے کے لیے ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔ استعمال سے قبل چہرے کو اسٹیم دیں تاکہ مسام کھل جائیں' پھر ٹھنڈی ٹھنڈی جیلی کو اپنے چہرے اور گردن پر ملیں۔ پندرہ منٹ کے بعد دھولیں۔ یہ چکنی یا روغنی جلد کیلئے بہترین موئسچرائزر ہے۔

سنگترہ اور عرق گلاب

تین کھانے کے چمچے خشک اور پسے ہوئے سنگترے کے چھلکوں میں چند سوکھی ہوئی گلاب کی پتیوں کو پیس کر شامل کریں۔ اب اس میں ایک چائے کا چمچہ شہد اور اتنی ہی مقدار میں دودھ ڈال کر گاڑھا پیسٹ بنالیں۔ اس پیسٹ کو اپنے ماتھے' چہرے اور گردن پر لگائیں۔ بیس منٹ کے بعد دھولیں۔ اس کے استعمال سے جلد نرم وملائم ہوجائے گی۔

جو

ایک بڑے پیالے میں ایک کپ جو کا آٹا' دو انڈوں کی پھینٹی ہوئی زردی' ایک کھانے کا چمچ شہد شامل کر کے تمام اجزا کو اتنا پھینٹیں کہ یکجان ہوجائیں' اس آمیزے سے جلد کو موئسچرائز کرنے کیلئے اسے اپنے چہرے اور گردن پر مساج کریں اور پندرہ منٹ لگا رہنے دیں پھر نیم گرم پانی سے دھولیں۔

☆☆☆